لمحاتِ فکریہ

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ○

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ○

إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُوْلِی الْأَلْبَابِ ○ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران ۱۹۰-۱۹۱)

''بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔

جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالی کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ :

اے ہمارے رب آپ نے اس کو لایعنی اور بے کار پیدا نہیں کیا، ہم آپ کو سب عیبوں سے پاک سمجھتے ہیں، آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے''۔

لمحاتِ فکریہ

اسلامی تعلیمات کے تعارف، اصلاح امت اور باطل افکار
وخیالات کی مدلل تردید پر مشتمل چند فکر انگیز تحریریں

از:

(مفتی) محمد سلمان منصور پوری
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر:

مرکز نشر و تحقیق لال باغ مرادآباد

MARKAZ-E-NASHR-O-TAHQIQ
LALBAGH,MORADABAD,U.P.
INDIA. PIN-244001
Tel.(O591) 2471568,
Mobile: 9412635154

○ نام کتاب: لمحاتِ فکریہ
○ ترتیب: محمد سلمان منصور پوری
○ کمپیوٹر کتابت: محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
○ ناشر: مرکز نشر و تحقیق، لال باغ مراد آباد
○ اشاعت اول: ربیع الاول ۱۴۲۶ھ، اپریل ۲۰۰۵ء
○ صفحات: ۳۲۰
○ قیمت: ۱۰۰/ روپئے

تقسیم کنندگان:

○ فرید بکڈپو، پرائیویٹ لمٹیڈ، دریا گنج دہلی
○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور
○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اسلام کی انسانیت نوازی ۸۷

اسلامی معاشرت ۱۲۹

دعوت الی الخیر ۱۶۷

ملی اداروں کی اصلاح ۱۹۷

دیدۂ عبرت ۲۹۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے معروف دینی واصلاحی رسالہ ''ندائے شاہی'' کی خدمت کی برکت سے راقم الحروف کو گذشتہ ۱۵؍سالوں سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ لکھنے کا موقع ملتا رہا، مضامین لکھتے وقت احقر نے کوشش کی کہ ایسی چیزیں جمع کی جائیں جن کا نفع محض وقتی نہ ہو بلکہ ان سے مسلسل فائدہ اٹھایا جاتا رہے۔ اسی لئے ان مضامین کو بعد میں کتابی شکل دیدی گئی۔ جن میں ''اللہ سے شرم کیجئے''، ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز''، ''تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار'' اور ادارتی مضامین کا مجموعہ: ''دعوت فکر وعمل'' اور ''ذکر رفتگاں'' قابل ذکر ہیں۔ یہ کتابیں الحمدللہ مختلف کتب خانوں سے ہند وپاک میں شائع ہورہی ہیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ قارئین ان سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''لمحاتِ فکریہ'' بھی اسی سلسلہ کی تازہ کڑی ہے، جس میں ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے ادارتی مضامین، اور ۲؍رسالوں: ''اسلام کی انسانیت نوازی'' اور ''اسلامی معاشرت'' کو یکجا کرکے شائع کیا جارہا ہے۔ اس مجموعۂ مضامین میں قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو ہدایات نقل کی گئی ہیں ان میں سے ہر ہدایت ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اور ضرورت ہے کہ اسے پڑھ کر ہم ایک لمحہ کے لئے اپنی زندگی کا جائزہ ضرور لیں، اور سوچیں کہ قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبہ کس بات کی متقاضی ہے اور ہم اس سے کتنا دور ہوتے جارہے ہیں؟ احقر کو یقین ہے کہ اگر ہم اس طرح کے مضامین کے مطالعہ کے وقت اپنے محاسبہ کی فکر کریں گے تو یہی ''لمحاتِ فکریہ'' ہمارے اندر صالح فکری وعملی انقلاب کا ذریعہ بن جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

افسوس ہے کہ آج پورے عالم میں امتِ اسلامیہ ''فکری مرعوبیت'' میں مبتلاء ہوتی جارہی ہے، دنیوی ترقی کی چمک دمک، غیر اقوام کے غیر معمولی اقتدار اور دنیا پر تسلط کے ظاہری اسباب پر ان کی مضبوط گرفت نے بہت سے لوگوں کی آنکھوں کو ایسا چکا چوند کردیا ہے کہ نعوذ باللہ ان کا اپنے دین ومذہب اور شرعی تعلیمات سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ اور وہ اپنی مرعوب ذہنیت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب اسلامی شریعت پر عمل کرکے اور اسلامی نظام قائم کرکے دنیا میں ترقی نہیں کی جاسکتی، ایسے لوگوں کی

مرعوبیت کا عالم یہ ہے کہ وہ مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف اٹھنے والی آواز کا دفاع کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر اس کے سُر میں سُر ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔حتی کہ بالکل غلط بات کی تاویل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے سے نہیں چوکتے، ابھی چند روز قبل امریکہ میں ایک مسلمان نام رکھنے والی عورت کی امامت کا مسئلہ اٹھا تو پورے عالم میں ایسے بیمار اور مرعوب ذہنیت رکھنے والے ٹولہ کی رگیں پھڑک اٹھیں، پھر تو پوچھنا ہی کیا، کوئی غیر مسلم بھی فقہ اسلامی اور فقہاء کرام کی شان میں وہ گستاخانہ زبان استعمال نہیں کرسکتا جو ان نام نہاد اسلام کے نام لیواؤں نے اپنے مضامین میں استعمال کی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بیمار ذہنیت کے لوگ اسلام کے نام پر بدنما داغ ہیں، انہیں اگر اسلام پسند نہیں، اسلامی تعلیمات پر انہیں شرح صدر نہیں، اسلامی فقہ پر انہیں اعتماد نہیں، تو انہیں لچر تاویلات کرنے کے بجائے خود ہی اسلام سے اپنا رشتہ کاٹ لینا چاہئے۔ اور مسلمانوں جیسے نام بدل کر عیسائیوں، یہودیوں اور ہندؤں جیسے نام رکھ لینے چاہئے، اسلام اور مسلمانوں کو ایک منٹ کے لئے بھی ان بیمار ذہنیت لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، اور قیامت تک رہنے والا دین ہے، کفار و منافقین خواہ کتنی ہی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اسلام کی شان پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات زندہ ہیں، زندہ رہیں گی اور مسلمانوں کو جب بھی عزت ملی ہے اسلام پر عمل کرنے سے ملی ہے اور آئندہ جب بھی ترقی ملے گی اسلام پر عمل کرنے سے ہی ملے گی۔ مسلمانوں کے لئے عزت و عافیت اور کامیابی کا راستہ اسلام کے علاوہ نہ کہیں ہے اور نہ کہیں ہوسکتا ہے۔ اسلام کا سرمایہ قرآنِ کریم، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیثِ مبارکہ، اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک زندگی ہے، جن سب کا خلاصہ فقہ اسلامی میں سمودیا گیا ہے۔ اس لئے ان حتمی اصول کے بارے میں کسی بھی شخص کی ہرزہ سرائی قطعاً برداشت نہیں کی جاسکتی۔ انہی حقائق کو دل میں اتارنے کے لئے ''لمحاتِ فکریہ'' میں شامل مضامین لکھے گئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ ہم اپنے قارئین کو صحیح اسلامی پیغام پہنچانے میں کامیاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، آمین۔

اخیر میں قارئین سے استدعاء ہے کہ اگر کوئی بات قابلِ اصلاح محسوس ہو جس کا عین امکان ہے تو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ

۱۴۲۶/۳/۵ھ

صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی اور ہمارا عمل

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

سرکارِ کائنات، فخرِ دو عالم ﷺ جس طرح امام الانبیاء ہیں اور آپ کی امت خیر الامم ہے اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن انفاس قدسیہ کو آپ کی رفاقت اور معیت کا شرف عطا کیا وہ بجا طور پر ائمہ ہدی اور خیر الصحابہ ہیں، دنیا میں کسی بھی نبی کو اس صلاحیت کے افراد عطا نہیں کئے گئے جیسے ہمارے آقا سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کئے گئے ہیں، رازدارِ نبوت صحابیٔ رسول حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں، جو بات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں وہ یہ ہے :

اِنَّ الاَمَانَۃَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّۃِ. (مسلم شریف ۸۲/۱)

امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں پر اتری اس کے بعد قرآن کریم نازل ہوا پس لوگوں نے قرآن سیکھا اور سنتِ مبارکہ کا علم حاصل کیا۔

یہ امانت کیا ہے؟ اس کی تفسیر وتشریح میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کسی نے اس سے نور قدسی مراد لیا ہے، کسی نے اس کی تعبیر ایمان کی صورت نوعیہ سے کی ہے، لیکن عارفِ حقیقت حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک عجیب انداز سے اس کی تقریر کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس امانت سے مراد ''انتشار برکت'' ہے، اس لفظ کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہدایت کا ظہور پانچ واسطوں سے ہوتا ہے :

(۱) برکت اور نزول برکت۔

(۲) عزم وہمت۔

(۳) اظہار دعوت۔

(۴) معجزات۔

(۵) فیض صحبت۔

نبی کی تحریک کی کامیابی کے لئے مذکورہ پانچ باتوں کا ہونا ضروری ہے، نزول برکت کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کی بعثت کا وقت قریب آتا ہے تو آسمان سے ایک برکت اتاری جاتی ہے جس سے ہر اس شخص کے دل میں وحدانیت کا نور روشن ہو جاتا ہے جس کے قلب کی کھڑکیاں روشنی پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، گویا کہ انبیاء کی مثال سورج کی سی ہے کہ جب اس کے طلوع کا وقت قریب ہوتا ہے تو پہلے ہی سے افق پر روشنی چھا جاتی ہے، اور جس جس مکان میں روشن دان کھڑکیاں اور روشنی پہنچنے کا راستہ ہوتا ہے وہاں وہ روشنی پہنچتی ہے، پہلے یہ روشنی ہلکی رہتی ہے مگر جب سورج پورا طلوع ہو جاتا ہے تو وہ روشنی حرارت آمیز ہو جاتی ہے، ایسے ہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا جوں جوں وقت قریب آتا ہے تو پہلے ہی سے یہ برکت پھیل کر ہر اس دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے جس میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، بعد میں یہی برکت ایمانی حرارت بن کر اس کو نبی کا کفش بردار بنا دیتی ہے۔ (مستفادہ رسالہ آزاد، فتنۂ خمینیت نمبر ۲۷)

طلوعِ آفتابِ رسالت

یہ برکتیں پہلے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی نازل ہوتی رہیں لیکن ہمارے آقا سید المرسلین امام الانبیاء، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے جو برکت نازل ہوئی اس کی شان ہی نرالی تھی، چناں چہ آپ ﷺ کی بعثت بلکہ پیدائش سے پہلے ہی سے اس برکت کی جھلکیاں عرب کی سرزمین پر جا بجا دکھائی دینے لگیں، آپ ﷺ کے نانا جان ابی کبشہ نے بت پرستی کے مرکز مکہ معظّمہ میں شرک سے بیزاری کا برملا اعلان کیا تھا، اور ورقہ بن نوفل جیسے بہت سے لوگ حق کی تلاش میں دین عیسوی کو قبول کر چکے تھے، اور ''الا کل شيء ماخلا الله باطل'' کے غلغلے جہالت و گمراہی کے اندھیرے میں جگنو بن کر جگمگانے لگے تھے، تا آں کہ رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے

مبعوث ہوکر فاران کی چوٹی سے نعرۂ توحید بلند کیا تو اس نعرہ کو سنتے ہی جس دل کے اندر برکت کی روشنی پہنچ چکی تھی وہاں حرارت ایمانی کے امتزاج سے اسلام موجزن ہوا، اور جس دل میں جتنی زیادہ حق کی کھڑکیاں اور توحید کے دروازے تھے اتنی ہی جلدی وہاں سے نغمۂ توحید بلند ہوا، چناں چہ جب آپ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے جس نے دعوت اسلام پر بلا چوں و چرا لبیک کہا وہ ذات تھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی، وہ ذات تھی بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی، وہ شخصیت تھی علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی، وہ ذات تھی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی، وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ کسی کے دباؤ میں تھے، سبب یہ نہیں تھا کہ وہ قوم کے مظالم سے تنگ تھے، بات یہ نہیں تھی کہ ان کے دل دنیا سے اچاٹ ہو چکے تھے بلکہ اصل واقعہ یہ تھا کہ ان خوش نصیب افراد نے اس برکت سے وافر حصہ پایا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے ہی دنیا میں پھیل چکی تھی۔ ان کے قلوب ایسے ہوادار تھے جن میں ایمانی خوشبوؤں سے معطر ہواؤں کا گذر ہوتا تھا، پھر جب نبوت محمدی کا سورج اپنی حرارت پھیلانے لگا تو جوق در جوق اہل برکت، برکت کے درجہ سے گذر کر فیض صحبت کے مقام پر پہنچنے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تعداد ہزاروں سے اوپر پہنچ گئی، بالکل اسی طرح جیسے سورج مشرق سے نکل کر مغرب تک تمام عالم کو منور کر دیتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم، نجوم ہدایت ہیں

اس تفصیل سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مشکاۃ نبوت کے عکس جمیل ہیں، انھوں نے اپنے سینے میں آفتاب نبوت کی کرنوں کو اس انداز میں جذب کیا ہے جس کی مثال امت میں کہیں اور نہیں مل سکتی، خود زبان پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں نجوم ہدایت کا لقب حاصل ہوا، چناں چہ ارشاد نبوی ہے:

اَلنُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِيْ فَإِذَا ذَهَبْتُ	ستارے آسمان کے محافظ ہیں، جب ستارے بے نور ہو جائیں گے تو آسمان سے کیا گیا وعدہ پورا ہو جائے گا (قیامت آجائے گی) اور میں

أَنَا أَتَى أَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ. وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِيْ فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِيْ أَتَى أُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ.

(مسلم شریف :۲/ ۳۰۸)

اپنے اصحاب کے لئے حفاظت کا سبب ہوں جب میں پردہ کرجاؤں گا تو وہ حالات پیش آئیں گے جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔اور صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لئے موجب امان ہیں، جب صحابہ رضی اللہ عنہم رخصت ہوجائیں گے تو امت ان حالات (بدعات وفتن) سے دوچار ہوجائے گی جن کا اس سے وعدہ ہوچکا ہے۔

اور ایک روایت میں یہ پرمسرت تمغہ عطا ہوا :

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِماً رَانِيْ أَوْرَاى مَنْ رَانِيْ. (مشکوٰۃ شریف ۵۵٤)

جس مسلمان نے مجھے یا میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

اور ایک روایت میں تو پیغمبر علیہ السلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت پر اس طرح مہر لگادی کہ اب ان کے بارے میں اس سے آگے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔غور سے پڑھئے یہ الفاظ :

اَللّٰهَ اَللّٰهَ ! فِيْ أَصْحَابِيْ، اَللّٰهَ اَللّٰهَ ! فِيْ أَصْحَابِيْ، لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَاخُذَ.

(ترمذی شریف ۲/۲۲۵،

مشکوٰۃ شریف :۵۵٤)

اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سے ڈرتے رہو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سے ڈرتے رہو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بنانا۔پس جو ان سے تعلق رکھے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے تعلق رکھے گا اور جو ان سے نفرت کرے گا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے نفرت کرے گا۔اور جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جو اللہ کو ستائے تو

عنقریب اللہ تعالی اس کی گرفت فرمائیں گے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں خود رب العالمین نے صحابہ کو دنیا ہی میں جا بجا اپنی رضا کا تمغہ عطا فرمایا ہے۔اوران کے ایمان کو معیارِ ایمان قرار دیا ہے اوران کی صفات عالیہ بیان کر کے تمام عالم کے سامنے ان کی عظمت کو اجاگر فرمادیا جس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں

اہل السنۃ والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل اور معیار حق ہیں۔کسی حدیث کے راویوں میں سے ہر راوی پر انگلی اٹھائی جاسکتی ہے لیکن جب بات صحابی تک پہنچ جائے تو ان کے متعلق کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اگر صحابہ ہی کو شک کے دائرے میں لایا جائے گا تو پھر دین کی بنیاد ہی منہدم ہوجائے گی۔پھر نہ تو قرآن پر اعتماد باقی رہ سکتا ہے نہ دیگر اسلامی تعلیمات پر،اس لئے کہ امت کو جو کچھ بھی دین ملا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے ہی ملا ہے،صحابہ رضی اللہ عنہم اساتذۂ امت ہیں،کسی بھی شخص کو کسی بھی حال میں کسی صحابی کے بارے میں انگلی اٹھانے کا ہرگز حق حاصل نہیں۔

صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کتنے اچھے انداز میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام پر روشنی ڈالی ہے ملاحظہ فرمائیں :

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةَ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْباً وَ أَعْمَقَهَا عِلْماً وَ أَقَلَّهَا تَكَلُّفاً، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى

جسے اقتدا کرنی ہے تو وہ ان لوگوں کی اقتدا کرے جو دنیا سے جاچکے ہیں،اس لئے کہ زندہ آدمی فتنہ سے محفوظ نہیں اور وہ (قابل اقتداء شخصیات) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جو اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، وہ دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک اور علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلف میں سب سے کم تھے

اللّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ، وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَـاعْـرِفُـوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَـلٰـى اِثْـرِهِـمْ، وَتَـمَسَّـكُوْا بِمَـا اسْتَـطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِـم وَسِيَرِهِمْ فَـإِنَّهُـمْ كَـانُـوْا عَـلٰـى الْهُـدىٰ الْمُسْتَقِيْمِ .

(مشکوٰۃ شریف ۱/۳۲)

(سادہ زندگی والے تھے) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر ﷺ کی صحبت اوراپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرمالیا تھا، لٰہذاتم ان کی فضیلت کو پہچانو اوران کے نقش قدم پر چلو، اورتم سے جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق فاضلہ اور مبارک سیرت کومضبوطی سے تھامے رکھو، اس لئے کہ وہ سیدھی راہ پر قائم تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو تبصرہ فرمایا ہے وہ سو فیصد برحق ہے، اس لئے ہر مسلمان کو ہر صحابی سے عقیدت اور محبت رکھنی لازم ہے، اوران کے بارے میں خاکم بدہن کسی قسم کی بال برابر بھی بدگمانی رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت دراصل پیغمبر ﷺ کی عظمت ہے اورصحابہ کی توہین درحقیقت پیغمبر علیہ السلام کی توہین ہے، بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جس کا دل صحابہ کی طرف سے صاف نہیں، ایسا شخص ہرگز مسلمان کہلائے جانے کا مستحق نہیں، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل کو عظمت صحابہ سے معمور فرمائے اوران کے متعلق ہر طرح کی بدگمانی سے ہم سب کو محفوظ فرمائے۔آمین ۔

(ندائے شاہی نعت النبی ﷺ نمبر)

○○

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی قابل تقلید امتیازی صفات

فقیہ الاسلام سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے کہ :

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةَ، أُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، اَبَرَّهَا قُلُوْباً وَ اَعْمَقَهَا عِلْماً وَ اَقَلَّهَا تَكَلُّفاً، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثْرِهِمْ، وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ. (مشکوٰۃ شریف ۱/۳۲)

جسے پیروی کرنی ہے وہ حضرات مرحومین کی پیروی کرے، کیوں کہ زندہ آدمی فتنہ سے محفوظ نہیں ہے۔ اور (وہ قابل اتباع حضرات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں: جو اس امت کے افضل ترین حضرات تھے، وہ دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک، علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلف میں سب سے کم تھے (سادہ زندگی والے تھے) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ اور اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرمالیا تھا، لہٰذا تم ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو، اور تم سے جس قدر ہوسکے ان کے اخلاق فاضلہ اور مبارک سیرت کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اس لئے کہ وہ سیدھی راہ پر قائم تھے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خاص کر تین صفات نمایاں تھیں: (۱) دلوں کی نیکی (۲) علمی گیرائی (۳) سادگی و بے تکلفی۔ یہ ایسی صفات ہیں کہ جس فرد اور جس جماعت میں

پیدا ہو جائیں اس کو دارین کی عظمت نصیب ہو سکتی ہے۔

دلوں کی نیکی

دلوں کے نیک ہونے کے اثرات زندگی میں تین طرح ظاہر ہوتے ہیں :

(الف) اخلاص : جب دل میں نیکی ہوگی تو یقیناً انسان کا ہر عمل مکمل اخلاص پر مبنی ہوگا، اور وہ کبھی بھی دینی معاملہ میں اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی خوشنودی کو ہرگز پیشِ نظر نہ رکھے گا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیغمبر علیہ الصلاۃ السلام کی صحبت مبارکہ سے یہ شان اس انداز میں پائی جاتی تھی کہ ان کے بعد پوری امت میں اس کی مثال نہیں ملتی، خود قرآن پاک میں ان کے خلوص کی شہادت دی گئی ہے، اللہ تعالی نے بہت ہی شاندار انداز میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعارف کراتے ہوئے، ارشاد فرمایا ہے:

مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ.

(سورة الفتح ٢٩)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ ریز ہیں، اللہ تعالی کے فضل اور اس کی خوشنودی کی جستجو میں لگے ہیں، سجدہ کی تاثیر کی وجہ سے ان کی نشانی ان کے چہروں پر نمایاں ہے۔

اسی خلوص اور للّٰہیت کی وجہ سے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَباً مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِ

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا مت کہو، اس لئے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے

وَلَا نَصِيْفَهُ. (بخاری شریف ۳۶۷۳، مسلم شریف ۲۵٤۱) تو وہ کسی صحابی کے خرچ کردہ ایک مد یا آدھے مد (کے ثواب) تک بھی نہ پہنچ سکے گا۔

یعنی جو دلی خلوص ایک صحابیٔ رسول کے دل میں پیوست تھا - جو اجر وثواب کے استحقاق میں سب سے زیادہ مؤثر ہے ۔ اس درجہ کا خلوص بعد والوں میں پایا نہیں جا سکتا۔

(ب) **جذبۂ اطاعت** : حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلوں کی نیکی ہی کا اثر تھا کہ انھوں نے شریعت کی تعمیلِ کامل اور قرآن وسنت کی پیروی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ وہی عرب؛ جہاں اسلام سے پہلے اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے قبل، قتل وغارت گری، بے حیائی اور فحاشی اور جاہلانہ اعمال ورسومات کا چلن عام تھا، اسلام کی روشنی پھیلتے ہی یہ علاقہ امن وامان کا گہوارہ اور عفت وعصمت اور پاکیزگی وپاک بازی کا سرچشمہ بن گیا۔ حرام کی جگہ حلال، غلاظت کی جگہ طہارت، اور خوں ریزی کی جگہ امن وسلامتی کا سکہ چلنے لگا۔ شراب! جو اہلِ عرب کی گھٹی میں پڑی تھی اور جسے پانی کی طرح استعمال کیا جاتا تھا اس کی حرمت کا اعلان ہوتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بلا چوں چرا مٹکے انڈیل دئے اور بندھے ہوئے مشکیزوں کے دہانے کھول دئے، تا آنکہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ پڑی۔ (مسلم شریف ۲/۱۶۲)

غزوۂ خیبر میں اعلان ہوا کہ پالتو گدھے حرام ہوگئے ہیں تو اگرچہ ان کا گوشت دیگچوں میں پک رہا تھا لیکن حرمت کا پتہ چلتے ہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پکتے ہوئے دیگچے الٹ دئے۔ (بخاری شریف ۲/۶۰۴)

کوئی بات پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک سے صادر ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو اس کے سامنے آنے کے بعد یہ ناممکن تھا کہ کوئی صحابی اس کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی آنا کانی کرے، حکم کی بجا آوری کا ایسا بے مثال جذبہ تھا کہ جہاں حکم ملا وہیں بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، اور سرِ تسلیم خم ہوگیا۔ سیدنا حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں نماز جمعہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام خطبۂ جمعہ کے لئے ممبر پر تشریف لا چکے تھے، آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: ”بیٹھ جاؤ“ یہ ارشاد حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے کان میں اس

وقت پڑا جب کہ آپ مسجد سے باہر ہی تھے، بس آپ یہ ارشاد سنتے ہی فوراً وہیں بیٹھ گئے، تا آں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ السلام نے خطبہ پورا فرمایا، بعد میں جب آنحضرت ﷺ کے سامنے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل سامنے آیا تو آپ ﷺ نے مسرت آمیز انداز میں یہ دعا دی ''اللہ تعالی خدا اور اس کے رسول کی حکم بجا آوری کے تمہارے شوق میں مزید اضافہ فرمائے''۔ (حیاۃ الصحابہ ۶۲۷)

اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ ایک انصاری صحابی کی بلند عمارت کو دیکھ کر نبیٔ اکرم ﷺ کو ناگواری ہوئی تو جیسے ہی ان صحابی رضی اللہ عنہ کو پیغمبر ﷺ کی ناراضگی کا علم ہوا تو فوراً پوری عمارت زمین بوس کردی۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۲۹)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے بدن پر رنگین کپڑا دیکھ کر آپ ﷺ کو ناگواری ہوئی تو ان صحابی رضی اللہ عنہ نے احساس کرتے ہی وہ کپڑا جا کر تنور میں جلا ڈالا۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۳۰)

اور یہ جذبہ صرف چند صحابہ رضی اللہ عنہم تک محدود نہ تھا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا پورا معاشرہ؛ کیا مرد کیا عورتیں، کیا بوڑھے کیا جوان، کیا امیر کیا غریب، از اول تا آخر سب کے سب دل وجان سے دین کے شیدائی اور حکمِ خدا اور رسول ؐ پر جان چھڑکنے والے تھے۔

آپ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں اخلاقی، سماجی، اور مالی جرائم گویا کہ ناپید ہوگئے تھے۔ دور نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسلامی عدالتوں میں اس طرح کے جو مقدمات پیش ہوئے انہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ اور ان میں بھی یہ پہلو نمایاں تھا کہ مجرم اللہ کے خوف سے خود ہی اپنے جرم کا اقرار کرنے والا ہوتا تھا، تا کہ جو بھی سزا ہو وہ دنیا میں بھگت کر آخرت کی سنگین سزا سے بچنے کا انتظام ہوجائے، حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور امرأۃ غامدیہ رضی اللہ تعالی عنہا (جنہیں زنا کے جرم میں سنگ سار کیا گیا) کے واقعات اس معاملہ میں عبرت ناک بھی ہیں اور نصیحت آموز بھی، یعنی پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی صحبت طیبہ سے ان کے قلوب ایسے مزکی اور مجلی ہوگئے تھے کہ اولاً تو سرکشی اور نافرمانی کا داعیہ ہی دل میں نہ ابھرتا تھا، اور اگر کبھی نفسانی اثرات سے کوئی اونچ نیچ کی بات ہو بھی جاتی تو اس وقت تک چین نہ آتا جب تک کہ دنیا ہی میں اس کی

تلافی نہ ہو جاتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان اس آیت مبارکہ کے عین مطابق تھی :

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ، وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (آل عمران ۱۳۵)

اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھتے ہیں کوئی کھلا گناہ، یا اپنے حق میں برا کام کریں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی، اور کون ہے گناہ بخشنے والا اللہ کے سوا؟ اور اَڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا یہ جذبہ دلوں کی نیکی کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے ان حالات کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ ارشاد کی صداقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ واقعۃً حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم امت میں سب سے نیک، مخلص اور شریعت پر عمل کرنے میں سب سے ممتاز تھے، رضی اللہ عنهم وأرضاهم۔

(ج) **بغض وعناد سے اجتناب** : دلوں کی نیکی کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور بغض وعناد اور حسد اور کینہ سے دور تھے۔ ایثار و ہمدردی، تواضع اور فروتنی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ ہجرت کے موقع پر مہاجرین وانصار میں جو مواخات (بھائی چارگی) قائم کی گئی اور جس طرح دونوں فریقوں نے اسے نبھایا وہ دنیا کی تاریخ کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔ یہ محض اللہ تعالی کا فضل وکرم اور عظیم الشان انعام تھا، ورنہ اس وقت کے عرب معاشرے میں اس طرح کی الفت ومحبت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس عظیم نعمت کی یاددہانی اس طرح فرمائی ہے:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ، إِنَّهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (الأنفال ٦٣)

اور ان (مؤمنین) کے دلوں میں محبت ڈال دی، اگر آپ جو کچھ زمین میں ہے سب (اس غرض سے) خرچ فرما دیتے پھر بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال پاتے لیکن اللہ تعالی نے ان میں الفت ڈال دی۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت نزع کے عالم میں تھے لیکن چہرہ خوشی اور مسرت سے چمک رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے چہرے پر بشاشت پھیل رہی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: میں اپنے اعمال میں دو باتوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے قابل قبول تصور کرتا ہوں، اول یہ کہ میں اپنی زبان کو بے کار اور لغو باتوں سے محفوظ رکھتا تھا، دوسرے یہ کہ میرا دل مسلمانوں کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۴۲)

ابن بریدۃ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نازیبا بات کہی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم مجھے برا بھلا کہتے ہو؟ حالاں کہ میرے اندر تین باتیں پائی جاتی ہیں: (۱) میں جب بھی قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھتا ہوں (اور اس کے علوم کا میرے سامنے انکشاف ہوتا ہے) تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہر مسلمان کو وہ علم حاصل ہو جائے جو مجھے حاصل ہے۔ (۲) جب مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کسی حاکم نے اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کیا ہے تو مجھے دلی مسرت ہوتی ہے اگرچہ وہ حاکم ایسی جگہ ہو جہاں مجھے کبھی مقدمہ لے جانے کا امکان نہ ہو (یعنی اس خوشی کا تعلق اپنے کسی مفاد سے نہیں بلکہ صرف ملی اور قومی مفاد سے ہے) (۳) جب میں یہ سنتا ہوں کہ کسی علاقہ میں باران رحمت ہوئی ہے تو مجھے قلبی مسرت ہوتی ہے اگرچہ میرا اس علاقہ میں کوئی چرنے والا جانور نہ ہو۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۴۳)

گویا یہ حضرات عمومی طور پر خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اور پوری امت کی فوز وفلاح کے لئے دل سے متمنی رہتے تھے، اور بعد کے زمانہ میں ان کے درمیان جو اختلافات اور معرکے پیش آئے وہ بھی نفسانیت پر مبنی نہ تھے، بلکہ خلوص پر مبنی تھے، اور ہر فریق دیانۃً جس بات کو حق سمجھتا تھا اس پر قائم تھا۔ اس لئے ان اختلافی حادثات کی وجہ سے کسی بھی صحابی کے بارے میں بدگمانی یا طعن وتشنیع کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

(۲) علمی گیرائی

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم علم دین حاصل کرنے کے نہایت شوقین تھے، ان میں کا ہر شخص اس فکر میں رہتا تھا کہ کس طرح اسے دین کی معلومات حاصل ہوں؟ اور کیسے وہ مسائل کے احکامات سے واقف ہو؟ چناں چہ وہ اسی غرض کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اس مبارک شوق کے اثرات بالخصوص درج ذیل تین صورتوں میں ظاہر ہوتے تھے۔

(الف) **تعلیمی حلقے**: دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جابجا تعلیمی حلقے لگا کرتے تھے، اور عام طور پر مساجد میں نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ علم دین کی نشر و اشاعت کا بھی نظم تھا، اور فارغ اوقات کو علمی بحث و مباحثہ اور مذاکرہ میں گذارنے کا اہتمام کیا جاتا تھا، حتی کہ سفر جہاد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا۔ حطان بن عبد اللہ رقاشیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صحابیٔ رسول سیدنا حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دجلہ کے ساحل پر قیام پذیر تھے، نماز ظہر کا وقت آیا، اذان ہوئی اور باجماعت نماز ادا کی گئی، پھر لوگ دینی تعلیم کے لئے حلقے بنا کر بیٹھ گئے، اور عصر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۳۴۷)

دورِ نبوت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوشش رہتی کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی کسی روحانی مجلس میں حاضری سے محرومی نہ رہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ دینی استفادہ کا موقع مل سکے، اور اگر کسی شخص کو ذاتی مشاغل کی وجہ سے ہر روز حاضری کا موقع نہ ملتا تو وہ دوسرے شخص کے ساتھ باری باری مجلس نبوت میں حاضری کا معمول بنالیتا تاکہ ہر مجلس کی اہم دینی باتوں سے واقفیت حاصل ہوتی رہے۔ چناں چہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پڑوسی انصاری صحابی کے ساتھ یہی معمول بنا رکھا تھا۔ (بخاری شریف ۱/۱۹)

پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم کی اشاعت کا ایسا شوق تھا کہ جو صحابی دنیا کے جس خطہ میں قیام پذیر ہوگیا وہاں سے علم کے چشمے جاری ہوگئے۔ ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ہزاروں ہزار افراد نے فیض اٹھایا، اور ان کی فیض رسانی سے قرآن وسنت کا صحیح علم اطراف واکناف عالم میں پھیل گیا، اور نہ صرف حجاز مقدس بلکہ شام وعراق وغیرہ میں بھی علم دین کے عظیم الشان مراکز قائم ہوگئے۔

حضرات صحابہ ﷺ کی اعلیٰ علمی صلاحیت کو تسلیم کرتے ہوئے بعد میں آنے والے اساطین امت نے یہ طے کیا کہ جس مسئلہ میں حضرات صحابہ ﷺ کی رائے متفق ہوگئی ہو اس سے عدول کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرے گا وہ یقیناً گمراہ قرار پائے گا۔ اور جس مسئلہ میں صحابہ کی آراء اخیر تک مختلف رہی ہیں اب اس اختلاف سے ہٹ کر اس مسئلہ میں کسی تیسرے موقف کو اپنانا درست نہ ہوگا۔ (توضیح وتلویح ۳۴۹، خلاصۃ التحقیق ۱۷)

صحابہ ﷺ معیار حق ہیں

نیز جمہور امت نے حضرات صحابہ ﷺ کو پوری امت کے ''اساتذہ'' کے درجہ میں رکھ کر ان کی عظمت کو دین کی عظمت قرار دیا۔ اور ان کو ''معیار حق'' تسلیم کیا ہے، اور جو لوگ صحابہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں ان پر سخت نکیر کی ہے، مشہور محدث امام ابو زرعہ رازیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تم کسی شخص کو صحابہ ﷺ کی شان میں ناروا کلمات کہتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ شخص زندیق (بددین) ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول برحق ہیں، قرآن کریم برحق ہے، قرآن وسنت کی تعلیمات برحق ہیں، اور یہ سب چیزیں ہمارے پاس حضرات صحابہ ﷺ کے واسطے سے پہنچی ہیں، اب یہ زندیق لوگ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے اساتذہ کو مطعون کر کے قرآن وسنت کو باطل قرار دے سکیں، تو اس شرارت کا علاج یہ ہے کہ صحابہ ﷺ کو مجروح کرنے کے بجائے ان شرارت پسندوں ہی کو مجروح قرار دیا جائے''۔ (مقدمۃ الاصابہ فی تمیز الصحابہ شیخ عادل احمد عبدالموجود وغیرہ ۲۲/۱)

اس لئے صحابہ ﷺ کی علمیت کو تسلیم کرنا اور ان کے نقش قدم کو اختیار کرنا دین کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ کیوں کہ صحابہ ﷺ کا واسطہ اگر درمیان سے ہٹ جائے تو پھر دین کی کوئی بات بھی مستند نہ رہ پائے گی، اور دین کا سارا سرمایہ شکوک وشبہات کے دائرہ میں آجائے گا۔ اسی لئے دشمنان دین شروع ہی سے صحابہ ﷺ پر زبان طعن دراز کرتے آئے ہیں۔ مذہب شیعیت ورافضیت کی تو بنیاد ہی بغض صحابہ ﷺ پر ہے۔ جب کہ گذشتہ صدی میں مستشرقین (اسلامی علوم کے ماہر یہود ونصاریٰ) نے ایک تحریک کی شکل میں صحابہ ﷺ کو مطعون کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، جس سے متأثر

ہوکر بہت سے جدت پسند مسلم ارباب قلم (جیسے مولانا ابوالاعلی مودودی اوران کے ہم فکرلوگ) بھی جوش میں آگئے، اورانہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافی واقعات میں تاریخی محاکمہ کا بزعم خود دعوی کرکے اپنے قلم کی جولانی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کوتارتار کرڈالا، اور ذرا بھی شرم محسوس نہ کی، اور آج تک ان کے متبعین صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہفوات سے بھرپور ان کی تصنیفات دھڑلے سے چھاپ رہے ہیں۔اور دعوی یہ ہے کہ ہم سے بڑا اتحاد امت کا علم بردار کوئی نہیں ہے۔ ذرا سوچئے! کیا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وعزت کا پاس ولحاظ کئے بغیر امت میں اتحاد کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم (خواہ وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں) پر ہی اعتماد نہ رہے تو آخر امت میں کون اس قابل ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے، اور پھر ہم ہوتے کون ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافات میں فیصل بننے والے؟ ہم اپنے اعمال ہی کی درستگی کرلیں تو بڑی بات ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر حضرات کے آپسی معاملات حل کرنے کا اپنے کو اہل سمجھنا خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لئے امت کے ہر فرد کو سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے سر کے تاج ہیں، اور پوری امت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ان کے علوم سے امت کا کوئی فرد کبھی بھی اور کہیں بھی مستغنی نہیں ہوسکتا، اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے کٹے گا وہ دین سے کٹ جائے گا۔ **اللّٰھم احفظنا منہ۔**

بدعات سے اجتناب

(ب) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیوں کہ دین کے سب سے بڑے عالم تھے اس لئے قدرتی طور پر وہ ہر ایسی بات سے متنفر تھے جو دین کے برخلاف ہو اور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، اسی بنا پر دور صحابہ رضی اللہ عنہم بدعات سے بالکل خالی نظر آتا ہے، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں سنت کے نور سے معمور اور بدعات کی ظلمت سے پوری طرح محفوظ دکھائی دیتی ہیں۔ دراصل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے وہ ارشادات تھے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر عام بدعات پر نکیر فرمائی تھی، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جمعہ کے خطبہ میں یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ — امابعد: کائنات میں سب سے بہتر بات اللہ تعالی

اللّٰہِ وَخَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَ لَةٌ.

(مسلم شریف ۱/۲۸۵)

کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین اسوۂ مبارکہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا طریقہ ہے، اور بدترین چیز (دین میں) من گھڑت باتیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسی طرح نبیٔ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو متنبہ فرمایا تھا کہ وہ مدینہ منورہ زادھا اللّٰہ شرفاً میں کسی بدعقیدہ بدعتی شخص کو پناہ نہ دیں، آپ ﷺ نے ایک حدیث میں اس سلسلہ میں نہایت سخت وعید ارشاد فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ مَا بَیْنَ عِیْرٍ إِلیٰ ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِیْهَا حَدَثاً أَوْ آویٰ مُحْدِثاً فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، لَایُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. (بخاری شریف ۲/۱۰۸٤، مسلم شریف ۱/٤٤٢)

مدینہ منورہ عیر سے لے کر مقام ثور تک حرم ہے، پس جس شخص نے اس خطہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعقیدہ بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس کی فرض یا نفل کوئی بھی عبادت قبول نہ ہوگی۔

اسی طرح ایک مرسل روایت میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَی هَدَمِ الإِسْلَامِ.

(شعب الإیمان للبیهقی ۷/ ٦١)

جس شخص نے کسی بدعتی کی (اس کی بدعت کی بنیاد پر) تعظیم وتکریم کی تو اس نے اسلام کی بنیاد مٹانے پر تعاون کیا۔

یعنی بدعتی شخص کی عزت افزائی دراصل صحیح دین کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ ہے، نیز نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مرتبہ بدعت کی نحوست بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰہَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ. (شعب الایمان ۷/ ٦٠)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر بدعتی شخص کو توبہ کی توفیق سے محروم کردیا ہے۔

ان ارشادات عالیہ کی بنیاد پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حد درجہ محتاط ہو گئے تھے، اور ان میں کا ہر شخص ہر معاملہ میں اس بات پر گہری نظر رکھتا تھا کہ کہیں امت میں کوئی بدعت جاری نہ ہو جائے۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے جن میں ایک شخص پکار کر کہتا ہے کہ سو مرتبہ الله أكبر پڑھو تو سب لوگ زور زور سے تکبیر کہنے لگتے ہیں پھر وہ شخص پکارتا ہے کہ لا إلـه إلا الله پڑھو تو سب لوگ لا إله إلا اللّٰـه پڑھنے لگتے ہیں اسی طرح وہ درود پڑھنے کو کہتا ہے تو سب لوگ درود پڑھنے لگتے ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ دراصل تم ایک بڑی بدعت کے مرتکب ہو رہے ہو، کیا تم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم پر فضیلت رکھتے ہو؟ (احکام الاحکام ۱/۵۲ بحوالہ راہ سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر ۱۲۴)

یعنی اس طرح مسجد میں مل کر تکبیر و تہلیل کے نام پر شور مچانے کا عمل دورِ نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے، اس پر نکیر کی وجہ یہی تھی کہ کہیں یہ مخصوص ہیئت ہی بعد میں خصوصیت کے ساتھ موجب ثواب نہ سمجھ لی جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ اکثر ائمہ نماز کے بعد عموماً دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنے کا اہتمام کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کہیں یہ عمل بعد میں لازم نہ سمجھ لیا جائے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَـجْـعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئاً مِـنْ صَلَا تِـهٖ يَرىٰ أَنَّ حَقاً عَلَيْهِ أَنْ لَا يَـنْـصَـرِفَ إِلَّا عَـنْ يَـمِيْنِهٖ، لَقَدْ رَأَيْـتُ رَسُـوْلَ اللّٰـهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَثِيْـراً يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهٖ.	تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کے حوالہ نہ کرے یعنی یہ نہ سمجھے کہ اس پر دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنا لازم ہے، اس لئے کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو بہت مرتبہ بائیں طرف کو رخ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ۱/۸۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنے والد سے زیادہ بدعت کا سخت مخالف کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ میں نے نماز پڑھتے ہوئے سورہ فاتحہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے پڑھ دی جس کو موصوف نے سن لیا، اور ارشاد فرمایا کہ:

يَا بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ فَإِنِّيْ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہ وَعُثْمَانَ رضی اللہ عنہ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً مِّنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ، إِذَا قَرأْتَ فَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(موسوعة آثار الصحابه ۳۴۷/۳)

بیٹے! بدعت سے بچتے رہو، اس لئے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ (جہراً) پڑھتے ہوئے نہیں سنا، لہذا جب تم قراءت کرو تو الحمدللہ رب العالمین سے ابتدا کیا کرو۔

یہ باتیں دیکھنے میں معمولی ہیں لیکن ان سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اس کام سے بیزار تھے جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، اور جو شخص بھی علم صحیح کا حامل ہوگا وہ کبھی بھی بے سند اور من گھڑت عقائد ورسومات کو قبول نہیں کرے گا۔

بدعت کا سبب جہالت ہے یا شرارت

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں بدعت کی اشاعت کے پیچھے دو اسباب کارفرما رہے ہیں:

(۱) اول یہ کہ دشمنان اسلام نے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے نہایت شاطرانہ طور پر فکری اور عملی بدعتیں مسلم معاشرہ میں داخل کردیں، اور ان کے اس قدر فضائل ومناقب بیان کیے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان سے متأثر ہوکر گمراہی کے راستہ پر چل پڑا، اور اس نے صحیح دینی عبادات کو پسِ پشت ڈال کر من گھڑت رسومات ہی کو دین سمجھ لیا۔

(۲) بدعات پھیلنے کا دوسرا بڑا سبب جہالت ہے، جہالت اور بدعت لازم ملزوم ہیں، جہاں دینی اعتبار سے جہالت پائی جائے گی وہاں بدعت کا ہونا یقینی ہے، کیوں کہ جب صحیح بات کا علم ہی نہ ہوگا تو دینی لبادہ اوڑھ کر جو شخص بھی بدعات رائج کرنا چاہے گا اس پر کوئی نکیر کرنے والا نہ ہوگا، اور لوگ جہالت کی وجہ سے اس کی غلط باتوں کو دین سمجھ کر اختیار کرلیں گے۔ چناں چہ آج جہاں جہاں بھی جہالت عام ہے وہاں کثرت سے بدعات بھی رائج ہیں اور لوگ اس قدر متشدد ہیں کہ صحیح بات سننے سمجھنے تک کو تیار نہیں ہیں۔

بدعت شیطان کو بہت پسند ہے

مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ عام گناہوں کے مقابلہ میں شیطان کو بدعت زیادہ پسند ہے۔ (شعب الایمان ۷/۵۹)

اور اس پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کوئی عام گناہ کرتا ہے تو اس کے ضمیر پر ایک ٹھیس لگتی ہے اور وہ کبھی نہ کبھی توبہ ضرور کرلیتا ہے، لیکن بدعتی شخص چوں کہ اپنے عملِ بدعت کو عین عبادت سمجھتا ہے اس لئے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ وہ بدعت کی دلدل میں مزید دھنستا چلا جاتا ہے، وہ سمجھتا تو یہ ہے کہ میں بہت بڑا کارِثواب انجام دے رہا ہوں، جب کہ درحقیقت وہی عمل اس کے لئے وبال بنتا رہتا ہے، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ''سنت کے مطابق تھوڑا عمل بدعت والے زیادہ اعمال سے بہت بہتر ہے''۔ (شعب الایمان ۷/۷۲) اس لئے ہر صاحب ایمان کو بدعت اور بدعتی سے دور رہنا چاہئے۔

مشہور محدث حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تمہاری ملاقات راستہ میں کسی بدعتی سے ہو تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلو''۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ ''بدعتی شخص کی مجلس میں بیٹھنے سے بچتے رہو''۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص بدعتی شخص کے ساتھ بیٹھے اٹھے گا وہ حکمت سے محروم رہے گا''۔ (شعب الایمان ۷/۶۴)

ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہ ''اہل بدعت کے ساتھ نہ تو اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے جھک بازی کرو،

اس لئے کہ مجھے اس بات سے اطمینان نہیں ہے کہ کہیں وہ تمہیں اپنی گمراہی میں شامل نہ کرلیں، یا تمہارے اندر صحیح باتوں کے بارے میں شکوک وشبہات نہ ڈال دیں''۔(شعب الایمان ۷؍۶۰)

موجودہ زمانہ کا حال

امت میں بدعات کا شیوع دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہی سے ہوگیا تھا۔شیعیت، خارجیت اور اس کے بعد فتنۂ باطنیت اور فتنۂ اعتزال یہ سب فکری بدعت کی بدترین صورتیں تھیں، جو آج بھی ترقی پاکر کسی نہ کسی نام سے موجود ہیں، ان کے علاوہ عملی بدعات کا رواج بھی کچھ کم نہیں، اولیاء اللہ کی محبت کی آڑ میں سارے عالم میں مزارات پر بدعت کی شرک آمیز دوکانیں خوب پھل پھول رہی ہیں۔اور اہل بدعت نے اپنے اپنے گروپ منظّم طور پر بنا رکھے ہیں، اور جس طرح تجارتی کمپنیاں اپنی تجارت کی بقا کے لئے ''ٹریڈ مارک'' مقرر کرتی ہیں، اسی طرح ان گروپوں نے کچھ مخصوص اعمال کو اپنے فرقہ کا ''ٹریڈ مارک'' بنا رکھا ہے، اور ان بے سند اور بے اصل اعمال پر ایسا جمود ہے کہ ملنے جلنے کو تیار نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی نحوست سے اہل بدعت کے دل قطعاً سیاہ ہوجاتے ہیں اور حق وانصاف کی باتوں کو قبول کرنے سے ان کا ضمیر عاجز ہوجاتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ ان سب بدعات کے علم بردار ہونے کے باوجود یہی لوگ اپنے کو سنت کا ٹھیکے دار قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو اسلام کا پروانہ جاری کرنے کا خصوصی حق بھی اپنے نام رجسٹرڈ سمجھتے ہیں، اس سے بڑی خود فریبی اور جہالت کیا ہوسکتی ہے؟

بدعت، دین کی توہین کا سبب ہے

واقعہ یہ ہے کہ اہل بدعت نے دین کو کھیل تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے، اور اخلاص وللّٰہیت کی روح کو پامال کرڈالا ہے، یوں تو بدعات سارے سال ہی جاری رہتی ہیں لیکن محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی ان میں اُبال آجاتا ہے، کوئی اور نیکی کا کام ہو یا نہ ہو تعزیہ ضرور بنے گا۔اور تعزیہ بھی کیا ہے؟ بانس کی پھچیوں سے خود ہی ایک ڈھانچہ بنایا اور پھر خود ہی اس کی تعظیم کرنے لگے اور اس پر چڑھاوے چڑھانے لگے؟ اور اس واہیات حرکت پر اس قدر اصرار کہ اگر کہیں تعزیہ سازی میں کوئی

رکاوٹ پیدا ہو جائے تو فوراً دین خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور لوگ مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تو یہ دین کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

ذرا سوچیں! کیا کوئی شریف آدمی اسے پسند کر سکتا ہے کہ اس کے ماں باپ کی باقاعدہ تدفین ہو جانے کے بعد کچھ لوگ ان کی مصنوعی قبریں بنا کر ہر سال تدفین کا ڈھونگ رچایا کریں؟ تو جب ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے تو حضرات اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبروں کی شبیہ بنا کر ان کے ساتھ یہ کھلواڑ آخر کیسے روا رکھا جاتا ہے؟ اس سے معلوم ہو گیا کہ تعزیہ داری کی بدعت کوئی عبادت نہیں بلکہ مقدس نفوس اہل بیت رضی اللہ عنہم کی بدترین توہین اور سخت گناہ ہے۔ مگر بدعتی فرقہ نے شیعیت کے دام تزویر میں گرفتار ہو کر اسے جاہل عوام کے دلوں میں ایسا پیوست کر دیا ہے کہ وہ تعزیہ ہی کو اسلام کی سب سے بڑی نشانی سمجھنے لگے ہیں، **نعوذ باللّٰہ من ذلك** ۔

اسی طرح اولیاء اللہ کے مزارات پر جو طوفان بدتمیزی مچتا ہے وہ سب دین کی اصل شبیہ کو مسخ کرنے کا ذریعہ ہے، مزارات کے بے جا تعظیم و تقدس دیکھ کر غیر مسلم بھی یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمارے مذہب میں اور اسلام میں کوئی خاص فرق نہیں بس مورتی اور قبر کا فرق ہے، اور بعض بدعتی علماء اپنے فتوؤں میں بظاہر ان چیزوں کی تردید کرتے ہیں، مگر عملی طور پر نہ صرف ان بدعات میں شریک رہتے ہیں بلکہ دھڑلّے سے ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور لچر تاویلات کے ذریعہ ان بدعملیوں کو سند جواز عطا کرتے ہیں جو حد درجہ قابل مذمت عمل ہے۔

بدعات کا خاتمہ کیسے ہو؟

مگر یہاں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ چوں کہ ہر بدعت دین کے نام پر ہی کی جاتی ہے اور بدعت کا شوقین ہر شخص اسے دین ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے تو پھر آخر ان بدعات پر روک کیسے لگے؟ تو اس بارے میں ہمارے پاس ہمارے آقا و مولا سرور عالم حضرت محمد ﷺ کی واضح رہنمائی موجود ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ

اکرم ﷺ نے ایسا پر اثر وعظ فرمایا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور دل کانپ اٹھے، تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ تو آخری نصیحت معلوم ہوتی ہے تو آپ ہمیں کیا تاکیدی حکم دینا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

قَدْ تَرَكْتُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَايَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ، مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافاً كَثِيْراً فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ الخ.

(سنن ابن ماجه ٤٣)

میں تم کو روشن شریعت پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے، اس سے میرے بعد وہی شخص اعراض کرے گا جو تباہ ہونے والا ہے، تم میں جو شخص بعد میں زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا، اس لئے تم پر میری معروف سنتوں اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنتوں کی پیروی لازم ہے، ان سنتوں پر دانت گاڑ کر رہنا۔

ہادئ عالم نبیٔ اکرم ﷺ کے اس فیصلہ کن ارشاد عالی کے بعد اب معاملہ صاف ہے وہ تمام من گھڑت اعمال و رسومات جن پر آج اہل بدعت قائم ہیں ان میں سے ایک ایک بات کو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے، پھر فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ اور کیا سنت ہے اور کیا بدعت؟ محرم کی تعزیہ داری، اکھاڑے بازی، اور کھچڑے کی نذر و نیاز ہو یا شب براءت کا حلوہ، عرس کے نام پر تماشے ہوں یا شہادت کے نام پر ماتم ان کا دور نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں کہیں اتہ پتہ نہیں ملتا، یہ سب ہواء وہوس کے پرستاروں کی ایجادات ہیں، مقدس مذہب اسلام اس طرح کی خرافات سے پوری طرح بری ہے، نبیٔ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے کامل مکمل دین میں ان تماشوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جو شخص ان بے اصل باتوں ہی کو اصل دین قرار دے وہ یقیناً دین کی بنیادوں کو مٹانے والا، اور شریعت بیضاء کی شان پر بدنما داغ لگانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ہر طرح کی بدعات سے محفوظ رکھے اور اہل بدعت کی تلبیسات سے بچائے رکھے، آمین۔

پیغمبر علیہ السلام پر والہانہ وارفتگی

(ج) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی گیرائی کا ایک واضح اثر یہ بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا پورا معاشرہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر جان چھڑکتا تھا۔ اور ان کی نظر میں پیغمبر علیہ السلام کے اسوۂ مبارکہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ کیا مرد کیا عورتیں، کیا جوان کیا بوڑھے سب جذبۂ اطاعت واظہارِ محبت میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے نزدیک پیغمبر علیہ السلام کی خلاف ورزی کرنے یا آپ کی منشاء کے خلاف کرنے کا تصور ہی نہ تھا، ان میں کا ہر شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا تابعدار اور مخلص فدائی تھا۔

حدیث کی کتابوں میں اس سلسلہ کا ایک اثر انگیز واقعہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان صحابی حضرت طلحہ بن البراء رضی اللہ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے آکر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! آپؐ مجھے جو چاہیں حکم دیں میں آپؐ کی ہرگز خلاف ورزی نہ کروں گا''، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نوعمری کے باوجود اس طرح کا سوال کرنے پر تعجب ہوا اور آپؐ نے بطور امتحان ان سے کہا کہ: ''جاؤ اپنے والد کو قتل ڈالو'' وہ صحابی فوراً حکم کی تعمیل کے لئے چل پڑے۔ آپؐ نے انہیں پھر واپس بلایا اور فرمایا کہ: ''اپنے ارادہ سے باز آؤ مجھے قطع رحمی کا حکم دے کر نہیں بھیجا گیا ہے'' (یعنی یہ تو محض آزمائش کے طور پر تم سے کہا گیا تھا اور تم نے تعمیل کا ارادہ ظاہر کر کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لی ہے) پھر چند دن کے بعد یہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، پیغمبر علیہ السلام ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے جبکہ موسم بارش اور سردی کا تھا۔ ان کے پاس سے باہر آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے کہا کہ: ''مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلحہ کی وفات کا وقت قریب ہے لہذا اگر ایسا حادثہ پیش آجائے تو مجھے اطلاع دیدینا، تاکہ میں ان کے جنازہ اور نماز میں شریک ہوسکوں اور اس میں جلدی کرنا''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے چلے، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنو سالم ہی میں پہنچے تھے کہ حضرت طلحہ بن البراء رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ لیکن چوں کہ رات ہوچکی تھی، موسم خراب تھا، اور وفات سے قبل حضرت

طلحہ رضی اللہ عنہ نے گھر والوں کو تاکید کردی تھی کہ میری وفات کی خبر پیغمبر علیہ السلام کو مت دینا اور رات ہی میں مجھے دفن کردینا، کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ رات میں نبیٔ کریم ﷺ کے تشریف لانے پر یہودی دشمن آپ ﷺ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس لئے گھر والوں نے پیغمبر علیہ السلام کو اطلاع نہیں دی اور ان کی وصیت کے مطابق انہیں رات ہی میں دفن کردیا گیا۔ نبیٔ کریم رضی اللہ عنہ کو جب اگلے دن حادثہ کا علم ہوا تو قبر پر تشریف لاکر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: **اللّٰھم الق طلحة تضحك إليه ويضحك إليك** ۔ ''اے اللہ! آپ طلحہ سے ہنستے ہوئے ملئے اور انہیں بھی اپنے سے ہنس کر ملنے کی سعادت سے نوازیئے''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۲۹۹، الاصابہ ۳/۴۲۶)

پیغمبر علیہ السلام کی حد درجہ تعظیم

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی عظمت اس قدر تھی کہ سوائے قریبی رفقاء: سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کسی کو آپ ﷺ سے نظر ملا کر گفتگو کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اور جب وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو اس قدر ادب سے بیٹھتے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۳۰۵)

وارفتگی کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے یا تھوکنے کا ارادہ فرماتے تو حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم کوشش کرتے کہ آپ ﷺ کے وضو کا پانی اور مبارک لعابِ دہن زمین پر گرنے کے بجائے کسی نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پڑے، اور پھر جس کو یہ سعادت ملتی وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر لگالیتا۔ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ''تم لوگ آخر یہ عمل کیوں کرتے ہو''؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم اس سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس پر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ جامع ترین نصیحت فرمائی کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بننا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ: (۱) ہمیشہ سچ بولا کرے (۲) اور امانت ادا کرے (۳) اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۳۰۵)

اسی منظر کی تصویر کشی عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ان تاریخی جملوں

سے کی تھی :

وَاللّٰهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجِلٍ مِّنْهُمْ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهٖ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظْرَ تَعْظِيْماً لَهُ.

قسم بخدا! جب بھی نبیٔ اکرم ﷺ اپنا بلغم تھوکتے ہیں تو وہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نہ کسی کی ہتھیلی پر پڑتا ہے، جس کو وہ اپنے چہرے اور بدن پر لگالیتا ہے، اور جب آپ انہیں کوئی حکم کرتے ہیں تو وہ سب اس کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے باہم رقیب بن جاتے ہیں، اور جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو سب اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں، اور تعظیم کے مارے وہ آپ کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ پاتے ہیں۔

اور پھر مشرکین کے مجمع میں جا کر یہ کہا :

أَيْ قَوْمٍ! وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلَى الْمُلُوْكِ وَفَدْتُّ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرىٰ وَالنَّجَاشِيْ وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكاً يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّداً.

(بخاری شریف ۳۷۹/۱، حياة الصحابة ۳۰٦/۲)

برادران قوم! اللہ کی قسم میں نے بادشاہوں کی خدمت میں حاضری دی ہے، میں قیصر وکسری اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں، اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اس کے درباریوں کی طرف سے اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جتنا محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رات میں اسلام قبول کیا، جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ پورے لشکر میں ہلچل مچی ہوئی ہے، لوگ ہاتھ منہ دھوکر ایک جگہ جمع ہورہے ہیں، ابوسفیان ڈر گئے کہ پتہ نہیں کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے

پوچھا کہ یہ ہلچل کیسی ہے؟ کیا کوئی خاص بات پیش آ گئی ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں کوئی بات نہیں، بس یہ لوگ اذان سن کر نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔ چناں چہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہاں جو انہوں نے صف بندی اور جماعت میں ہزاروں افراد کے ایک ساتھ رکوع سجدہ کرنے کا منظر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے، اور بے اختیار بول اٹھے کہ دنیا میں میں نے کسی قوم کو اپنے سردار کی اس طرح بے مثال اطاعت کرتے ہوئے نہیں دیکھا نہ تو فارس کے باعزت بادشاہوں میں اور نہ رومیوں کی صدیوں سے چلی آ رہی حکومت میں۔ اور پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے بولے: ''اے ابوالفضل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت) آپ کے بھتیجے کو تو زبردست بادشاہت نصیب ہو گئی ہے'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حیاۃ الصحابہ ۳/۱۲۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ: ''کیا یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہیں''؟ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جی ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھانا پینا چھوڑنے کا حکم دیدیں تو اس کی بھی یہ سب اطاعت کریں گے''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۱۳۰)

حکم نبوی کی فوری تعمیل

سہل بن حنظلہ عبشمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''خریم اسدی رضی اللہ عنہ بڑے اچھے آدمی ہیں اگر ان میں دو باتیں نہ ہوں ایک ان کے سر کے بالوں کا حد سے زیادہ لمبا ہونا، دوسرے تہبند کا ٹخنے سے نیچے ہونا۔ جب یہ بات حضرت خریم رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے بلا توقف استرا لے کر اپنی زلفیں آدھے کان تک کاٹ ڈالیں اور نصف پنڈلی تک اپنا تہبند اوپر کر لیا''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۳۰)

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا تو طریقہ یہی ہے

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مصالحت کی گفتگو کے لئے مکہ معظّمہ

تشریف لے گئے، پیغمبر علیہ السلام دیگر ساتھیوں کے ساتھ حدیبیہ میں اقامت گزیں تھے، ابان بن سعید بن الوقاص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں لیا اور اپنی سواری پر بٹھا کر لے چلے، تو دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پرانے سے کپڑے زیبِ تن کر رکھے ہیں، اور تہبند آدھی پنڈلی تک ہے یہ دیکھ کر ابان بن سعید سے نہیں رہا گیا، اور انہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ کیا بات ہے میں آپ کو پرانے کپڑوں میں دیکھ رہا ہوں؟ آپ بھی اسی طرح اپنے کپڑے کو نیچے لٹکائیے! جیسا کہ یہاں کے (معزز) لوگوں کا معمول ہے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (لوگوں کا دستور ہوا کرے اس سے مجھے مطلب نہیں) ''میرے آقا (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ نصف پنڈلی تک پائینچہ رکھنے کا ہے''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۴۶)

ایک طرف صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھئے دوسری طرف اپنے معاشرہ کا جائزہ لیجئے کہ آج بڑے بڑے مدعیانِ محبت دھڑلے سے ٹخنے سے نیچے تک پائیجامہ وغیرہ پہنتے ہیں، اور اس عمل کی برائی تک ان کے دلوں سے نکل چکی ہے۔ **فیا للعجب !**

نقوش قدم کی تلاش

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کا سفر فرماتے تو کوشش کرتے کہ ان مقامات پر پڑاؤ ہو جہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسفار کے درمیان قیام فرمایا تھا، اور بسا اوقات اپنی سواری کی نکیل ادھر سے ادھر کرتے ہوئے فرماتے کہ: ''شاید میری اونٹنی کا قدم اس جگہ پر پڑ جائے جہاں سفر کے دوران پیغمبر علیہ السلام کی سواری کا قدم پڑا تھا''۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ کے شاگرد رشید حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ: ''اگر تم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیغمبر علیہ السلام کے نقوش قدم تلاش کرنے کے جذبہ کو دیکھ لیتے تو تم سمجھتے کہ شاید وہ مجنون ہیں''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۶۵۵)

اور یہی حال سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ اسوۂ مبارکہ کی تلاش میں رہتے تھے، انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی حیات طیبہ کے پیکر میں اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔ باقاعدہ مجلسیں

لگا کر عبادات، معاشرت اور معاملات میں اسوۂ حسنہ کی یاد دہانی کرائی جاتی تھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بعض مسائل میں اختصاص کا درجہ حاصل تھا۔ اور وہ گویا ان مسائل کی عملی مشق کرایا کرتے تھے۔ صحیح روایات میں ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضرین کے سامنے وضو کر کے دکھلاتے اور پھر فرماتے کہ پیغمبر علیہ السلام وضو اس طرح فرماتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے طریقہ کو بتانے میں مشہور تھے چناں چہ حضرت ابو حمید ساعدی حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی تفصیلی روایات اس باب میں مشہور ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کے ان گوشوں پر گہری نظر رکھ کر ان تفصیلات سے امت کو آگاہ نہ فرماتے تو سنت کے کتنے ابواب اور شریعت کے کتنے ہی پہلو امت کی نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے۔ آج امت کے پاس جو بھی دینی سرمایہ ہے اس کا سلسلہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔ اور اللہ تعالی نے ان مقدس نفوس کو دین کی اشاعت، علم کی بقا اور شریعت بیضاء کے تحفظ کا مضبوط ذریعہ بنا دیا ہے۔

آج امت کو ضرورت ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے اور پیغمبر علیہ السلام کے تربیت یافتہ حضرات کے نقش قدم پر چلنے کو لازم پکڑے، ہر مسلمان کے دل میں علم دین کے حصول کا شوق، اتباع سنت کا جذبہ اور آخرت کی فکر جاگزیں ہو، اس کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور کامیابی کی توقع رکھنا محض فضول ہے۔ اللہ تعالی ہمیں ان بزرگانِ امت کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سادگی و بے تکلفی

سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو تعارف کرایا تھا اس میں ان کی تیسری صفت یہ تھی کہ **وأقلهم تكلفاً** یعنی وہ حضرات تکلف و تصنع سے دور تھے۔ ان کی گفتگو، رہن سہن، معاشرت اور زندگی کا ہر گوشہ تکلفات سے پاک تھا، اور دنیوی رسومات سے انہوں نے حیرت انگیز طور پر بے زاری اختیار کر رکھی تھی۔ اور بلا شبہ یہ کیفیت انہیں پیغمبر علیہ السلام کی مبارک

صحبت سے حاصل ہوئی تھی۔ سادگی اور قناعت کا جو سبق انھوں نے پیغمبر علیہ السلام سے حاصل کیا تھا وہ ان کی زندگی کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔

ظاہری ٹیپ ٹاپ اور غیر ضروری زیبائش و آرائش سے ان کی زندگی خالی تھی، عام طور پر سادہ لباس استعمال کرتے اور بلا کسی خاص اہتمام کے جو کھانا بھی بروقت میسر آتا اس کو شکر کے ساتھ تناول کر لیتے۔ اور مال و دولت یا منصب و حکومت ان کی سادہ زندگی پر کسی طرح بھی اثر انداز نہ ہو پاتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاشرہ میں یہ امتیاز دشوار ہوتا کہ کون امیر ہے کون مامور؟ کون حاکم ہے اور کون محکوم؟ بلکہ سب آپس میں بے تکلف دوستوں کی طرح زندگی گذارتے تھے۔ اس سلسلہ کی چند جھلکیاں اور واقعات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں کے تکلفات پسند نہ تھے

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ملاقات کر کے جاتے اور جب واپسی ہوتی تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ملاقات فرماتے (تا کہ فراق کا عرصہ کم سے کم ہو) ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر جہاد سے واپس تشریف لائے حضرت فاطمہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں اپنے مکان میں پردہ ڈالنے کا اہتمام کیا اور اپنے صاحب زادگان نورِ نظر اور لختِ جگر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہما کو چاندی کے کڑے پہنا دئے (جیسا کہ ماؤں کا معمول ہے کہ بڑے آدمی کے پاس بھیجتے وقت انہیں سجا سنوار کر بھیجتی ہیں) لیکن ہوا یہ کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی میں حضرت فاطمہؓ سے ملنے تشریف نہیں لائے۔ حضرت فاطمہؓ کو اندازہ ہو گیا کہ انہی تکلفات کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام رونق افراز نہیں ہوئے (آخر وہ بھی تو جگر گوشۂ رسول تھیں) فوراً لٹکے ہوئے پردے کو چاک کر ڈالا، اور صاحب زادگان کے ہاتھ میں ڈالے ہوئے چاندی کے کڑے توڑ کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دئے۔ وہ دونوں صاحب زادے روتے ہوئے اپنے نانا جان پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے وہ ٹوٹے

ہوئے کنگن لے لئے اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ انہیں فلاں خاندان والوں (جو فقر وفاقہ میں مشہور تھے) کو دے آؤ! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ لوگ میرے گھر والے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ اپنی نیکیوں کا بدلہ سب دنیا ہی میں وصول کرلیں'' (یعنی انہیں دنیوی ٹیپ ٹاپ کے بجائے آخرت کو کامیابی کے حصول کی فکر کرنی چاہیئے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ! فاطمہؓ کے لئے ہڈی سے بنا ہوا ہار اور ہاتھی کے دانت کے بنے ہوئے کنگن خرید لاؤ۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۸۳)

غور فرمایئے! پیغمبر علیہ السلام نے اپنی سب سے چہیتی صاحب زادی اور چہیتے نواسوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اور تکلفات سے بچنے کی کس انداز سے تعلیم دی۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا سرکاری وظیفہ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلافت کے منصب کے لئے منتخب کیا گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ان کے لئے سرکاری بیت المال سے وظیفہ مقرر کرنا چاہیئے، چناں چہ طے کیا گیا کہ انہیں لباس کے طور پر دو چادریں ملیں گی وہ جب پرانی ہوجائیں تو انہیں بدل کرنئی دیدی جائیں، اور وہ کہیں سفر میں جائیں تو سواری کا انتظام کیا جائے گا۔ اور خلافت سے قبل وہ اپنے گھر والوں کے نان نفقہ پر جو خرچ کرتے تھے اتنی مقدار نفقہ انہیں ملے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ مقدار منظور ہے۔ (موسوعۃ آثار الصحابہ ۱/۹۰)

یہ ہے اسلام کے سب سے بااختیار شخص: امیر المؤمنین کی سادگی، اس کے برخلاف آج امیر المؤمنین تو درکنار کوئی شخص معمولی سی ملی تنظیم یا ادارے کا بھی ذمہ دار بن جاتا ہے تو اپنے کو سیاہ سفید کا مالک سمجھتا ہے، اور بلا تکان مالی وسائل اپنے ذاتی استعمال میں لانے میں دریغ نہیں کرتا۔

تکلفات سے بچنے کی تلقین

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: زیادہ غسل خانوں میں آمد و رفت، اور بالوں کی تراش خراش کا اہتمام اور عمدہ عمدہ قالینوں پر بیٹھنے اور چلنے کا التزام مت کرو، اس لئے کہ اللہ کے مقبول بندے آرام پسند اور زیبائش و آرائش کے دل دادہ

نہیں ہوتے۔(موسوعۃ آثار الصحابہ ۱/۲۵۳)

اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ’’دیکھو کھانے پینے میں زیادہ چٹور پن سے احتراز کرو اس لئے کہ اس سے جسم خراب ہو جاتا ہے۔ بیماریاں پنپنے لگتی ہیں اور عبادات میں سستی ہو جاتی ہے۔ لہذا کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو، کیوں کہ اس سے بدن درست رہے گا اور فضول خرچی سے حفاظت رہے گی۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالی کو موٹے پیٹ والے شوقین مزاج لوگ سخت ناپسند ہیں، اور انسان اس وقت تک برباد نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہش کو دین پر ترجیح نہ دے‘‘۔

(موسوعۃ آثار الصحابہ ۱/۲۵۳)

ان قیمتی ہدایات کے برخلاف آج امت میں شوقین مزاجی، تکلفات اور ٹیپ ٹاپ کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، چٹور پن کا حال یہ ہے کہ مرغن اور لذیذ کھانوں کی دوکانوں، ہوٹلوں اور ریستورانوں پر ہمارے نوجوانوں کی بھیڑ کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ ایک طرف معاشی پسماندگی کا شکوہ ہے، دوسری طرف جو کچھ سرمایہ ہے وہ بلا تکان چٹور پن پر خرچ کیا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس رجحان کے ہوتے ہوئے قومی ترقی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔

ہماری عزت تو اسلام سے ہے

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ملک شام کا دورہ فرمایا اور بیت المقدس جاتے ہوئے ’’جابیہ‘‘ سے گزرے تو حال یہ تھا کہ ایک گندمی رنگ کے اونٹ پر سوار تھے۔ سر پر نہ تو ٹوپی تھی اور نہ عمامہ، اور سر کا بال سے خالی حصہ دھوپ میں چمک رہا تھا، سواری پر پائے دان بھی نہ تھا، دونوں پیر کجاوے کے دونوں جانب لٹکے ہوئے تھے، کجاوے پر جو چادر تھی وہ موٹی اون کی تھی، جب آپ سواری سے اترتے تو یہی چادر بستر کا کام دیتی تھی۔ آپ کا تھیلا ایک چادر تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، جب آپ اترتے تو یہی تھیلا آپ کا تکیہ بن جاتا تھا۔ آپ کے بدن پر ایک لٹھے کا کرتا تھا، جو کثرتِ استعمال سے گھس کر ایک جانب سے پھٹ گیا تھا، اسی حالت میں آپ نے شہر جابیہ کے چودھری کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتا دھو ڈالو، اور جو حصہ پھٹا ہوا ہے اسے سی

دیا جائے، اور مجھے اپنا ایک کرتا عاریت پر دیدو۔ چناں چہ کپڑا دھلنے تک آپ نے دوسرا کرتا استعمال کیا اور جب اپنا کرتا سوکھ گیا تو پھر اسے ہی پہن لیا، اتنے میں اس بستی کا سردار (جلومس) آگیا، اس نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو کہا کہ آپ عرب کے بادشاہ ہیں، اور اس علاقہ میں اونٹ پر سواری کا رواج نہیں ہے، کیا اچھا ہو کہ آپ کوئی عمدہ لباس پہنیں اور خچر پر سواری کریں تاکہ رومیوں کے اوپر آپ کی دھاک بیٹھ سکے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت استغناء اور بے تکلفی کے ساتھ جواب دیا کہ ''ہم وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، لہذا ہم اللہ کے علاوہ کسی سے عزت کے طالب نہیں ہیں''۔ (حیاۃ الصحابہ ۳۸۸/۲)

غور فرمایئے! کیا اس سادگی سے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی فرق آگیا؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ ان کا درجہ دنیا والوں کی نظر میں اور بلند ہوگیا کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جسے دنیا کے جواہر کی چمک دمک خیرہ کرسکے، بلکہ یہ وہ ذات ہے جس کہ نظر میں ساری دنیا کی زیبائش وآرائش ٹھیکروں کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی سادگی نے قیصر وکسریٰ کے کنگوروں کو ہلا کر رکھ دیا، اور آپ کا رعب عالم کفر پر ایسا قائم ہوا کہ بڑے بڑے کروفر والے لوگ آپ کا نام سن کر تھرا کر رہ گئے۔ اور اسلام کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔

ایک طرف امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کردار ہے دوسری طرف آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہر شخص غیروں کے سامنے مرعوب ہو کر بچھا جارہا ہے، اور غیروں کو خوش کرنے کے لئے اپنا تشخص اور امتیاز تک چھوڑنے کو تیار ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کا نمونہ اسوۂ نبوت اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بجائے اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کے طور طریق کو بنالیا گیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جب ہم اسلام کے بجائے دوسروں کے طریقوں کو عزت دیں گے تو ہمیں قیامت کی صبح تک بھی عزت حاصل نہیں ہوسکے گی۔ ایک مسلمان کو عزت حاصل کرنی ہے تو اسے وہی جذبہ پیش نظر رکھنا ہوگا جس کی تعلیم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ میں دی گئی ہے کہ ''ہماری عزت تو صرف اسلام سے وابستہ ہے کسی اور چیز سے نہیں''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم اور فہم صحیح سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

جنگ قادسیہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جرأت مندانہ کردار

امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (۱۴ھ) میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قادسیہ کے میدان میں دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کی فوج کو عبرت ناک شکست دی، اور جرأت وحمیت، اور سادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا ششدر رہ گئی، اوران کا یہ بے مثال کردار تاریخ کے صفحات پر آبِ زر سے نقش ہوگیا۔ ایک طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں اسلامی لشکر تھا جو زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، دوسری طرف شاہِ کسریٰ ''یزدجر'' نے اپنے بھروسہ مند کمانڈر ''رستم بن الفرخزاذ'' کی قیادت میں ایک لشکر جرار روانہ کیا، جس میں ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار لڑاکے شامل تھے۔ اور پیچھے سے مزید کمک کی تیاری تھی، اس عظیم الشان لشکر میں گھوڑوں کے علاوہ ۳۳/ ہاتھی بھی تھے، جن میں ایک ہاتھی سفید تھا، مگر یہ سب باتیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو قطعاً مرعوب نہ کرسکیں، بلکہ ان حالات سے ان کا حوصلہ اور اللہ پر توکل مزید بڑھ گیا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت اپنے دشمنوں کے سامنے کیا کردار پیش کیا اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب دونوں فوجوں نے آمنے سامنے پڑاؤ ڈالا، تو رستم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اپنا کوئی نمائندہ بھیجیں تاکہ ہم اس سے گفتگو کریں، چناں چہ اولاً حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور پوری جرأت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا تعارف کراکے واپس تشریف لائے، اس کے بعد حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس سفارت کے لئے مقرر کیا گیا، ان کی آمد سے پہلے ہی رعب ڈالنے کے لئے رستم کے فوجیوں نے زبردست سجاوٹ کا اہتمام کیا، رستم کی قیام گاہ کے راستوں میں سونے کے تاروں کے نقش ونگار والے قالین اور ریشم کے غالیچے بچھادئے گئے، اور قیمتی ہیرے جواہرات جابجا بکھیرے گئے، اور رستم کے لئے سونے کا تخت بچھایا گیا، اور خود اس کے سر پر تاج رکھا گیا، الغرض دنیوی زیب وزینت کی کوئی چیز چھوڑی نہیں گئی۔ دوسری طرف ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ معمولی قسم کے

کپڑے زیبِ بدن تھے، ایک تلوار تھی جس پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ ایک ڈھال، ایک نیزہ جو گلے میں لٹکا تھا اور سر پر خود تھی، اور ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار تھے۔ اسی حال میں قالینوں تک پہنچے، اور ایک قالین پر گھوڑے کو کھڑا کر کے اس کی لگام قالین میں سوراخ کر کے وہیں باندھ دی۔ رستم کے پہرے داروں نے کہا کہ آپ ہتھیاروں کو یہی رکھ دیجئے۔ ان کے ساتھ رستم کے سامنے نہیں جاسکتے، حضرت ربعی ﷺ نے فرمایا کہ میں خود نہیں آیا تم لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے، اگر ہتھیار کے ساتھ اندر جانا منظور نہیں ہے تو میں یہیں سے واپس جاتا ہوں، مجھے رستم کی ملاقات منظور نہیں ہے، یہ بات اندر پہنچائی گئی تو رستم نے اندر آنے کی اجازت دیدی، اب آپ اس طرح اندر تشریف لے گئے کہ اپنے نوک دار نیزے سے راستے میں پڑنے والی قالینوں کو جگہ جگہ سے کاٹ کر خراب کر دیا۔ اور رستم کے سامنے پہنچ کر زمین پر بیٹھ گئے اور اپنا نیزہ ایک قالین میں گاڑ دیا۔ رستم نے پوچھا کہ آپ زمین پر کیوں بیٹھے؟ حضرت ربعی بن عامر ﷺ نے فرمایا کہ ہم تمہاری اس زیب وزینت پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ پھر رستم نے پوچھا کہ آپ لوگوں کی یہاں (ملک فارس میں) آمد کا مقصد کیا ہے؟ تو حضرت ربعی بن عامر ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالی نے ہمیں اس مقصد سے بھیجا ہے تا کہ ہم انسانوں کو بندوں کی غلامی کے بجائے اللہ تعالی کی بندگی کی طرف لے جائیں، اور دنیا کو تنگی سے نکال کر وسعت کی طرف لے جائیں، اور ظلم وزیادتی کی جگہ پر اسلام کا عادلانہ نظام قائم کریں، ہمیں اللہ نے اپنا دین لے کر بھیجا ہے، پس جو اسے قبول کرلے گا تو ہم بھی تسلیم کرلیں گے اور یہاں سے واپس چلے جائیں گے، اور جو نہیں مانے گا تو ہم اس سے اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک کہ اللہ تعالی کا وعدہ پورا نہ ہو جائے۔ رستم نے کہا کہ اللہ تعالی کا وعدہ کیا ہے؟ حضرت ربعی ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ یہ ہے کہ جو شہید ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جو زندہ رہے گا وہ فتح یاب ہوگا۔ یہ گفتگو سن کر رستم مرعوب ہو گیا اور اس نے لشکر کے سرداروں کو حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ سردار طاقت کے نشہ میں چور تھے، انہوں نے حضرت ربعی ﷺ کے لباس کا مذاق اڑایا، تو رستم نے جواب دیا کہ ان کے لباس کو مت

دیکھو بلکہ ان کی رائے کی پختگی، گفتگو کے انداز اور سیرت و کردار پر نظر ڈالو، عرب لوگ کھانے اور پہننے میں سادگی اپناتے ہیں مگر اپنے خاندانی کردار کی بھرپور حفاظت کرتے ہیں: الی آخرہٖ۔

(البدایہ والنہایہ ۷/۴۴، ملخصاً، حیاۃ الصحابہ ۳/۶۹۷)

ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کسریٰ یزدجرکو اسلام کی دعوت دینے کے لئے اس کے دارالخلافہ مدائن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک وفد بھیجا تھا، یہ وفد شہر مدائن میں اس حال میں داخل ہوا کہ ان کی چادریں ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں، ہاتھ میں کوڑے تھے، پیروں میں جوتے تھے اور سواریاں بہت کمزور تھیں، مدائن کے لوگ انہیں بڑے تعجب سے دیکھتے تھے کہ بھلا یہ فاقہ زدہ فقا فقیر لوگ ہمارے لشکر جرار کا کیسے مقابلہ کرسکتے ہیں؟۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۴۵)

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہی سادہ لوگ جب ایمانی قوت کے ساتھ میدان کارزار میں اترے تو دشمن کی لاشوں کے پرے کے پرے لگادیئے، صرف جنگ قادسیہ میں بیس ہزار کفار مارے گئے، اور خود رستم بھی اپنی جان نہ بچا سکا، اور اس کے بعد چند ہی دنوں میں کسریٰ کی حکومت کا قیامت تک کے لئے نام ونشان مٹ گیا۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۴۸)

ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہماری عزت دنیوی رسومات، تکلفات اور طور طریقوں میں نہیں ہے، بلکہ ہمارا اصل سرمایہ اسلام ہے، ہم ظاہر میں کیسے ہی ہوں اگر ہمارا رابطہ اسلام اور دین سے مضبوط ہوگا تو ہمیں عزت حاصل رہے گی، اور دین سے رابطہ میں جتنی کمی ہوگی اتنا ہی ہم عزت سے دور ہوتے جائیں گے۔ کاش کہ یہ حقیقت ہمارے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوجائے۔

تقریبات میں سادگی

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں رہتے تھے، اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام بھی وہیں تشریف فرماتھے، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا اہتمام نہیں فرماتے تھے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہر تقریب میں شرکت کریں، حتی کہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر باش حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نکاح فرمالیتے تھے اور

پیغمبر علیہ السلام کو اس کی اطلاع بھی نہ ہوتی تھی۔

مشہور صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن پیغمبر علیہ السلام نے ان کے کپڑے پر نسوانی خوشبو کا رنگ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت! میں نے ایک گٹھلی سونے کی مہر پر شادی کر لی ہے (اور یہ رنگ بیوی کی خوشبو سے لگ گیا ہے) یہ سن کر پیغمبر علیہ السلام نے انہیں برکت کی دعا دی، اور ولیمہ کرنے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۷۸)

اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا، اور پیغمبر علیہ السلام کو خبر نہ دی، ایک سفر سے واپسی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نئی نئی شادی کا عذر کر کے جلدی مدینہ واپسی کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شادی کا علم ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کنواری سے شادی کی یا بیوہ سے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیوہ سے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری سے شادی کرنے کی ترغیب دی، لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہنوں کی سرپرستی کا عذر کیا۔ (مسلم شریف ۲/۲۹)

اور بھی اس طرح کے واقعات دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ملتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کو علم نہیں ہوا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی تقریبات منعقد کر لیں، ہمارے معاشرہ کے اعتبار سے یہ باتیں بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے تکلف زندگی کے بہ عین مطابق ہیں، اس معاشرہ میں شادی بیاہ میں کوئی تکلف تھا ہی نہیں، باپ خود ہی اپنی بیٹی کا رشتہ براہِ راست داماد سے پیش کر دیتا حتی کہ بعض صحابیات خود نکاح کا پیغام بھیجتیں، اور اسے معاشرہ میں قطعاً معیوب نہ سمجھا جاتا۔

اس کے برخلاف ہمارے یہاں کی تقریبات، تکلفات کا سرچشمہ بن گئی ہیں ایک ایک تقریب کے لئے اس قدر لوازمات ہیں کہ اصل تقریب میں اتنا خرچ نہیں جتنا اس کے لوازمات کا خرچ ہے۔ اسی بنا پر معاشرہ میں نکاح جو ایک سادہ اور آسان عمل تھا اسے مشکل ترین اور ہوش ربا عمل بنا دیا گیا ہے، اور لڑکی والوں کو تو اس قدر بوجھل کر دیا گیا ہے کہ انہیں اس کا تحمل سخت دشوار ہے۔ بس نہیں چلتا کہ لڑکے والے لڑکی والوں کی جائیداد اور مکان بکوا کر ان کے خون کا ایک ایک قطرہ چوس لیں۔ الأمان والحفیظ۔

سادگی کا مطلب لچڑ پن نہیں ہے

اسلام میں سادگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی وسعت ہونے کے باوجود بے ہنگم انداز میں زندگی گزارے اور بے وقعت لباس استعمال کرے، جیسا کہ بعض نام نہاد صوفیوں کا طریقہ ہے کہ کوئی قصداً ٹاٹ پہن کر ''ٹاٹ شاہ'' بن جاتا ہے اور کوئی بے ہنگم انداز میں بال بڑھا کر اور ہفتوں ہفتوں غسل اور صفائی نہ کرنے کو ہی قبولیت کی دلیل سمجھتا ہے، تو اسلامی شریعت ایسی واہیات حرکتوں سے قطعاً بری ہے۔

حضرت جابر ﷛ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ایک شخص کو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ''اسے کوئی ایسی چیز نصیب نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر سکے'' اور ایک شخص کے بدن پر آپ ﷺ نے میلے کچیلے کپڑے دیکھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''کیا اس کے پاس کپڑا دھونے کا بھی انتظام نہیں ہے''۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۵)

اسی طرح حضرت ابوالاحوص اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں گھٹیا کپڑے پہن کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ''مال تو ہے'' آپ ﷺ نے پوچھا کہ کس کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالی نے مجھے اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر طرح کا مال عطا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالی نے تم کو مال سے نوازا ہے تو لازم ہے کہ اللہ تعالی کی نعمت اور کرامت کا اثر تمہارے بدن پر ظاہر ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۵)

مطلب یہ ہے کہ دونوں طرح کا تکلف شریعت میں منع ہے، کہ وسعت ہوتے ہوئے دکھاوے کے لئے گھٹیا لباس پہننا یہ بھی منع ہے، اور حد سے زیادہ شاندار لباس کے فراق میں رہنا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ ہر حالت میں بے تکلفی رہنی چاہئے، اور انسان کو سادی زندگی گذارنی چاہئے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ ﷡ اور امت کو یہی تعلیم دی ہے، پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد

فرمایا کہ ''کھاؤ پیو، صدقہ کرو، اور جو چاہے لباس پہنو، بس فضول خرچی اور کبر وغرور نہ ہونا چاہئے''۔
(مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۷)

اسی طرح آپ ﷺ نے بالوں کو درست رکھنے کی تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو بال رکھے تو وہ ان کا اکرام کرے (یعنی صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کرے) لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ آدمی روز روز تیل کنگھی کرنے میں نہ لگا رہے، بلکہ کچھ کچھ دن چھوڑ کر تیل کنگھی کیا کرے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۸۲)

خلاصہ یہ کہ اسلام کی تعلیم ہر معاملہ میں میانہ روی کی ہے، ایک مسلمان کو ہمیشہ اپنے دین کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اور غیر قوموں سے ہر طرح کی مرعوبیت دل سے نکال دینی چاہئے، اور دنیا میں بے تکلف اور سادہ زندگی گزارنی چاہئے اسی میں ہماری عزت ہے، اور اسی میں عافیت اور نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسوۂ مبارکہ کو اختیار کرنے کی توفیق بخشیں، اور دینی فکر سے ہمارے قلوب کو معمور فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی فروری، مارچ، اپریل، مئی ۲۰۰۵ء)

○○

ملّی قیادت کی صفاتِ عالیہ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک یادگار خطبہ کی روشنی میں

ملت کے لئے کون قیادت کا اہل ہے اور کون اہل نہیں ہے؟ اس پر بحثیں برابر جاری رہتی ہیں۔ بالخصوص دین دار اور بے دین یا بد دین قیادت کے درمیان کش مکش عرصۂ دراز سے جاری ہے۔ اور اس وقت پورے عالم اسلام میں یہ کش مکش شدت اختیار کئے ہوئے ہے۔ اکثر مسلم ممالک پر بد دین قیادت براجمان ہے جو دینی قیادت کو ابھرنے نہیں دیتی اور ایسے ہتھ کنڈے اختیار کرتی ہے کہ دینی قیادت متحد ہو کر طاقت ور نہ بننے پائے۔ آج اسلام کی عالمی حیثیت کو مجروح کرنے میں اس قابض بد دین قیادت کی مفلوج قیادت کا بھی کافی دخل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ کس طرح کی صفات والی قیادت قوم وملت کے لئے مفید اور عزت کا باعث ہوسکتی ہے؟ اور کون سی قیادت مضر اور نقصان دہ ہے؟ اس سلسلہ میں امت محمدیہ کی سب سے قابل احترام شخصیت، پیغمبر علیہ السلام کے معتمد ترین رفیق اور آپ کے جانشین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ یادگار خطبہ قابل مطالعہ ہے جو آپ نے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی کے ممبر سے ارشاد فرمایا جس کے ایک ایک جملہ سے آپ کی بے مثال فراست ایمانی اور ملی قیادت کی عدیم المثال اہلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس خطبہ کا ترجمہ اور ضروری وضاحت ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

(۱) تواضع انکساری

اللہ تعالی کی حمد وثنا کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ! قَدْ وُلِّيتُ أَمْرَكُمْ، وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ .   اے لوگو! مجھے تمہاری قیادت کی ذمہ داری دی گئی ہے، میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ قائد کی اولین صفت یہ ہے کہ وہ متکبر اور عالی مزاج نہ ہو، بلکہ اپنے کو کمتر سمجھتا ہو، اور تواضع وانکساری کی دولت سے مالا مال ہو، ہر شخص کے ساتھ اس کا معاملہ حسن اخلاق پر مبنی ہو۔ اور لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو، کسی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھتا ہو، اور حق بات کو قبول کرنے میں عار نہ محسوس کرتا ہو، لوگ اگر چہ اس کے ساتھ امتیاز کا معاملہ کریں لیکن وہ خود دل سے اپنا امتیاز نہ چاہتا ہو، اس لئے کہ جو شخص دل سے متواضع نہ ہو تو دوسرے لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت ہرگز قائم نہیں ہوسکتی، عظمت جبھی قائم اور مستحکم ہوگی جب انسان دل سے تواضع کا جذبہ رکھے۔ ارشاد نبوی ہے: ''من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه'' (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی سے نوازتا ہے) سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تواضع کا حال یہ تھا کہ خلیفہ بننے کے چھ مہینہ بعد تک مدینہ کے باہری حصہ میں واقع مقام ''سنح'' میں اپنے مکان میں رات گذارتے اور صبح کو پیدل یا کبھی سواری پر معمولی لباس زیب تن کئے ہوئے مدینہ تشریف لاتے اور عشاء کے بعد گھر واپس ہوتے، اور اسی دوران اپنی تجارت کے لئے بازار میں بھی تشریف لیجاتے اور اپنا کاروبار خود انجام دیتے (تا آنکہ جب خلافت کی مصروفیت زیادہ بڑھی تو یہ مشغلہ ترک کرنا پڑا) اسی طرح بسا اوقات اپنے محلّہ کے گھروں میں جا کر انکے لئے بکریوں کا دودھ تک نکالنے کی خدمت انجام دیتے۔ اور فرماتے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ خلافت کی بنا پر میرے کسی نیک معمول میں کوئی کمی آئے۔ (موسوعۃ آثار الصحابہ ۵۱/۱) آپ کی مبارک زندگی کے یہ اعمال اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ کا قلبِ اطہر کبر وغرور سے بالکل خالی تھا، اور تواضع کی مبارک صفت سے معمور تھا اسی صفت نے آپ کو محبوب خالق اور محبوب خلائق بنا دیا تھا۔

(۲) علم وعمل

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَلٰكِنْ نَزَلَ الْقُرْآنُ وَسَنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّنَنَ فَعَلَّمَنَا فَعَلِمْنَا .	لیکن قرآن کریم نازل ہوا اور پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے سنتیں پیش فرما کر انہیں ہمیں سکھلایا چناں چہ ہم نے انہیں سیکھ لیا۔

ان الفاظ کے اندر یہ پیغام مستور ہے کہ اصل میں قیادت کا حق دار وہی شخص ہے جو قرآن وحدیث کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، کیوں کہ علم صحیح کے بغیر ملت کی رہنمائی کا فرض ہرگز ادا نہیں کیا جاسکتا، اور جو قیادت دین کے علم سے محروم ہو اس سے ملت کے لئے کسی خیر کی توقع نہیں رکھی جاسکتی، اسلام کی تاریخ کا ایک ایک ورق اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس امت کو عزت اسی وقت ملی ہے جب قیادت کا فریضہ قرآن وسنت کی روشنی میں انجام دیا گیا اور جب سے قیادت نے اپنا رشتہ قرآن وسنت سے توڑا ہے وہیں سے ذلت ونکبت اور مصائب وآلام کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ علم صحیح قائدِ ملت کی رہنمائی کرتا ہے کہ وہ کس طرح لوگوں کے ساتھ پیش آئے۔ خود اس کی ذاتی زندگی کیسی بے داغ ہو؟ اور وہ اپنے کو کس طرح تہمتوں کے مواقع سے محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں رہے؟ اور پھر اس میں قومی وملی مفادات پر ذاتی مفادات کو قربان کرنے کا حوصلہ کس قدر ہو؟ اور وہ اس بارے میں کن جلیل القدر قائدین کے روشن زندگیوں کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنائے؟ الغرض یہ علم صحیح قدم قدم پر رہنمائی کے لئے مستعد رہتا ہے اور اپنے حامل کو دارین کی عزت وعظمت سے سرفراز کرکے رہتا ہے؟ اس کے برخلاف بے علم قیادت اگرچہ مخلص بھی ہو مگر وہ کب راہِ حق سے بھٹک جائے اور ملت کو کس قعر مذلت میں کب گرادے اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ ارشاد کے بموجب معیارِ قیادت قرآن وسنت کا علم ہے جسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) ورع وتقوی

اپنا خطبہ جاری رکھتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَكْيَسَ الْكِيْسِ التَّقْوىٰ، وَأَحْمَقَ الْحُمُقِ الْفُجُوْرُ .

بے شک سب سے بڑی دانشمندی تقوی اور پرہیز گاری ہے۔ اور سب سے بڑی بے وقوفی اور حماقت گناہوں کا ارتکاب کرنا ہے۔

یہ جملہ معرفت کے نور سے پوری طرح منور اور یقین کی روشنی سے کامل طور پر مزین ہے۔ جس میں واضح انداز میں دانشمندی اور حماقت کے درمیان فرق کا کھلا ہوا معیار بیان کر دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھتا ہو وہ ہرگز اسے ناراض کر کے اپنے آپ کو اخروی مصیبت میں مبتلا کرنا پسند نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کی خواہش ہوگی کہ اس کی پوری زندگی گناہوں سے پاک ہو کر گزرے۔ اسی کا نام تقوی ہے جو دانشمندی کی سب سے بڑی علامت ہے۔ اسکے برخلاف جو انسان قدرت خداوندی پر مطلع ہونے کے باوجود اس کی معصیت کر کے اپنے کو مجرموں کی صف میں شامل کر لے تو واقعۃً اس سے بڑا کوئی بیوقوف دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ اس معیار پر وہ علماء راسخین اور دینداروں کے صحبت یافتہ افراد پورے اترتے ہیں جن کی زندگیاں معاصی سے خالی ہیں۔ جن کے دن طاعات سے معمور اور جنکی راتیں مناجاتوں سے پرنور ہیں، یہی لوگ دراصل عقل مند ہیں۔ انکے برخلاف جو ''برعکس نام نہند زنگی را کافور'' کے بمصداق اپنے آپ کو ''دانش ور'' کہلواتے ہیں اور پھر برسر عام معاصی و منکرات کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں وہ درحقیقت ''دانش ور'' نہیں بلکہ ''مہا بیوقوف'' ہیں۔ ملی قیادت کا منصب ایسے لوگوں کو ہرگز زیب نہیں دے سکتا۔ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں اس دوٹوک اعلان سے یہ ثابت فرما دیا کہ عقل و دانش کا مدار ورع وتقوی پر ہے جو شخص اپنی ذاتی زندگی میں متقی نہ ہو وہ اجتماعی زندگی میں بھی تقوی پر قائم نہیں رہ سکتا، اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ تقویٰ سے محروم لوگوں کی قیادت سے امت کو بچانا بہر حال لازم ہے، اس کے بغیر امت کو فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۴) عدل وانصاف

اس کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عدالت وانصاف کے بارے میں اپنا نظریہ اس طرح واضح فرمایا:

وَإِنَّ اَقْوَاكُمْ عِنْدِيْ الضَّعِيْفُ حَتّٰى اٰخُذَلَهُ بِحَقِّهِ وَإِنَّ اَضْعَفَكُمْ عِنْدِيْ الْقَوِيُّ حَتّٰى اٰخُذَ مِنْهُ الْحَقَّ.

اور میرے نزدیک تم میں سے زیادہ طاقت ور، ضعیف (مظلوم) شخص ہے، حتی کہ میں اس کا (واقعی) حق اس کو دلا کر رہوں گا، اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ کمزور، طاقت ور (ظالم) شخص ہے حتی کہ میں اس سے (دوسرے کا) حق لے کر رہوں گا۔

عام طور پر دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ غریب اور ضعیف کی فریاد تک نہیں سنی جاتی جب کہ طاقت اور سورس والوں کی غلط حرکتوں کی بھی چشم پوشی کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ظالم کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں اور مظلوم کی امیدیں ٹوٹ کر رہ جاتی ہیں۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں اپنا کردار روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ یہاں ضعیف اور کمزور پر نظر نہیں ہوگی بلکہ حق اور ناحق پر نظر ہوگی طاقت اور ضعف کا پیمانہ نہیں ہوگا بلکہ ظالم اور مظلوم کا پیمانہ ہوگا۔ اور ہر شخص کی فریاد رسی انصاف کے ساتھ کی جائے گی۔

یہی طبعی انصاف پسندی انسانیت کی معراج اور ایمان کی روح ہے، حق کو حق سمجھنا اور غلط بات کی تائید نہ کرنا ہی اہل حق کا شیوہ ہے جو اس بات کا خیال نہیں رکھے گا وہ نہ خود سکون سے رہ پائے گا اور نہ دوسرے اس سے سکون خاطر حاصل کر سکیں گے، اس لئے اسلامی قیادت میں جذبۂ انصاف کا ہونا لازم ہے۔ محض اپنے مفاد اور اقتدار کی خاطر نہ تو کسی کی واضح غلطی سے چشم پوشی برتی جائے اور نہ کسی دوسرے مستحق کے بڑھتے ہوئے قدم پر روک لگائی جائے۔ بلکہ اس معاشرہ میں وسعت ظرفی اصول پسندی اور حوصلہ افزائی جیسے عناصر غالب ہوں۔ ایک طرف لوگ مطمئن ہوں

کہ ان کے واجبی حق کو ضائع ہونے نہیں دیا جائے گا دوسری طرف طالع آزما لوگ خوف زدہ ہوں کہ ان کی بے اصولی پر سخت گرفت کی جائے گی اور پھر ان کو کہیں جائے پناہ نہ ملے گی۔ جب معاشرہ میں اس طرح کے نظارے دیکھنے کو ملیں گے تو پھر یہ دنیا جنت نظیر بن جائے گی۔

(۵) اتباع سنت

اس کے بعد خلیفۂ رسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّمَا أَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ. اے لوگو! میں سنت کا پیروکار ہوں، اور بدعتی نہیں ہوں۔

یعنی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کو چھوڑ کر کوئی نیا طریقہ ایجاد کروں گا میں تو بس پیغمبر کا غلام ہوں، انہی کا حتمی پیروکار ہوں، اور ہر بدعت کے کام سے بے زار ہوں۔ یہ اعلان ہے اس ذات مقدس کا جسے پیغمبر علیہ السلام کے بعد امت محمدیہ کی قیادت کا پہلا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور جس کی افضلیت، عظمت، اور صداقت کی قسمیں دنیا میں کھائی جاتی ہیں۔ یہ اعلان اپنے اندر سے یہ پیغام دے رہا ہے کہ ملت کی قیادت کا نازک منصب بس اسی شخص کو زیب دیتا ہے جو واقعۃً متبع سنت ہو اور بدعت سے نفور ہو، جس کا ہر ہر قدم اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ ہو اور غیروں کے طرز عمل سے دور ہو، اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا مدار ان نت نئے ایجاد کردہ اعمال اور حرکتوں پر ہرگز نہیں، بلکہ اسلام کی عزت تو بس اسلام کے اس نمونہ سے ہے جس کو ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جس نمونہ کو سینے سے لگائے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور برگزیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا سے پردہ فرما گئے، جو شخص اس پیش کردہ نمونہ کو ناکافی سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں کوئی بات گڑھتا ہے اور اسے اسلام کی شوکت کا ذریعہ قرار دیتا ہے وہ دین کی کوئی خدمت نہیں بجالا رہا بلکہ دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا ہے، اس لئے اسلامی قیادت کو سنت کی پاس داری بھی ضروری ہے۔ جس کے بغیر صحیح رہنمائی کا فرض ادا نہیں کیا جاسکتا۔

قائد کے ساتھ لوگوں کا طرزِ عمل کیا ہو؟

اخیر میں سیدنا حضرت ابوبکرؓ نے یہ گراں قدر نصیحت فرمائی :

فَـاِنْ اَحْسَـنْـتُ فَـاَعِيْنُوْنِيْ، وَاِنْ زُغْـتُ فَقَوِّمُوْنِيْ، اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ .

(موسوعه اثار الصحابه ۱/۳۵)

پس اگر میں اچھا کام کروں تو تم میرا تعاون کرنا، اور اگر میں راہ حق سے اِدھر اُدھر ہونے لگوں تو تم مجھے سیدھے راستہ پر گامزن کردینا، میں یہ بات کہہ کر اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے اور اپنے لئے مغفرت کا طلب گار ہوں۔

اس نصیحت کے دو پہلو ہیں :

(۱) اول یہ کہ عوام کو چاہئے کہ وہ خیر کے کاموں میں اپنے قائد کا تعاون کرنے میں دریغ نہ کریں، اور محض ذاتی مخاصمت کی وجہ سے اس کی اچھائیوں کو نظر انداز نہ کریں، اور اگر اس سے واقعۃً کوئی خلاف شرع عمل دیکھیں تو مناسب حکمت عملی سے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں اس میں بھی اس کو بدنام کرنے کے بجائے خیر خواہی کا پہلو غالب رہنا چاہیے، یہ نہیں کہ جہاں اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات دیکھی فوراً ہوا خیزی شروع کردی اور ہاتھ دھوکر پگڑیاں اچھالنے میں لگ گئے۔ اس سے صرف قائد ہی کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم مطعون اور بدنام ہوتی ہے۔ لہذا اس معاملہ میں بہت سوجھ بوجھ اور احتیاط کے ساتھ حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) مذکورہ نصیحت کا دوسرا روشن پہلو یہ ہے کہ خود قائد کو بھی اس بات کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ اگر کوئی اس کی واقعی غلطی پر نکیر کرے تو وہ اسے برا نہ مانے بلکہ شکریہ کے ساتھ حق بات کو قبول کرلے۔ خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ ’’میرے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو مجھ کو میرے عیوب پر آگاہ کردے‘‘۔ (العلم والعلماء ۱۶۷) علماء حق کا ہمیشہ سے یہ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے کبھی اپنی بات پر پچ نہیں کی بلکہ حق سامنے آنے پر اسے بلا چوں وچرا قبول کرکے اپنی غلطی کو تسلیم کرلیا، لہذا ملت کا قائد بھی بہرحال بشر ہے اس سے رائے اور نظریہ

میں غلطی ہوسکتی ہے۔ اگر بالفرض غلطی کا غلطی ہونا اس پر واضح ہو جائے تو اسے اپنی رائے سے رجوع کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہئے۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ خطبہ مبارکہ کا ایک ایک لفظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے گویا کہ یہ ملت کی فلاح و بہبودی کا ایک روشن منشور ہے اس لئے ملی قیادت کے معاملہ میں ہمارا عمل اسی کی روشنی میں انجام پانا چاہئے۔ معاملہ اسلامی حکومت کا ہو یا کسی دینی ادارہ یا جماعت کی قیادت وسیادت کا، ہر جگہ ایسے ہی افراد کا انتخاب ہونا چاہئے جو درج بالا جذبات وصفات عالیہ کے حامل ہوں۔ اور جو حضرات اس وقت ان اداروں کے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز ہیں انھیں بار بار اس خطبہ کو پڑھنا اور یاد رکھنا چاہئے تا کہ اس خطبہ کے مشمولات کی روشنی میں وہ اور زیادہ بہتر طریقہ پر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ ملت کو ہمیشہ دینی قیادت سے سرفراز رکھے۔ اور نا اہلوں اور بددینوں کی سیادت سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۳ء)

○○

کاش! ہماری صلاحیتیں دین کے لئے وقف ہوجائیں!

سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چھٹے نمبر پر اسلام لانے والے نہایت جلیل القدر صحابی ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے مخصوص خدام میں تھے اور اس کثرت سے آپ کی خدمت مبارکہ میں حاضر رہتے کہ لوگ آپ کو اہل بیت ہی کا ایک فرد سمجھتے تھے، اللہ تعالی نے فقہی بصیرت اعلی درجہ کی عطا فرمائی تھی اور ساتھ میں اصلاح امت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ایک مرتبہ آپ کا گذر ایک ایسی مجلس پر ہوا جہاں کچھ من چلے لوگ جمع تھے اور موج و مستی کے ساتھ گانے بجانے کا دور چل رہا تھا، ایک بہترین آواز والا ''گویا'' جس کا نام ''زاذان کندی'' تھا اس نے اپنی طرب انگیز آواز سے مجلس گرم کر رکھی تھی، سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی دل کش آواز سن کر ایک جملہ ارشاد فرمایا اور آگے بڑھ گئے وہ جملہ یہ تھا ''یہ آواز کتنی اچھی ہے کاش اس آواز سے اللہ کی کتاب قرآن کو پڑھا جاتا'' حضرت رضی اللہ عنہ کی گفتگو کی کچھ جھلک ''زاذان'' نے بھی سن لی اور پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ صحابیٔ رسول سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ کیا کہکر تشریف لے گئے؟ لوگوں نے بتا دیا کہ حضرت رضی اللہ عنہ یہ فرما کر گئے ہیں ''کہ کیا اچھا ہوتا کہ اس دل کش آواز سے اللہ کی کتاب کو پڑھا جاتا''، بس یہ بات سنکر ''زاذان'' کے دل کی حالت بدل گئی انھوں نے وہیں تمام آلات طرب و مستی توڑ ڈالے اور گلے میں رومال ڈال کر بے تحاشا روتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں توبہ کی غرض سے حاضر ہوئے، حضرت رضی اللہ عنہ نے انھیں سینے

سے لگا لیا۔ اوران کی ندامت اور سچی توبہ کو دیکھ کر خود آپ پر بھی رقت طاری ہوگئی، اور فرمایا اس شخص نے توبہ کر کے اپنے کو اللہ کا محبوب بنالیا ہے اس لئے میرے دل میں بھی اس کی محبت راسخ ہوگئی ہے، اس کے بعد یہی ''زاذان'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ پڑے اور قرآن وسنت کا عظیم الشان علم حاصل کر کے اپنے وقت کے امام کہلائے آج بھی ذخیرۂ احادیث میں بے شمار روایتیں آپ کے واسطے سے مروی ہیں رحمہ اللّٰہ تعالی رحمۃ واسعۃً۔

(کتاب التوابین لابن قدامہ ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ''کاش یہ آواز قرآن کی تلاوت میں صرف ہوتی'' بڑا ہی پُر از بصیرت اور نہایت پر اثر جملہ ہے۔ اور اس کا تعلق صرف مذکورہ واقعہ ہی سے نہیں بلکہ اس کا استحضار ہر اس موقع پر رہنا چاہیے جہاں ہماری صلاحیتیں خیر کے کاموں کے بجائے گناہوں اور لغو کاموں پر صرف ہو رہی ہوں۔

افسوس ہے کہ آج اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ فلانا ''گویّا'' مسلمان ہے یا فلاں اداکار اور فن کار یا فلم اسٹار کا نام مسلمانوں جیسا ہے اور لوگ انہی چیزوں کو عزت ووقعت کا معیار سمجھتے ہیں اور ان باتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ، حالاں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ سب گناہ، محض واہیات کے درجہ میں ہونے چاہئیں اور ہمیشہ وہی جذبہ رہنا چاہیے جو صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تھا کہ ''کاش! یہ گانے بجانے والے، یہ اداکاری کرنے والے اور یہ فلموں کے ذریعہ دنیا کو بے غیرت بنانے والے لوگ اپنی صلاحیتیں کسی خیر کے کام میں صرف کرتے تو کتنا اچھا ہوتا''۔

امت میں بحمدہ تعالی صلاحیت کی کمی نہیں ہے بس ضرورت ہے کہ صلاحیت کو صحیح رخ پر ڈالا جائے اور اپنی جدوجہد کو آخرت کی فکر کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ آج کا سب سے بڑا المیہ صلاحیتوں کا ضیاع ہے، بڑے بڑے باصلاحیت افراد جن سے امت کو بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اپنی محنتیں محدود نفع پر لگا رہے ہیں اور آخرت کے لازوال نفع کا تصور ان کے ذہنوں سے محو ہوتا جا رہا ہے، اس ضیاع اور محرومی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، آج محلّہ محلّہ ''ضیاعِ وقت'' کے باقاعدہ اڈے بن

گئے ہیں، کہیں ''ویڈیو گیم'' کی نحوست ہے، تو کہیں ''کیرم بورڈ'' کی ٹیمیں ہیں جو دنیا جہاں سے الغرض ہو کر بس ہار جیت کے نشہ میں مست ہیں نو جوانوں کی مجلسوں میں جائیے تو یا تو فلموں کے فحش تذکرے ہیں یا کرکٹ کے میچوں اور کھلاڑیوں پر تبصرے ہیں، بڑوں کی محفلوں اور چائے کے ہوٹلوں پر چلے جائیں تو سیاست کی ایسی بحثیں سننے کو ملیں گی کہ گویا اسمبلی اور پارلیمنٹ یہیں اٹھ کر آ گئی ہے۔ اور ان سب باتوں کا نتیجہ محض صفر ہے، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا، اگر یہ فکری صلاحیت جو اِن ''بے ہنگم اڈوں'' پر بیٹھ کر ضائع ہو رہی ہے ذکر اذکار میں لگے یا تلاوت قرآن کریم میں صرف ہو یا دین کی اشاعت میں خرچ ہو تو کس قدر عظیم فائدہ حاصل ہو سکتا ہے مگر اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں، بس غفلت میں زندگی گذر رہی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ : الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ''. (بخاری شریف) یعنی دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں لوگ نقصان اور خسارے میں ہیں۔ (۱) صحت و تندرستی (۲) فرصت کے اوقات: یعنی عام طور پر ان نعمتوں سے جس قدر فائدہ اٹھانا چاہئے، لوگ فائدہ نہیں اٹھا پاتے اور انھیں ضائع کر دیتے ہیں، اس لئے ہمیں مذکورہ ہدایات سے سبق حاصل کرنا چاہیے، اور بالخصوص علم دین سے وابستہ حضرات کو اپنی خداداد صلاحیتیں زیادہ سے زیادہ خیر کے کاموں میں لگانے کا جذبہ اور حوصلہ دل میں پیدا کرنا چاہیئے ہماری یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ہمارا جینا مرنا اور اٹھنا بیٹھنا سب محض دین بن جائے۔ اور اللہ تعالی ہمارے ہر سانس اور ہر نقل و حرکت کو دین کی سربلندی کے لئے قبول کرلے۔

جب یہ خواہش ہمارے دل میں جاگزیں ہوگی تو یقین ہے کہ اللہ تعالی ہمارے لئے خدمت دین کے راستے کھول دے گا اور اللہ کی مدد اس طرح ہوگی کہ ہمارے وہم و خیال بھی اس کا تصور کرنے سے عاجز نظر آئیں گے، ہمت مرداں مدد خدا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارے جذبات میں کامل خلوص عطا فرمائے اور مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالے۔ آمین۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔ (ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۳ء)

○○

یہ خطرے کا زمانہ ہے

ابوعیینہ کے آزاد کردہ غلام واصل کہتے ہیں کہ مجھ کو یحییٰ ابن عقیل نے ایک صحیفہ دے کر یہ کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر ہے جو آپ ہر جمعرات کو اپنے تلامذہ کے سامنے ارشاد فرمایا کرتے تھے، اس صحیفہ میں یہ تحریر تھا کہ ''عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں:

(۱) نمازوں سے غفلت برتی جائے گی۔
(۲) اونچی اونچی بلڈنگیں بنائی جائیں گی۔
(۳) جھوٹی قسموں کی کثرت ہوگی۔
(۴) ایک دوسرے پر لعن طعن عام ہو جائے گا۔
(۵) رشوت خوری پھیل جائے گی۔
(۶) زنا کاری عام ہو جائے گی۔
(۷) اور آخرت کو دنیا کے بدلہ میں بیچا جانے لگے گا۔

اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے یہ باتیں پیش آجائیں تو تم خطرات سے بچنے کا اہتمام کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بچاؤ کس طرح ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں خانہ نشیں ہو جانا (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر مت نکلنا) اور اپنی زبان اور ہاتھ کو روک کر رکھنا''۔ (موسوعۃ آثار الصحابۃ ۱۱۳/۳)

افسوس ہے کہ جن باتوں کی طرف صحابیٔ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ توجہ دلا کر ان سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے، ہمارے زمانہ میں وہ سب باتیں واقعات بن چکی ہیں۔ اور پورا

معاشرہ دینی اعتبار سے خطرات میں گھر چکا ہے۔جس کی قدرے تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

نماز سے غفلت

آج پورے عالم میں نماز سے غفلت عام ہے۔مسجدیں تو بڑی عالیشان بن رہی ہیں مگر اسی تناسب سے نمازیوں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے۔بلا مبالغہ آج مسلمانوں کی اکثریت نماز سے غافل ہے، حالاں کہ ’’نماز ہی دین کا ستون ہے‘‘۔(کشف الخفاء۲/۲۷)اور’’اسی عبادت کے ذریعہ اسلام اور کفر میں امتیاز ہوتا ہے‘‘۔(مسلم شریف۱/۶۱) نماز کی زندگی سے دین کی زندگی ہے اور نماز کی موت دراصل دین کی موت ہے، نماز کے واسطہ سے مسلمان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوتا ہے، اور نماز سے پیدا شدہ کیفیت کی بدولت مسلمان کو گناہوں اور بے حیائیوں سے بچنے کی توفیق میسر آتی ہے۔جبکہ نماز سے غفلت کی بنا پر انسان پر بے حسی طاری ہوجاتی ہے اور وہ اچھے برے کی تمیز سے محروم ہوجاتا ہے، ایک مسلمان کا سب سے بڑا امتیاز اور قیمتی ترین سرمایہ نماز ہے اس کا اندازہ وہ لوگ بآسانی لگا سکتے ہیں جو سفر وحضر میں نماز اور جماعت کے عادی ہیں،خود احقر کو بار باراس کا تجربہ ہوا کہ ٹرین یا پبلک مقامات پر جب بھی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو دیکھنے والے غیر مسلموں کی طرف سے ہمیشہ مثبت اور محبت آمیز رویہ دیکھنے کو ملا، کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ٹرین میں زبردست بھیڑ تھی ،نماز کا وقت نکلا جارہا تھا، احقر مصلیٰ لے کر سیٹ سے اٹھا اور نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو بھیڑ کے باوجود لوگوں نے پوری بشاشت کے ساتھ نماز پڑھنے کی جگہ دی اور نماز کے بعد بھی بہت اکرام کا معاملہ کیا۔کاش اگر سب مسلمان اسی کردار کا مظاہرہ کرنے لگیں تو کتنی خرابیاں تو محض نماز کے اہتمام سے ہی ختم ہوسکتی ہیں، اور غیروں پر ہمارے عمل کے اچھے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ابھی چند روز قبل احقر نے ایک رسالہ میں ایک امریکی فوجی کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ پڑھا کہ اس کے اسلام لانے کا محرک یہ واقعہ بنا کہ وہ سعودی عرب کے کسی شہر میں دوکان سے سامان خریدنے گیا،سودا طے ہوگیا،اور وہ قیمت ادا ہی کرنا چاہتا تھا کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی۔اذان سنتے ہی اس مسلمان دوکان دار نے پیسہ لینے اور سودا دینے سے انکار کردیا اور فوراً دوکان بند کرکے نماز پڑھنے چلا گیا،بس اس نمازی

شخص کا یہی کردار اس امریکی فوجی کے لیے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ اس نے سوچا کہ یقیناً اس مذہب میں کوئی ایسی کشش ہے کہ انسان اپنی تجارت کو چھوڑ کر عبادت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ (امریکی نئے مسلمانوں کی سچی کہانیاں صفحہ ۱۱)

افسوس ہے کہ یہ کردار جو ہمارے معاشرہ میں جابجا نظر آنا چاہئے تھا آج بالکل عنقا ہوتا جارہا ہے، اور مسلم معاشرہ بچوں سے لیکر بڑوں تک اور مردوں سے لیکر عورتوں تک نماز سے غفلت میں مبتلا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ معاشرہ کی اس کوتاہی کا فی الفور سدباب کیا جائے، ہر آدمی اپنی دینی ذمہ داری محسوس کرے، یہ نہ سمجھے کر یہ تو صرف علماء کا یا تبلیغی جماعت کا کام ہے، ہمیں اس سے کیا مطلب؟ ایسا نہیں ہے بلکہ نماز کی طرف دعوت اور اس کا اہتمام ہر مسلمان کی ذاتی ذمہ داری ہے خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو اسے نماز کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے، تاکہ اسلامی معاشرہ ترک نماز کی نحوستوں سے محفوظ رہے، اور نماز کی برکتوں سے مالا مال ہو۔

بلڈنگوں کی بہتات

آج جس کے پاس بھی پیسہ ہے وہ ضروری اور غیر ضروری تعمیرات پر اسے بے دریغ خرچ کررہا ہے، جس شہر میں چلے جائیے نت نئے ڈیزائنوں کی بلڈنگیں جابجا نظر آئیں گی، اس معاملہ میں اس قدر اسراف ہورہا ہے جو ناقابل بیان ہے، بڑے بڑے سرمایہ دار جو دینی ضرورتوں میں چند روپیہ دیتے ہوئے بھی جھجکتے ہیں اور دسیوں حیلے بہانے بناتے ہیں وہ اپنی ذاتی تعمیرات میں بلا جھجک اور بلا ضرورت بے حساب رقم خرچ کردیتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کتنی بڑی فضول خرچی کے مرتکب ہورہے ہیں، آج کل تعمیرات میں تنوع بھی ایک مستقل فیشن بن گیا ہے، ہر مالدار یہ چاہتا ہے کہ اس کا گھر اس ڈیزائن کا بنے جیسا آج تک دنیا میں کسی نے نہ بنایا ہو، یہ سب شوخیاں اور شوبازیاں اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ ﷺ کو بالکل پسند نہیں ہیں، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جس کی رقومات کو ضائع کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے پیسہ کو مٹی گارے (تعمیرات) میں خرچ کرادیتا ہے''۔ (الزواجر ۱/۴۲۸) نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ''ضرورت

سے زائد ہر تعمیر اس کے مالک کے لئے آخرت میں وبال کا باعث بنے گی‘‘۔ (الزواجر عن ابی داؤد ۱/۴۲۸) اس لئے بلاضرورت تعمیر کوئی خوشی اور مسرت کی چیز نہیں بلکہ ایک مستقل وبال ہے جس کا اندازہ آخرت میں جا کر ہوگا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان فضولیات میں اپنی کمائی کو ضائع نہ کریں بلکہ خیر کے کاموں اور صدقات جاریہ میں زیادہ سے زیادہ رقومات صرف کریں تاکہ آخرت میں انھیں سرخ روئی نصیب ہو سکے۔

جھوٹ کی کثرت

اسی طرح آج ہر جگہ جھوٹ کا غلبہ ہے۔ کوئی کاروبار ایسا نہیں جس میں جھوٹ شامل نہ ہو، حتیٰ کہ جھوٹی قسموں اور جھوٹی گواہیوں کو معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، گویا کہ اس گناہ کی برائی دل سے نکل چکی ہے، بالخصوص عدالتوں کا سارا نظام جھوٹ کے اثرات سے پوری طرح متاثر ہے، عدالت کے احاطہ میں کرایہ لیکر جھوٹی قسمیں اور جھوٹی گواہیاں دینے والے لوگ بکثرت نظر آتے ہیں، حالاں کہ جھوٹ ایسا گناہ ہے جو اسلام کی فطرت کے خلاف ہے، پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ’’مؤمن طبعی طور پر جھوٹا نہیں ہوسکتا‘‘۔ (مسند احمد ۵/۲۵۲، الترغیب والترہیب ۳/۳۶۷) یعنی وہ شخص ہرگز کامل مؤمن نہیں کہلایا جاسکتا جو جھوٹ بولنے کو اچھا اور حلال سمجھتا ہو، اور بالخصوص اللہ کے نام کے ساتھ جھوٹی قسم کھانا یہ تو اور بدترین جرم ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ جھوٹ سے اور بالخصوص جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو بچائے، تاکہ وہ جھوٹ کے وبال سے محفوظ رہ سکے۔

ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا

اسلام میں ایک دوسرے پر لعن طعن، ہوا خیزی، بہتان تراشی اور بے عزتی سخت گناہ ہے، قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں نہایت شدت کے ساتھ ان اعمال سے منع کیا گیا ہے، لیکن یہ باتیں آج ہمارے معاشرہ میں اوپر سے لے کر نیچے تک عام ہو چکی ہیں، ہماری کوئی مجلس ایسی نہیں جاتی جسمیں دوسروں پر طنز واستہزا، چھینٹا کشی اور افتراء پردازی کی باتیں نہ ہوتی ہوں الا ماشاء اللہ،

آج لوگ اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کب موقع ملے اور کسی عزت دار کی عزت اتارلیں، بالخصوص ہمارے دینی قائدین ہروقت ہمارے نشانے پر رہتے ہیں جہاں ذراسا موقع ملافوراًان کی بے تکان کردارکشی شروع کردی جاتی ہے، آئے دن اخبارات کے کالم کے کالم ان کے خلاف بے سروپاباتوں سے سیاہ نظر آتے ہیں اور بہت سے کج ذہن لوگ اصل معاملہ کی تحقیق کئے بغیر اخبار کی جھوٹی باتوں کو''مکمل سچ''سمجھ کرلعن طعن کی تحریک میں عملاً شریک ہوجاتے ہیں،جس کا نتیجہ اپنے بڑوں اور بزرگوں سے بداعتمادی کی شکل میں نکلتا ہے، حالاں کہ ہونا یہ چاہئے کہ ہم پوری قوت کے ساتھ ایسی مذبوحی حرکتوں کی مذمت کریں، اور ایسی کسی بات میں ملوث نہ ہوں جس سے قوم وملت میں انتشار اور بے اعتمادی کی فضا قائم ہو،ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ آج ہمارے بدخواہ اپنی مطلب برآری کے لئے ہمیں مختلف خانوں میں بانٹ دینا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے لئے اخبارات میں خلاف واقعہ رپورٹیں چھپوا کرقوم میں اختلاف وانتشار پیدا کر رہے ہیں، ایسے موقع پر ہمیں اخبارات پر اعتماد کرنے کے بجائے اصل اہل معاملہ سے رجوع کرنا چاہئے ،تاکہ اس طرح کی سازشوں کوناکام بنایا جاسکے، بہرحال یہ صورت حال سخت خطرناک اور اندیشہ ناک ہے، آپس میں لعن طعن کی فضا میں قومی وملی ترقی اور سکون وعافیت ہرگز میسرنہیں آسکتا،ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

رشوت خوری کی وبا

رشوت خوری آج ہمارے معاشرہ کا ایسا رستا ہوا ناسور بن چکا ہے جس نے قوم کی اخلاقی اور انسانی قدروں کو بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے،ضرورت مندوں کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا لوگوں کوایسا چسکہ لگ گیا ہے کہ اب مفت میں خیر خواہی کا تصورتک ذہنوں سے نکلتا جارہا ہے بالخصوص حکومت اور اقتدار میں شامل افراد''وزارت'' سے لے کر''کلرکی'' تک نحوست میں لت پت ہیں، حتی کہ عدالت کے صاف شفاف پیشہ میں بھی رشوت نے دھڑلّے کے ساتھ اپنی مضبوط جگہ بنالی ہے۔ پہلے تو ذرا آنکھوں میں شرافت باقی تھی اور رشوت کا مطالبہ کرتے ہوئے کچھ حیا پائی

جاتی تھی مگراب وہ حیا کا پانی بھی رخصت ہو چکا ہے۔اب رشوتیں اس طرح طلب کی جاتی ہیں جیسے وہ رشوت نہ ہو بلکہ رشوت خور کا لازمی حق ہو جسے دیئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، جس معاشرہ میں رشوت خوری عام ہو وہاں حقداروں کی حق تلفی اور نا اہلوں کی طرف سے زبردستی حقوق پر قبضہ لازم ہے اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور ان دونوں کے درمیان دلالی کرنے والے ایجنٹ پر لعنت فرمائی ہے۔(ادب الخصاف ۸۳) مگر افسوس ہے کہ آج یہ وبا اس قدر پھیل گئی ہے کہ جو افسر رشوت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اہل غرض لوگوں کی طرف سے اسے طعنے سننے پڑتے ہیں گویا کہ جو چیز قابل تعریف ومبارک بادی تھی وہ معاشرہ کے بگاڑ کی وجہ سے موجب مذمت بن چکی ہے۔اب رشوتوں کا اثر یہ ہے کہ بڑے سے بڑے مجرم کو رشوت دیکر چھڑالیا جاتا ہے اور بڑے سے بڑے پارسا شخص کو رشوتوں کے ذریعہ مبتلائے آزمائش کردیا جاتا ہے اس لیے یہ زمانہ یقیناً سخت خطرہ کا ہے اور ہر انسان کو اپنی عزت، آبرو اور وقار کے بچاؤ کے لیے ہر وقت ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔

بدکاری کا عموم

اسی طرح آج سارے عالم میں بدکاری، فحاشی اور زنا کاری اور اس کے اسباب عام ہو چکے ہیں، آخر کون سا ملک ایسا بچا ہے جہاں باقاعدہ بازار حسن قائم نہ ہو؟ بازاروں، سڑکوں، اور چوراہوں پر صنف نازک کی نیلامی ہو رہی ہے۔اور عورت سے خیر خواہی کے خوش نما عنوان سے ہوس پرستوں نے پوری درندگی کے ساتھ نسوانیت کے تقدس کو پامال کرنے کی مہم چھیڑ رکھی ہے۔ بالخصوص الکٹرانک میڈیا (ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ وغیرہ) اور پرنٹ میڈیا (اخبارات ورسائل وغیرہ) نے تو گویا بدکاری کی تبلیغ کا بیڑا اٹھالیا ہے، آج ان اداروں کے مابین اس بات پر مقابلہ آرائی ہو رہی ہے کہ کون صنف نازک کو کس قدر برہنہ کر کے اپنے ناظرین لے لئے لذت کا سامان فراہم کرتا ہے؟ ٹیلی ویژن کا تو پوچھنا ہی کیا آج روزمرہ کے قومی اخبارات ایسی حیا سوز اور عریاں تصاویر سے بھر پور ہوتے ہیں کہ شریف آدمی انھیں دیکھنے کا بھی تحمل نہیں کرسکتا، آج شہروں کی

سڑکوں، دیواروں اور شاہراہوں پر لگے ہوئے سائن بورڈ، حیا سوز پوسٹروں سے بھرپور نظر آتے ہیں، الغرض جدھر دیکھئے بدکاری اور بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ اور عالمی طور پر منظّم انداز میں اس بے حیائی کو فروغ دیا جارہا ہے، باقاعدہ اسی موضوع پر عالمی کانفرنسیں ہوتی ہیں کہ کس طرح مرد وعورت کے مابین ناجائز تعلق کو سند جواز فراہم کی جائے، گھر گھر اور شہر شہر مانع حمل اسباب اس قدر آسانی کے ساتھ مہیا کرادئے گئے ہیں کہ بدکاروں کو ناجائز استقرار حمل کا جو خوف تھا وہ معدوم ہوکر رہ گیا ہے، اور تو اور بہت سی جگہ کالجوں میں باقاعدہ جنسی تعلیم کا نظم قائم کیا جارہا ہے۔

یہ ماحول اسلام کی نظر میں سخت خطرناک ہے، اسلام اس اباحیت کو کبھی قبول نہیں کرسکتا، وہ اپنے ماننے والوں کو حیا کی تعلیم دیتا ہے، وہ خواتین اسلام کی عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے انھیں اجنبی لوگوں سے پردہ میں رہنے کی تلقین کرتا ہے، اور اسلام کی نظر میں بے حیائی اور زناکاری بدترین قسم کا جرم ہے۔ اور اس جرم کا مرتکب سخت ترین سزا کا مستحق ہے (اسلامی حکومت میں جرم ثابت ہونے پر کنوارے زناکار کو سو کوڑے اور شادی شدہ مجرم کو سنگسار کرکے مارڈالنے کا حکم ہے) اسی لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں زناکاری اور بے حیائی کی سخت ترین الفاظ میں مذمت وارد ہوئی ہے، مثلاً آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- ''جب میری امت میں حرام اولاد کی کثرت ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے عمومی عذاب میں مبتلا فرمادے گا''۔ (مسند احمد ۶/۳۳۲)

- ''جب زناکاری کی کثرت ہوجائے تو فقر ومحتاجگی عام ہوجائے گی''۔ (فیض القدیر ۴/۱۸۲) یعنی برکتیں اٹھ جائیں گی اور ہر آدمی دوسروں کا محتاج ہوجائے گا جیسا کہ آج کل یوروپ وغیرہ کا حال ہے۔

- ''جب بھی کسی قوم میں برسر عام بے حیائی کی کثرت ہوگی، تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ پائی جاتی ہوں گی''۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۱۸)

چناں چہ آج کل ایسی لاعلاج بیماریاں (ایڈز وغیرہ) عام ہیں جن سے پوری دنیا دہشت

زدہ ہے مگر حیرت ہے کہ پھر بھی بے حیائی میں کوئی کمی نہیں آرہی ہے۔

بہر حال اس خطرناک ماحول میں ایک مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے دین وایمان کے تحفظ کی فکر لازم ہے، ہر مؤمن کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بے حیائی کے ماحول اور اس کے اسباب ووسائل سے محفوظ رکھے، اور اس بات کی بھرپور نگرانی کرے کہ اس کے گھر میں بدکاری کے اثرات تو نہیں آرہے ہیں اس کے لئے چند باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے:

(۱) گھر میں شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

(۲) گھر میں ٹیلی ویژن نہ رکھا جائے۔

(۳) فلمی رسائل اور عریاں تصاویر والے اخبارات اور ناول وغیرہ کے گھر میں داخلہ پر سخت پابندی ہو۔

(۴) سینما بینی پر سخت نکیر کی جائے اور اس کے مرتکب کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔

(۵) لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد شادی کردی جائے۔ اور شادی کے عمل کو آسان بنایا جائے کیوں کہ جس معاشرہ میں شادی آسان ہوگی وہاں بدکاری مشکل ہوگی اور جہاں شادی مشکل ہوگی وہاں بدکاری کی راہیں آسان ہوجائیں گی۔

الغرض ہمیں ہر ممکن طریقہ پر بے حیائی سے بچنے اور گھر والوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ ہم عذاب خداوندی سے بچ نہیں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے آمین۔

ضمیر فروشوں کی کثرت

ایک بڑے خطرہ کی بات یہ ہے کہ معاشرہ میں ضمیر فروشوں اور ایمان کے سوداگروں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ایسے لوگوں کی نظر میں دین کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ ان کا مطمح نظر اور منتہائے مقصود صرف اور صرف دنیا کا نفع ہوتا ہے۔ یہ لوگ دین دے کر دنیا تو خرید لیں گے مگر

دنیا دے کر دین کا نفع حاصل کرلیں یہ ان سے نہیں ہو سکے گا۔ مسلم معاشرہ میں ایسے لوگوں کی کثرت بہر حال خطرناک اور افسوس ناک ہے اس لئے کہ اسلام کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسلام کو ایسے ضمیر فروشوں سے جتنا نقصان پہنچا ہے اتنا بڑے بڑے خارجی دشمنوں سے بھی نہیں پہونچا، یہ لوگ ہمیشہ غیر مسلموں سے مرعوب رہتے ہیں اور ہر معاملے میں انہی کی زبان میں بات کرتے ہیں، اور اہل دین کے ساتھ ان کا رویہ طنز واستہزاء اور حقارت کا ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ مسلم معاشرہ کے لئے رستے ہوئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کا وجود نا مسعود اسلام کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ معاشرہ میں پائے جانے والے ایسے افراد کی حوصلہ شکنی کی جائے اور ہمیشہ ان سے محتاط رہا جائے۔ کیوں کہ جو شخص دنیا کے بدلے میں آخرت کو بیچ دے اس سے کسی خیر کی امید نہیں رکھی جاسکتی، اللہ تعالیٰ امت کو ایسے ضمیر فروشوں سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

بچاؤ کیسے ہو؟

مذکورہ واقعی خطرات کے رہتے ہوئے زندگی کیسے گذاریں؟ اور ان خطرات سے اپنے کو بچانے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کریں؟ اس بارے میں صحابیٔ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت مبارکہ سے حاصل کردہ فراست ایمانی کی روشنی میں درج ذیل تین باتوں کی طرف رہنمائی فرمائی:

(۱) **خانہ نشین ہوجائیں** :- یعنی بے ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں، فضول مجلسوں میں شرکت نہ کریں، کسی کے معاملات میں خواہ مخواہ دخیل نہ ہوں، کسی جھگڑے میں فریق نہ بنیں وغیرہ، اس طریقہ سے آدمی ہزار فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۲) **اپنی زبان قابو میں رکھیں** :- یعنی کسی کے بارے میں غلط جملہ نہ نکالیں، کسی کی غیبت نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، کسی پر بہتان نہ باندھیں وغیرہ، مشہور ہے کہ ''دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں''، یعنی ایسی باتیں پوشیدہ نہیں رہتیں، کسی نہ کسی ذریعہ سے دوسرے تک پہونچ جاتی

ہیں اور پھر یہی بات فتنے کی بنیاد بن جاتی ہے۔اس لئے زبان کو محتاط رکھیں۔

(۳) **اپنا ہاتھ سنبھال کر رکھیں** :- یعنی کسی پر ظلم نہ کریں، ظالم کا ساتھ نہ دیں، کسی کی حق تلفی نہ کریں وغیرہ۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم مذکورہ ہدایات پر عمل کریں گے تو انشاءاللہ کافی حد تک خطرات سے بچ جائیں گے اور عافیت کے ساتھ اپنی زندگی کے ایام پورے کر کے بارگاہ ایزدی میں سرخ روئی کے ساتھ حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرلیں گے، اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ہر قسم کے شرور و فتن اور خطرات سے مرتے دم تک مکمل حفاظت فرمائے۔آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۳ء)

○○

آخری وصیت

سیدنا حضرت ابوعبیدہ (عامر بن عبداللہ) بن الجراح رضی اللہ عنہ اپنی امانت و دیانت کے اعتبار سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امتیازی مقام رکھتے ہیں، آپ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْناً وَ اِنَّ اَمِیْنَنَا اَیَّتُھَا الْاُمَّۃِ اَبُوْ عُبَیْدَۃُ بْنُ الْجَرَّاحِ. (بخاری شریف ۱/۵۳۰) یعنی ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اے لوگو! ہماری امت کے ممتاز ترین امین شخص حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی اس امانت و دیانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل ارشاد فرمایا تھا کہ ''اگر آج ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انھیں اپنی جگہ خلیفہ بنا کر جاتا، اور اگر میرا رب مجھ سے اس بارے میں پوچھتا تو عرض کر دیتا کہ میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں جو اللہ اور اس کے رسول دونوں کا امین ہے۔ (رجال حول الرسول/۱۹۰)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات وبائی طاعون میں ہوئی جب کہ آپ اردن کے علاقہ میں دینی، دعوتی اور جہادی سرگرمیوں میں مشغول تھے، جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سب ساتھیوں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے وصیت کے طور پر چند باتیں پیش کیں، یہ باتیں اس قدر قیمتی اور اہم ہیں کہ ہر مسلمان کو ہر وقت انھیں یاد رکھنا چاہئے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہیں ایک وصیت کر رہا ہوں اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو تم ہمیشہ خیر و عافیت سے رہو گے، وہ وصیت یہ ہے:

(۱) نماز قائم رکھنا۔ (۲) زکوٰۃ دیتے رہنا۔ (۳) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (۴) صدقہ خیرات کرتے رہنا۔ (۵) حج کا اہتمام رکھنا۔ (۶) حسب موقع عمرے کرتے رہنا۔

(۷)اور ایک دوسرے کو نیک اعمال کی ترغیب و تاکید کرتے رہنا۔(۸)اور اپنے امراء و ذمہ داران کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا اور ان کے ساتھ دھوکے بازی اور خیانت کا معاملہ مت کرنا۔ (۹)اور دنیا تمہیں غفلت میں نہ ڈالے کیوں کہ اگر کسی شخص کو ایک ہزار سال کی عمر بھی مل جائے پھر بھی اسے اس جگہ جانے سے مفر نہیں جہاں آج تم مجھے دیکھ رہے ہو (یعنی موت سے چھٹکارا نہیں ہے، اس مرحلہ سے تو بہر حال گذرنا پڑے گا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم پر موت مقرر کردی ہے۔لہٰذا وہ تو مر کر رہیں گے۔(۱۰)انسانوں میں سب سے عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے رب کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے اعمال کرنے والا ہو، **والسلام علیکم ورحمة الله**''۔(موسوعة آثار الصحابة ۳/۳۱)

یہ نصیحتیں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، ان میں دین کی تمام ضروری باتیں جمع کردی گئی ہیں، بالخصوص آخرت کی فکر اور موت کی یاد اور مرنے کے بعد کی زندگی کے بارے میں جو توجہ دلائی گئی ہے وہ نہایت اہم ہے، ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی خرابی کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی آخرت سے غافل ہو جائے اور دنیا کی لذتوں میں بدمست ہوکر موت کو بھول جائے، افسوس ہے کہ آج عقل مند اسے کہا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں طاق ہو، سیاست میں ماہر ہو، چرب زبانی میں یکتا ہو، وغیرہ وغیرہ، لیکن نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے فیض یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں محض ذہانت کا نام عقلمندی نہیں ہے بلکہ عقل مند صرف اور صرف وہی شخص کہلایا جاسکتا ہے جو اپنے خدا اور خالق و مالک کو سب سے زیادہ خوش رکھنے والا ہو، اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے دن رات محنت کرنے والا ہو، اگر یہ جذبات آدمی میں نہ ہوں تو پھر وہ ہرگز عقل مند نہیں ہے بلکہ پرلے درجہ کا احمق اور بیوقوف ہے اور اسے اپنی حماقت کا احساس مرنے کے بعد خود بخود ہو جائے گا، مگر اس وقت اس احساس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لئے ابھی سے احساس کرنے اور سفر آخرت سے قبل ہی اس کے لئے تیاری کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ کے نزدیک ہمارا شمار اس کے نیک بندوں میں ہو، اور دنیا کی زندگی ہمارے لئے وبال نہ بنے بلکہ رحمت خداوندی کے حصول کا ذریعہ بن جائے۔

نبیؐ اکرم ﷺ کے فیض صحبت سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم فکر آخرت کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے، اوران کے رگ وریشے میں آخرت کی کامیابی اوراس کے حصول کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے جذبات موجزن تھے، گویا کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ آخرت کی تیاری کے لئے وقف تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کا خلوص ساری امت سے بڑھا ہوا تھا، اگر ہمیں بھی کامیابی چاہئے تو اپنے اندر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے مخلصانہ جذبات پیدا کرنے کی کوشش کرنی ہوگی، کیوں کہ ہمارے جذبات میں فکر آخرت کے بغیر خلوص پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔

اس لئے قدم قدم پر انسان کو اپنی موت اور موت کے بعد کے حالات یاد رکھنے چاہئیں، خلوص کے حصول کے لئے یہی کارگر نسخہ ہے۔اللہ تعالیٰ امت کے ہر فرد کو فکر آخرت، خلوص قلب اور اپنی رضائے دائمی سے سرفراز فرمائے۔آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۳ء)

○○

نبی اکرم ﷺ
امت کو کس حال میں دیکھنا چاہتے ہیں؟

سیدنا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ایک امتیازی مقام ہے، آپ کو خود زبان رسالت مآب ﷺ کی طرف سے اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ. (اس امت کے امانت دار) کا لقب عطا ہوا ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری وفات کے وقت تک ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ رہے تو وہی خلافت کے مستحق ہوں گے، اور اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس بارے میں سوال فرمائیں گے تو میں جواب دوں گا کہ میں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے سن رکھا تھا کہ ''ہر امت میں ایک امین شخص ہوتا ہے اور اس امت کے امین شخص حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں'' (اس لئے میں نے خلافت کا بار امانت ان کے حوالے کیا ہے)۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/۵)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، تمام اہم غزوات میں شریک رہے، غزوۂ احد میں جب جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور میں کفار کے حملہ کی وجہ سے خود کی تیلیاں پیوست ہوگئی تھیں تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے انھیں کھینچ کر نکالا جس سے آپ ﷺ کے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، لیکن یہ پیغمبر علیہ السلام کی برکت تھی کہ اگلے دانت ٹوٹنے کے باوجود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پرکشش چہرے میں کوئی نقص نہیں آیا بلکہ کشش میں اور اضافہ ہوگیا،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے سوال کیا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام کو صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے کس سے سب سے زیادہ محبت تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا کہ شیخین (سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے سب سے زیادہ تعلق تھا، آپ نہایت حلیم وبردبار اور زاہد فی الدنیا بزرگ تھے، اور ساتھ میں اعلیٰ درجہ کے مجاہد اور سپہ سالار بھی تھے، دور فاروقی میں شام کے علاقہ میں بڑے بڑے معرکے سر کرنے کا سہرا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے، جن کی قیادت میں اسلامی فوج نے زبردست فتوحات حاصل کیں اور پورے مشرق وسطی میں اسلام کا پھریرا لہرانے لگا۔

انہی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن انہیں اس حال میں دیکھا گیا کہ زار زار روئے چلے جارہے ہیں، حاضرین میں سے کسی نے رونے کی وجہ پوچھی، تو فرمانے لگے کہ مجھے اس بات پر رونا آرہا ہے کہ ایک دن ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فتوحات کا ذکر فرمایا حتی کہ ملک شام کی فتح کا بھی تذکرہ فرمایا، اور پھر مجھ سے یہ کہا: ''ابوعبیدہ! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز فرمائے تو تمہارے لئے بس تین خادم کافی ہیں، ایک جو تمہاری خدمت کرے، دوسرے وہ جو تمہارے ساتھ سفر میں رہے، تیسرے وہ جو تمہارے گھر والوں کی خدمت کیا کرے، اور تمہارے لئے سواری کے تین جانور کافی ہیں، ایک تمہاری اپنی ضرورت کے لئے، ایک تمہارے سامان کو اٹھانے کے لئے اور ایک تمہارے خادم کی سواری کے لئے، لیکن اس کے برخلاف آج جب میں اپنا گھر دیکھتا ہوں تو وہ ملازموں سے بھرا پڑا ہے اور اپنا اصطبل دیکھتا ہوں تو وہ جانوروں سے پُر ہے تو اس حالت میں اپنے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

إِنَّ اَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ مَنْ لَقِيَنِيْ عَلٰى مِثْلِ الْحَالِ الَّذِيْ فَارَقْتُكُمْ عَلَيْهَا. (سیر اعلام النبلاء ۹/۱)

تم میں مجھ کو سب سے زیادہ پسند، اور مجھ سے سب سے قرب رکھنے والا شخص وہ ہے جو مجھ سے آخرت میں اُسی حال میں ملے جس حال میں

میں تم کو چھوڑ کر آیا ہوں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو محض چند غلاموں اور جانوروں کی زیادتی پر اس کا فکر ہے کہ کل کو اپنے آقا کو کیا منہ دکھاؤنگا؟ لیکن آج امت کا بڑا طبقہ اس فکر سے بالکل غافل پڑا ہوا ہے، افسر ناراض نہ ہو، اس کا فکر ہے، برادری کا چودھری ناراض نہ رہے اس کے لئے تگ ودو ہے، پارٹی کا لیڈر ناخوش نہ رہے اس کے لئے نہ جانے کیا کیا پاپڑ بیلے جا رہے ہیں اور خوشامدیں کی جاری ہیں، مگر یہ کسی کو پروانہیں کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ اور اس کے رسول سے شریعت پر مرنے جینے کا ایک عہد کر رکھا ہے، مگر اس عہد کی آخر ہم کس قدر پاسداری کر رہے ہیں! زبان سے محبت کا اظہار بہت ہے گلے پھاڑ پھاڑ کر اور زبان سے جھاگ نکال نکال کر محبت رسول کے دعوے ضرور کئے جاتے ہیں، بلکہ اب تو محبت کا معیار ہی اس کو بنا لیا گیا ہے کہ سڑک پر نکل کر شور شرابہ کریں۔ اور ڈھول تاشے کی تھاپوں پر تھرک کر اظہار محبت کریں مگر اس کی کسی کو فکر نہیں کہ ہماری زندگی سنت سے ہم آہنگ ہے یا خلاف؟ اور ہمارے اعمال شریعت محمدی کے موافق ہیں یا مخالف؟ آج امت میں بگاڑ کا سب سے بڑا سبب دین کے بارے میں یہی بے حسی ہے جو ہر سطح پر روز افزوں ہے، اگر اس بے حسی کو دور نہ کیا گیا تو امت میں دینی انقلاب کا تصور بھی محال ہے۔

افسوس ہے کہ آج ہماری اکثریت کا حال تو یہ ہے کہ وہ ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے دین پر کما حقہٗ عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتی دوسری طرف جو لوگ پڑھے لکھے کہلاتے ہیں ان کی بڑی تعداد ایسی ہے جنھوں نے اپنی محنتوں اور ذہنی و عملی صلاحیتوں کا سارا زور صرف اور صرف دنیوی ترقی پر لگا رکھا ہے۔ ان کی تقریروں، تحریروں اور نجی مجالس کے تبصروں کی ساری تان یہیں آکر ٹوٹتی ہے کہ قوم کو معاشیات کی مضبوطی پر توجہ دینی چاہئے، خواہ دینی شعور باقی رہے یا نہ رہے، زندگی میں دین کی جھلک دکھائی دے یا نہ دے، انھیں تو بس کمائی اور معاش کے حصول کی فکر ہے، اس سے آگے محنت اور فکر کی وہ ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ سیدنا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی

جس تاکیدی وصیت کا ذکر فرمایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے ہر مسلمان اپنے اندر دورِ نبوت کے معاشرہ کی صفات پیدا کرے، اور جو شخص جتنا زیادہ ان صفات سے متصف ہونے میں کامیاب ہو جائے گا اتنا زیادہ آخرت میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے قرب کی سعادت سے بہرہ ور ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی کامیابی کے لئے نمونہ اور آئیڈیل اندھیرے مستقبل میں نہیں بلکہ روشن ماضی کے صفحات میں نقش ہے، نبیٔ اکرم ﷺ اپنی امت کو اخلاقی و دینی اعتبار سے اُسی حال میں اخیر تک دیکھنا چاہتے ہیں جس حال میں آپ ﷺ نے انھیں چھوڑ کر دنیا سے پردہ فرمایا تھا، یہ حال کس طرح کا تھا وہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں نقش ہے کہ امت میں نمازیوں کی تعداد سو فیصد تھی، حتی کہ جماعت کا اہتمام بھی اتنا زیادہ تھا کہ اگر کوئی شخص بلا شرعی عذر کے جماعت کا تارک ہوتا تو اس پر نفاق کا لیبل لگ جاتا تھا، جب عفت مآبی اور پاک بازی عام تھی، جب مواسات اور خیر خواہی کا دور دورہ تھا، جب ہر شخص خیر کے کاموں سے محبت اور گناہ کی باتوں سے نفرت رکھتا تھا، جب اسلام کی چاشنی نے بڑے بڑے قبائل کو جو صدیوں سے باہم دست و گریباں تھے ایک دوسرے کا حمایتی اور معاون بلکہ شیر و شکر بنا دیا تھا، الغرض اس معاشرہ میں ہر سطح پر خیر ہی خیر تھی، اس کے مقابلہ میں آج ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمارا ماحول پیغمبر علیہ السلام کے چھوڑے ہوئے ماحول سے آخر کس قدر بدل گیا ہے؟ آج روز بروز دینی انحطاط بڑھتا چلا جا رہا ہے، مسجدیں خالی ہیں، فواحش کی کثرت ہے، حلال حرام کی تمیز ختم ہوتی جا رہی ہے، حق تلفیوں اور مظالم کا دور دورہ ہے وغیرہ وغیرہ، تو اس ڈھرّے کو بدلنے کے لئے ہر مسلمان کو فکر مند ہونا ضروری ہے، ظاہر ہے کہ ہر مؤمن کی یہ دلی تمنا ہے کہ اسے آخرت میں پیغمبر علیہ السلام کی نظرِ کرم اور قرب کی سعادت ملے تو اس تمنا کی تکمیل محض زبانی جمع خرچ سے نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے جو شرط ہے اسے پورا کرنا ہوگا اور وہ شرط صرف ایک ہے کہ ہم اپنے کو اس معاشرہ کی صفات میں ڈھال لیں جسے نمونہ کے طور پر جناب رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں، ان صفات کے ساتھ جب دنیوی ترقی کے منصوبے بروئے کار لائے

جائیں گے تو پھر ہر طرف اسلام کا پرچم اسی طرح بلند ہوگا جیسے دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بلند ہوا تھا، اور اگر یہ صفات افراد میں پیدا نہ ہوں تو کوئی بھی مادی طاقت یا معاشی مضبوطی ہمیں نہ عزت دلا سکتی ہے اور نہ مستقبل میں دلا سکے گی، اس لئے اس نکتہ کو دل میں بٹھانا ضروری ہے، اور مادی ترقی کے ساتھ دینی اخلاقی تربیت اور روحانیت کی اشاعت پر بھرپور توجہ دینا ناگزیر ہے، اس کے بغیر ترقی اور غلبہ کا خواب محض سراب ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی فکر سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ندائے شاہی مئی ۲۰۰۴ء)

○○

اسلام کی انسانیت نوازی

○

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، اما بعد !

آج پوری دنیا میں مغربی ذرائع ابلاغ اور ملک کی فرقہ پرست طاقتیں منظّم طور پر اسلام کوایک انسانیت سوز مذہب کی صورت میں متعارف کرانے کی مہم پورے زور وشور سے چلا رہی ہیں۔اور چندافراد کونشانہ بنا کر پورے مذہب اسلام کو بدنام کرنے کی تحریک شدت سے جاری ہے۔اسی ضمن میں ایک خاص شرارت آمیز اصطلاح ''اسلامی دہشت گردی'' کے نام سے گڑھ لی گئی ہےاور مغربی مفادات کے خلاف چلائی جانے والی ہرتحریک پر مسلم شدت پسندی یا اسلامی دہشت گردی کا لیبل چسپاں کردیا گیاہےاوراسلام کی تصویراس انداز میں پیش کی جارہی ہے گویا کہ یہ مذہب ہی دہشت گردی کا مبلغ اور انسانیت سوز حرکات کی تلقین کرنے والا ہو۔اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے اُن واضح نقوش کودنیا کے سامنےاجاگر کیا جائے جن میں تمام عالم میں انسانیت نوازی، امن وامان، عدل وانصاف، کمزوروں کی حمایت اور بے سہاروں کی اعانت جیسی ہدایتیں دی گئی ہیں۔اورضروری ہے کہ ہم اسلام کا آفاقی اورنظری پیغام دنیائے انسانیت تک پہنچائیں اور اس عظیم اوروسیع الشان مذہب پرزبان درازی کرنے والوں کی زبانوں کولگام دینے کے لئےعلمی اورعملی طورپرتیار رہوں۔

اس مختصر رسالہ میں اسلام کی شاندارتعلیمات کی محض چند جھلکیاں پیش کرکے ان کا

موازنہ مغربی نظام زندگی سے کیا گیا ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکے گا کہ کس طرح اسلام کی تعلیمات فطرت انسانی کے عین مطابق اور اس سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے انسانی اقدار کا جس قدر لحاظ رکھا ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔

تاہم ساتھ میں اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی ان اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کو ہم اپنی زندگی میں داخل کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں اور اپنی کسی بدعملی اور کوتاہی سے اپنے مذہب کو بدنام نہ ہونے دیں، جب تک ہم خود اسلام کو سینے سے نہیں لگائیں گے، اس وقت تک ہم اسلام کا مناسب دفاع کرنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق عطا فرمائے، اور اسلامی تعلیمات کو اپنانے کی سعادت سے نوازے۔ آمین۔

○○

اسلام میں انسان کا مقام

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں انسان کو سب سے زیادہ شرافت اور عظمت حاصل ہے، صورت و سیرت، استعداد اور صلاحیت اور کمال علم و فضل میں انسان تمام مخلوقات پر فضیلت اور امتیاز رکھتا ہے انسان کی حسنِ تخلیق بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں بطور تاکید چار قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا گیا :

وَالتِّيْنِ. وَالزَّيْتُوْنِ. وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ. وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ. لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ.

(سورۂ والتین ١-٤)

قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سنین کی اور اس امن والے شہر کی، ہم نے آدمی کو بہترین اندازے پر بنایا ہے۔

انسان اپنے اعضاء کے اعتبار سے سب سے متناسب جسم رکھنے والا ہے مثلاً دو پیروں پر بے تکلف کھڑے ہو کر ادب اور وقار سے اپنے ہاتھوں سے کھاتا اور پیتا ہے جب کہ دیگر چوپائے براہِ راست منہ سے چرتے اور کھاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی ایسی صلاحیت ملی ہے جو اس انداز سے کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ ایک موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا. (سورة بنی اسرائیل ٧٠)

اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں، اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے۔ اور بڑھا دیا ہم نے ان کو بہتوں پر جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

نعمتوں کا فیضان

انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام اشیاء کو انسان کا بیگاری خادم بنا دیا۔ انسان، اللہ کی مخلوقات سے جب چاہے جتنا چاہے فائدہ اٹھائے اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں۔ وہ مخلوقات انسان سے خود کچھ مطالبہ نہیں کرتیں ہاں ان کا مالک اگر دوسرے انسان سے وصول کرلے تو الگ بات ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا. (البقرہ ۲۹)

وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب۔

اور سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ، وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ، وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ، اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً، وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.

(النحل ۵–۸)

اور چوپائے بنادئے تمہارے واسطے، ان میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے۔ اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے (کچھ کو جو کھانے کے قابل ہیں، انھیں) تم کھاتے ہو۔ اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ شام کے وقت گھر لاتے ہو اور صبح کے وقت چرانے لے جاتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جان کو مشقت میں ڈالے نہیں پہنچ سکتے۔ واقعی تمہارا رب بڑی شفقت و رحمت والا ہے۔ اور (تمہارے لئے) گھوڑے اور خچر بھی پیدا کئے تا کہ ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی اور وہ ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔

قرآن کا موقف یہ ہے کہ انسان کو اپنے محسن خالق ومالک کے احسانات ہر وقت یاد رکھنے چاہئیں اس لئے کہ جب انسان اپنے محسن کو یاد رکھے گا تو خود بخود اس کے اندر احسان کا بدلہ دینے کا جذبہ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے وہ منعم کی طرف سے مزید نعمتوں کا مستحق ہوجائے گا، اس اعتبار سے اللہ کی نعمتوں کی تذکیر بجائے خود انسانیت کی عزت وتوقیر کا ذریعہ ہے۔قرآن کریم نے انسان کو اس کا وظیفہ اور ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِ نْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (سورۂ الذاریات ۵۶)

اور میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اللہ کی عبادت کا حکم

جب انسان اللہ کا بندہ ٹھہرا تو اس کی عزت صرف اور صرف اسی میں ہے کہ وہ اپنے آقا کو ہمیشہ راضی رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے رب کی شان میں کسی قسم کی نامناسب بات روا نہ رکھے اور رب کی شان میں سب سے بڑی ناگوار بات یہ ہے کہ اس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک اور ساجھی مانا جائے۔ یہ شرکیہ عقیدہ اور عمل، تقاضائے انسانیت کے قطعاً خلاف ہے اسی بناپر اسلام پوری قوت کے ساتھ انسانوں کو وحدانیت کی دعوت دیتا ہے کیوں کہ یہی وحدانیت کا عقیدہ قرآن کی نظر میں انسان کی انسانیت باقی رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جو شخص انسان ہوکر وحدانیت کا عقیدہ نہ رکھے اس کا حال قرآن کی نظر میں جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ایک آیت میں ارشاد فرمایا گیا :

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الغٰفِلُوْنَ. (الاعراف ۱۷۹)

اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی، ان کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ ہیں غافل۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے منعم ہی کو بھلا بیٹھے اور شرک کر کے اس کی توہین کا مرتکب ہو وہ یقیناً اپنی انسانیت کو داغدار کرنے والا ہے، جو مذاہب شرک میں مبتلا ہیں اور پھر وہ انسانیت نوازی کا دعوی کرتے ہیں تو ان کا دعوی قطعاً قابلِ قبول نہیں ہوسکتا اس لئے کہ انسانیت نوازی کا سب سے بڑا مظہر، عقیدۂ وحدانیت ہے۔

انسانیت کے احترام کا حکم

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اپنی عبادت کی تلقین کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ انسانوں کو ایک دوسرے کے احترام اور ان کے واجبی حقوق کی ادائیگی کی تلقین کی ہے، بالخصوص اسلام میں رشتوں، ناطوں کی رعایت، پڑوسیوں، یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَ الْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا. (النساء ۳٦)

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب، اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ، اور غلام باندیوں کے ساتھ، بے شک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا۔

مذکورہ آیت میں جن لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے۔ اور ان کے متعلق احادیث طیبہ میں مفصل ہدایات دی گئی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا بنیادی مشن

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن اور نصب العین دنیا میں انسانی قدروں کا تحفظ کرنا تھا جو آپ سے پہلے پامال اور برباد کی جا چکی تھیں۔ آپ ﷺ کا مشن کیا

تھا؟اس بارے میں کچھ روشنی اس واقعہ سے پڑتی ہے کہ جب مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعض جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ معظّمہ سے ترک وطن کر کے حبشہ چلے گئے، تو مشرکین نے انھیں وہاں سے واپس لانے کے لئے اپنا ایک سفارتی وفد بھیجا جس نے شاہ حبشہ ''اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ'' سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ مسلمانوں کو حبشہ سے ملک بدر کر دیں۔ اس موقع پر نجاشی رضی اللہ عنہ نے تحقیق حال کے لئے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا، صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شاہ سے گفتگو کے لئے نمائندہ بنایا گیا۔ مسلمانوں کے وفد سے نجاشی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تم لوگوں نے اپنا دین آخر کیوں تبدیل کیا؟ اور اگر تبدیل کیا تھا تو یہودی یا نصرانی کے بجائے محمد ﷺ کو اپنا رہنما کیوں بنایا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نہایت قوت اور جسارت سے فرمایا کہ :

اَیُّھَا الْمَلِكُ کُنَّا قَوْمًا عَلٰی الشِّرْكِ نَعْبُدُ الْاَوْثَانَ وَ نَأکُلُ الْمَیْتَةَ وَ نُسِیْئُی الْجِوَارَ یَسْتَحِلُّ الْمَحَارِمَ بَعْضُنَا مِنْ بَعْضٍ فِی سَفْكِ الدِّمَاءِ وَغَیْرِھَا. لَا نَحِلُّ شَیْئًا وَلَانُحَرِّمُهٗ فَبَعَثَ اللّٰهُ اِلَیْنَا نَبِیًّا مِنْ اَنْفُسِنَا نَعْرِفُ وَفَاءَهٗ وَصِدْقَهٗ وَاَمَانَتَهٗ الخ ... وفی روایة : فَدَعَانَا اِلَی اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهٗ وَنَعْبُدَهٗ وَنَخلَعُ مَا کُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاءُ نَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْاَوْثَانِ وَاَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِیْثِ، وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ، وَ صِلَةِ

جناب بادشاہ! (بات یہ ہے کہ) ہم لوگ شرک پر جمے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردار کھایا کرتے تھے، اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے اور ہم لوگ حرام کاموں مثلاً قتل و غارت گری (وغیرہ) کو حلال سمجھتے تھے۔ ہمارے اندر سے حلال و حرام کا تصور مٹ چکا تھا۔ (ان سنگین اخلاقی حالات میں) اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے ہی قبیلہ میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا جس کی وفاداری، سچائی اور امانت و دیانت سے ہم واقف ہیں۔ چناں چہ انہوں نے ہمیں اللہ رب العالمین کی طرف آنے کی دعوت دی تا کہ ہم اللہ کی وحدانیت پر یقین کریں اور اسی کی عبادت کیا کریں۔ اور ہم اللہ کو چھوڑ کر ان پتھروں اور بتوں

الْاَرْحَامِ، وَحُسْنِ الْجِوَارِ، وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ، وَالدِّمَاءِ وَ نَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّوْرِ، وَاَكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَاَمَرَنَا اَنْ نَعْبُدُ اللّٰه وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا، وَاَمَرَنَا بِالصَّلوٰةِ وَالزَّكوٰةِ وَالصِّيَامِ.

(البداية والنهاية ۳/ ۸۰-۸۱)

کی پوجا بند کردیں جن کو پہلے ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوجا کرتے تھے۔ اور اس نبی نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، پڑوسیوں پر احسان کرنے اور حرام کاموں اور قتل وقتال سے بچنے کا حکم دیا، اور ہمیں بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ہڑپنے اور پاکباز عورتوں پر بدی کی تہمت لگانے سے منع فرمایا، اور ہمیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے اور نماز، زکوۃ اور روزے کا حکم فرمایا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زبان سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف کے سلسلہ میں صادر ہونے والے یہ کلمات نہایت جامع ہیں جن کی روشنی میں بآسانی انسانیت نوازی کے سلسلے میں اسلامی منشور تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ماں باپ کا احترام

اسلام نے انسانیت کے احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے خالق و مالک رب العالمین کے حق کے بعد سب سے بڑا اور اونچا مرتبہ والدین کا متعین کیا ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ رشتہ انتہائی اہم اور قابل عظمت ہے۔ قرآن میں جا بجا والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے :

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا

اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ عبادت کرو اس کے سوائے۔ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور اگر پہنچ جائیں بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ''ہوں'' اور نہ جھڑک ان کو،

وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا. (بنی اسرائیل ۲۳-۲۴)

اور کہہ بات ان سے ادب کی، اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کے نیاز مندی سے، اور کہہ اے رب! ان پر رحم کر جیسا پالا انھوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔

والدین کے حقوق کے بارے میں جناب رسول اکرم ﷺ نے بھی اہم ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، چند احادیث طیبہ ذیل میں درج ہیں:

(۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہاری جنت یا جہنم ہیں (یعنی اگر ان کو خوش رکھو گے تو جنت کے مستحق ہو گے اور اگر ناراض کرو گے تو جہنم کے مستحق ہو گے)۔ (ابن ماجہ ۲/۲۶۰ الترغیب والترہیب ۳/۲۱۶)

(۲) حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اور اس کی روزی میں زیادتی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور رشتہ داری کا خیال رکھے۔
(مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۷۴۵، الترغیب والترہیب ۳/۲۱۷)

(۳) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے گی۔ (الترغیب ۳/۲۱۸)

(۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے دور میں میری والدہ مشرکہ اور کافرہ ہونے کی حالت میں میرے پاس آئیں۔ چناں چہ میں نے آنحضرت ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور وہ مجھ سے احسان کی طالب ہیں کیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ (یعنی کیا مشرکہ ہونے کے باوجود ان کا تعاون کرنا چاہئے؟) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اپنی ماں کے ساتھ حسنِ سلوک بجالاؤ۔ (بخاری شریف ۲/۸۸۴، حدیث ۵۷۴۵)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کی رضامندی والد کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے''۔
(ترمذی شریف کتاب البر۲/۱۲)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کی ناک رگڑی جائے، اس کی ناک رگڑی جائے، پھر اس کی ناک رگڑی جائے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! کس کی''؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''اس شخص کی جو بڑھاپے میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پائے اور پھر (ان کی خدمت کر کے اور ان کو خوش کر کے) اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنالے''۔(مسلم شریف۲/۳۱۴)

(۷) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہر گناہ کی سزا اللہ تعالی اپنی مشیت سے قیامت تک مؤخر فرما دیتا ہے مگر والدین کی نافرمانی اور ان کو ستانا ایسا گناہ ہے جس کی سزا اللہ تعالی اس شخص کے مرنے سے پہلے دنیا میں ہی دیدیتا ہے''۔(الترغیب والترہیب)

دیکھئے! کس حد تک والدین کے احترام کی تلقین کی گئی ہے۔اس کے برعکس آج کے مغربی معاشرہ میں بڑھاپے کی حالت میں والدین کی جو درگت بنائی جاتی ہے وہ نہایت قابلِ رحم اور انسانیت سوز ہے۔آج مغربی ممالک میں جابجا ''بوڑھوں کے گھر'' بنا دیئے گئے ہیں جہاں حقوق انسانی کے تحفظ کے نام نہاد دعوے دار، روشن خیال لوگ اپنے بوڑھے ماں باپ کو(جب وہ اولاد کی خدمت اور نگرانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں) بوڑھوں کے گھر کے اجنبی ملازمین کے حوالے کر کے بےفکر ہو جاتے ہیں یہ مہذب دنیا کی انسانیت کشی کی مکروہ تصویریں اور مناظر ہیں جو آج مغرب میں جگہ جگہ بے کس اور لاچار بوڑھے مردوں اور عورتوں کی شکل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔آج یہی انسانیت کش معاشرہ اسلام کی مقدس سراپا انسانیت نواز تعلیمات سے صرفِ نظر کر کے الٹا اسے بدنام کرنے پر تلا ہوا ہے۔حالاں کہ اگر یہ معاشرہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے تو یہ نئی تہذیب جابجا انسانی اقدار کو پیروں تلے روندتی ہوئی نظر آئے گی۔العیاذ باللہ منہ۔

رشتے داری کا خیال

اسلام کی انسانی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے اعزاء واقرباء اور رشتے داروں کے ساتھ بہترین برتاؤ کرے اور حتی الامکان ان کی خبر گیری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے حتیٰ کہ اگر کوئی رشتے دار کسی وجہ سے ناراض بھی ہو پھر بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا انتہائی باعثِ اجر وثواب ہے اس لئے کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ دنیا میں امن وامان کے قیام اور فتنہ وفساد سے حفاظت کے لئے سب سے پہلے گھر گھر اور خاندان خاندان میں اتفاق واتحاد اور ایک دوسرے پر اعتماد کا وجود لازم ہے اگر گھر اور قبیلے سے امن کی فضا نہیں بنے گی تو پھر یہ دنیا فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن جائے گی اس لئے اسلام نے نہایت ہی تاکید سے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی تلقین فرمائی ہے جو لوگ صلہ رحمی کا خیال کرتے ہیں ان کی تعریف کی گئی ہے۔ اور جو قطع رحمی کے مرتکب ہیں ان کی مذمت بیان ہوئی ہے قرآن کریم میں صلہ رحمی کرنے والوں کی تعریف میں فرمایا گیا :

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ. (سورۂ رعد ۲۱)	اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کو اللہ نے ملانے کو فرمایا ہے۔ اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا۔

آگے ایسے لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ جب کہ ان کے برخلاف رشتہ داریوں کو قطع کرنے والے لوگوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے انہیں جہنم کی وعید اس طرح سنائی گئی ہے :

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ، اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ. (الرعد ۲۵)	اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں عہد اللہ کا مضبوط کرنے کے بعد، اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ ان کے واسطے ہے لعنت اور ان کے لئے ہے برا گھر۔

نیز احادیث طیبہ میں بھی صلہ رحمی کی انتہائی تاکید وارد ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے تو اسے چاہئے کہ رشتہ داریوں کو جوڑ کر رکھے۔ (بخاری شریف ۲/ ۸۸۵ حدیث : ۵۷۵۱، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۲۷)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ رشتہ داری عرش خداوندی پکڑے ہوئے (قیامت میں) کہے گی کہ جو مجھے جوڑے گا اللہ اسے جوڑے گا۔ (اللہ اس پر رحم و کرم فرمائے گا) اور جو شخص مجھے کاٹے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے کاٹ کر رکھ دے گا۔ (بخاری شریف ۲/ ۸۸۶، مسلم شریف ۲/ ۳۱۵، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۲۹)

(۳) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے سے بغض رکھنے والے رشتہ دار پر صدقہ کرے''۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۱)

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں دنیا اور آخرت کے سب سے بہترین اخلاق پر رہنمائی نہ کروں؟ وہ یہ ہے کہ تم اپنے سے رشتہ داری کاٹنے والے کے ساتھ جوڑ کا معاملہ کرو، اور جو تمہیں محروم کرے اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو۔ (الترغیب والترہیب ۳/۲۳۲)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ نیکیوں میں سب سے جلدی ثواب صلہ رحمی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ملتا ہے اور برائیوں میں سب سے جلدی سزا بغاوت اور قطع رحمی کی ملتی ہے۔ (ابن ماجہ/۳۲۰، الترغیب والترہیب ۳/۲۳۲)

یہ ہے رشتہ داری کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ! اس کے برخلاف آج دنیا میں روز بروز رشتے ناطوں کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے اور قرابت داری کے بندھن ٹوٹتے جارہے ہیں بالخصوص مغربی دنیا میں ہر شخص مادر پدر آزاد ہے اور ہر انسان صرف اپنے مفاد کو فوقیت دیتا ہے قرابت اور عزیز داری کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی۔ ایسا بے نیاز اور خودغرض معاشرہ بھلا انسانیت نواز کیسے ہوسکتا ہے ؟

یتیموں کی خبر گیری

اسلام نے ان معصوم بچوں کی خبر گیری کی تاکید کی ہے جو بچپن میں ہی باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئے ہیں۔ عام طور پر دنیا میں یتیموں کا حال ناگفتہ بہ ہوتا ہے اجنبی تو دور رہے خود ان کے رشتے دار، ان بے سہارا یتیموں کے حقوق غصب کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اور یہ معصوم بچے انتہائی گھٹن اور تنگی میں زندگی گذار دیتے ہیں، اسلام نے جہاں ان پر ظلم اور ان کے مال میں خیانت کو عظیم جرم قرار دیا ہے وہیں ان کی خبر گیری اور ان کے ساتھ خیر خواہی کو انتہائی عظیم ثواب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن میں یتیموں کے مال کو غصب کرنے والے ظالموں کو سخت وعید سناتے ہوئے فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا، وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا. (النساء ۱۰)	جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں۔

اور آنحضرت ﷺ نے یتیم کی کفالت کرنے والے کو خوش خبری سناتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں دونوں اس طرح ساتھ ہوں گے جیسے کہ شہادت اور بیچ کی انگلی۔ (بخاری ۲/ ۸۸۸، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۴)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلم یتیم بچے کو قبضہ میں لے کر اس کے کھانے پینے کا نظم کرے تو اسے اللہ تعالیٰ جنت میں ضرور داخل کرے گا الا یہ کہ وہ (خدا نخواستہ) ایسا گناہ کر بیٹھے جو نا قابل معافی ہو۔ (ترمذی شریف ۲/ ۱۳، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نظر میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس گھر میں کوئی یتیم باعزت طریقے پر رہتا ہو، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے بدترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک برتا جاتا ہو۔ (الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے دل کی سختی کی شکایت کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے دل میں نرمی آجائے اور تمہاری ضرورت پوری ہو جائے، تو تم یتیم پر رحم کیا کرو اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور اپنا کھانا اسے کھلا دیا کرو تو تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ (رواہ الطبرانی الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۷)

بہرحال اسلام نے یتیموں کی خبر گیری پر بڑا زور دیا ہے، جو اسلام کی انسانیت نوازی کی کھلی علامت ہے۔

بیواؤں اور مسکینوں کی رعایت

معاشرے کے دبے کچلے افراد جن کا کوئی سہارا نہ ہو اور جن کی طرف سے کوئی وکالت کرنے کو تیار نہ ہو ان کی حمایت اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے جدو جہد بھی اسلام میں انتہائی اہم ترین عمل ہے، قرآن کریم میں جابجا مسکینوں پر رحم و کرم کی تلقین کی گئی ہے، نیز احادیث طیبہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کمزور لوگوں کی حمایت کو انتہائی باعث اجر و ثواب عمل قرار دیا ہے۔

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے اور رات میں مسلسل نماز پڑھنے والے اور دن میں مسلسل روزے رکھنے والے شخص کی طرح ہے۔ (بخاری شریف ۲/ ۸۸۸، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۸)

پڑوسیوں کا خیال

اسلام ایک فطری اور اجتماعی مذہب ہے اس کی انسانیت نواز تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہ کر زندگی گزارنے کی تاکید کرتا ہے۔ آج کل کے نام نہاد مہذب معاشرے کی طرح نہیں، کہ جس میں ہر جگہ انفرادیت ہی انفرادیت ہے اور ہر انسان صرف اپنی غرض کا غلام ہے دوسرے کی زندگی سے کوئی واسطہ اور

مطلب نہیں، یہ انفرادیت پسندی انسانیت نہیں بلکہ جانوروں کی سی زندگی ہے جہاں ہر فرد دوسرے سے مستغنی ہوکر صرف اپنے ہی مفاد کو فوقیت دیتا ہے آج مغربیت زدہ ''پوش کالونیوں'' میں جا کر دیکھنے سے یہ المناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک محلّہ میں دو پڑوسی سالوں سے رہتے ہیں مگر ایک کو دوسرے کی حالت کا کوئی علم نہیں۔ آج حال یہ ہے کہ دور دراز رہنے والوں سے تو اپنے مفادات کی وجہ سے تعلقات بڑھانے کی فکر کی جاتی ہے لیکن اپنے قریبی پڑوسیوں پر کیا گذر رہی ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اسلام اس طرز فکر کا قطعاً مخالف ہے، اور اس بہیمانہ زندگی کو انسانیت کے خلاف تصور کرتا ہے، پڑوسی خواہ کوئی بھی ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں داخل ہے۔ پڑوسی تین طرح کے ہو سکتے ہیں :

(۱) وہ پڑوسی جو رشتہ دار ہو اور مسلمان ہو: اس کے تین حق ہیں، اول اسلام کا، دوسرے رشتے داری کا، تیسرے پڑوس کا۔

(۲) وہ پڑوسی جو اجنبی ہو مگر مسلمان ہو: اس کے دو حق ہیں۔ اول مسلمان ہونے کا۔ دوسرے پڑوس ہونے کا۔

(۳) وہ پڑوسی جو اجنبی ہو اور غیر مسلم ہو : اس کا ایک ہی حق ہے یعنی پڑوسی ہونے کا۔

تو معلوم ہوا کہ پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ وہ ہمارا رشتہ دار بھی ہے یا نہیں؟ یا وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں؟ بلکہ پڑوس ہونے کے اعتبار سے ان کے ساتھ یکساں طور پر حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی ہے اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے بہت سی ہدایات فرمائی ہیں جن میں سے بعض کا ترجمہ ذیل میں درج ہے :

(۱) حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو اسے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے۔ (مسلم شریف ۱/۵۰، الترغیب والترہیب ۳/۲۴۴)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک

ساتھیوں میں سب سے اچھا ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کی نظر میں اچھا ہو اور پڑوسیوں میں اللہ کی نظر میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کی نظر میں اچھا ہو۔ (رواہ الترمذی، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۴۵)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام برابر مجھ کو پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرماتے رہے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ اس کو وراثت میں بھی شریک کرنے کا حکم دے دیں گے۔ (بخاری شریف ۲/ ۸۸۹، مسلم شریف ۲/ ۳۲۹، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۴۵)

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑوسی کا حق کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ تم سے قرض مانگے تو تم اسے قرض دیدو۔ اگر وہ تم سے مدد طلب کرے تو تم اس کی مدد کرو، اور اگر وہ محتاج ہو تو اس کی اعانت کرو۔ اور اگر وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ اگر اسے کوئی خوشی کی بات میسر ہو تو اسے مبارک باد دو۔ اور اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو اسے تسلی دو اور جب وہ وفات پا جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو، اور اس کی اجازت کے بغیر اتنی اونچی عمارت نہ بناؤ جس سے اس کی ہوا رک جائے، اور اپنے کھانے کی خوشبو سے اسے اذیت مت دو، الّا یہ کہ پکا کر کچھ اس کے یہاں بھی بھیج دو۔ (الترغیب والترہیب ۳/ ۲۴۳)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص (کامل) مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر رہے اور اس کے قریب میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (الترغیب والترہیب ۳/ ۲۴۳)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے۔ (بخاری شریف ۲/ ۸۸۹، مسلم ۱/ ۵۰، الترغیب والترہیب ۳/ ۲۳۸)

(۷) حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا کہ قسم بخدا وہ شخص مومن نہیں، تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون یارسول اللہ ﷺ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پڑوسی اس کی اذیتوں سے محفوظ نہ ہوں۔ (بخاری شریف ۲/ ۸۸۹، الترغیب و الترہیب ۳/ ۲۳۹)

ان احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے اس پہلو پر کتنی توجہ فرمائی ہے۔

یہ اسلامی تعلیمات میں انسانیت نوازی کا ایک نہایت روشن ورق ہے جس کی طرف سے آج دنیا برابر غفلت برت رہی ہے۔

مصیبت زدگان اور مسافروں کی مدد

اسلام نے انسانیت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو وقتی مصائب سے دوچار ہونے والے افراد کی مدد پر بھی آمادہ کیا ہے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ مسافروں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے حتی کہ زکوٰۃ وصدقات کے مصارف میں ایک اہم مصرف مسافروں کی مدد کا بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (سورہ توبہ ۶۰)

زکوٰۃ جو ہے سو وہ ہے حق مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور جن کا دل لبھانا مقصود ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان (غلاموں کو آزاد کرنے میں) بھریں، اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافر کو۔ (ترجمہ شیخ الہند/ ۲۶۰)

آنحضرت ﷺ کے اخلاق فاضلہ میں شروع ہی سے انسانی ہمدردی سب سے فوقیت رکھتی تھی، چنانچہ جب آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلی کے لئے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ آپ ﷺ کے اخلاق طیبہ پر پوری روشنی ڈالتے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا:

كَلَّا ! أَبْشِرْ وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا وَاللّٰهِ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِىْ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، اِلٰى آخره.

ہرگز نہیں ! آپ خوش خبری قبول فرمایئے ! اللہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوانہ فرمائے گا۔قسم بخدا! آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، مصیبت زدہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں، لاچاروں کو کما کردیتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، اور حادثات وغیرہ میں متاثرین کی مدد فرماتے ہیں۔

(مسلم شریف ۱/۸۸)

الغرض مصیبت زدگان اور پریشان حال لوگوں کا تعاون ایک اسلامی فریضہ اور انسانیت نوازی کا عظیم مظاہرہ ہے جس کی اسلام نے تلقین کی ہے۔

غلاموں اور ملازموں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام سے پہلے غلاموں کے ساتھ بدترین مظالم روا رکھے جاتے تھے اور انسانیت کے ناطے وہ ہر منصفانہ حق سے پوری طرح محروم تھے اور انسانی اعتبار سے انھیں ایک آزاد شخص کے برابر ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسلام نے اپنی اعلیٰ انسانیت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے غلاموں کے جائز حقوق کو دلانے کی جدوجہد کی۔قرآن کریم میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔(النساء)

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غلام تمہارے بھائی اور تمہارے معاون ہیں جنھیں اللہ تبارک وتعالی نے تمہارے قبضے میں دیدیا ہے لہٰذا جب کسی کے قبضے میں اس کا بھائی آئے (یعنی کوئی شخص غلام کا مالک بنے) تو اپنے کھانے ہی میں سے اسے کھلائے اور اپنے لباس میں سے اسے پہنائے۔اور تم ان سے اتنا بھاری کام نہ لو جوان کے بس میں نہ ہو اور اگر ایسا کام لینا ہی ہو تو تم خود ان کی مدد کرو۔ (بخاری شریف ۱/۹)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کے چہرے یا بدن پر

مارے تو اس کی تلافی کی شکل یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔ (مسلم شریف ۲/ ۵۱، ابوداؤد شریف ۲/ ۷۰۲)

آنحضرت ﷺ کو غلاموں کے حقوق کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انتقال سے قبل آپ ﷺ نے آخری تاکید نماز پڑھنے اور غلاموں کی رعایت رکھنے کی کی ہے۔ (ابوداؤد شریف ۲/ ۷۰۱)

آج دنیا میں نوکروں اور ملازموں کے ساتھ کتنی حق تلفیاں کی جاتی ہیں اور کس طرح ان کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں اور کیسی کیسی اذیتوں سے انھیں دوچار ہونا پڑتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اسلام نے ہر فرد کے دل میں اس بات کا ڈر پیدا کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ماتحت پر زیادتی کرے گا تو اس کو اس کا بدلہ آخرت میں دینا ہوگا۔

ایک صحابی حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا اسی درمیان میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی کہ **اعلم ابا مسعود** (ابومسعود خبردار) مگر میں غصہ کی شدت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا کہ آواز دینے والا کون ہے؟ پھر جب نبی کریم ﷺ میرے قریب آگئے تو مجھے احساس ہوا کہ آپ ﷺ ہی مجھے آواز دے رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی ہیبت سے میرے ہاتھ سے کوڑا گر گیا تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ابومسعود! اچھی طرح جان لو کہ جتنا تم اپنے اس غلام کو مارنے پر قادر ہو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دینے پر قادر ہے'' حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت میں اب کبھی کسی غلام کو نہ ماروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے اسے فوراً آزاد کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تم کو جھلسا دیتی (مسلم شریف ۲/ ۴۵۱)

اس روایت سے بھی اسلام کی انسانیت نواز تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت

اسلام نے انسانیت نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل ایمان کو بڑی عمر کے افراد کی عزت کرنے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تعلیم دی ہے اور اس میں بھی رشتہ داری یا رنگ و نسل کی کوئی تفریق

نہیں ہے جو شخص بھی بڑی عمر کا ہو وہ اپنی عمر کے اعتبار سے عزت واحترام کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح بچہ خواہ کسی کا ہو وہ اپنے بچپن کے اعتبار سے شفقت کا مستحق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَ یَأمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ. (رواہ الترمذی ۲/ ۱٤)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو نوجوان شخص کسی بوڑھے کی اس کے بڑھاپے کی بنا پر تکریم کرے تو اللہ تعالیٰ اس نوجوان کے بوڑھے ہونے پر اس کے ساتھ بھی ایسے ہی اکرام کرنے والے کو مقرر فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/ ۴۲۳)

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ یہ بات بھی اللہ کی عظمت میں شامل ہے کہ آدمی کسی بوڑھے مسلمان کی (اس کے بڑھاپے کی بنا پر) عزت کرے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/ ۴۲۳) اسی طرح بچوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ اسلام کی اہم تعلیم ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ کے بچے لائے جاتے تو آپ ﷺ ہر ایک کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے ان کو اپنی گود میں بیٹھاتے اور ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھتے تا آنکہ ان بچوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عظمت ومحبت جاگزیں ہو جاتی تھی۔

اسلام میں عورتوں کا مرتبہ

مذہب اسلام میں صنف نازک خواتین کو ان کا حقیقی اور واقعی مرتبہ عطا کرنے پر بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ اسلام کی آمد سے قبل دنیا میں عورتوں کا بدترین استحصال عام تھا۔ دنیا کی کسی بھی مذہب اور قوم میں عورتوں کو واقعی حقوق حاصل نہیں تھے۔ ہر جگہ عورت کو محض ایک باندی اور مرد کی تسکینِ قلب کا ذریعہ سمجھ کر معاملہ کیا جاتا تھا، حتی کہ بہت سے شقی القلب افراد رشتۂ دامادی سے بچنے کے لئے اپنی معصوم بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ ایسے سنگین ظالمانہ ماحول میں اسلام نے عورت کو عزت دینے کا نعرہ بلند کیا۔ اور ثابت کیا کہ عورت اور مرد دونوں کی پیدائش کا

تسلسل ایک ہی ذات حضرت آدم علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں اصناف میں ظالمانہ تفریق کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اخلاقی اور سماجی اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین ہیں اور ہر صنف کو اپنے حقوق کے مطالبہ اور اپنی ذمہ داریاں بجا لانے کا یکساں حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. (البقرہ ۲۲۸)

اور عورتوں کا بھی حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت صرف دنیوی نظام کی بقاء کے لئے ہے۔ ورنہ اللہ کی نظر میں محض کسی شخص کا مرد ہونا نہ تو قبولیت کی دلیل ہے اور نہ عورت کا عورت ہونا اس کی مقبولیت میں رکاوٹ ہے۔ بلکہ اللہ کے یہاں اصل معیار اس کے احکامات بجا لانا ہے۔ لیکن چوں کہ مرد وعورت کی ساخت، اور جسمانی بناوٹ میں قدرتی فرق ہے اس لئے اسلام نے دونوں کی ذمّہ داریاں الگ الگ کر دی ہیں مساوات کا نعرہ لگا کر ان فطری ذمّہ داریوں کو خلط ملط کیا جائے گا تو انسانیت مجروح ہو جائے گی اور نظام کائنات ''غط ربود'' ہو جائے گا، اسلام نے عورت کے نان نفقہ کی مکمل ذمہ داری اس کے نگراں مردوں پر رکھی ہے شادی سے قبل باپ یا دیگر رشتہ داروں پر، اور شادی کے بعد شوہر پر اس کے خرچ کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اس سہولت سے فائدہ نہ اٹھا کر عورت کو کمانے پر مجبور کرنا اسلام کی نظر میں انسانیت پر ظلم ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ اسلام کی نگاہ میں عورت کی عفت وعصمت اس کے لئے سب سے زیادہ قیمتی اور عزت کی چیز ہے۔ اگر عورت کی عفت داغ دار ہو جائے تو اس کے مفاسد اتنے خطرناک ہوتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے انسانیت کی بقا اور تحفظ کے لئے عورت کی عفت وعصمت کو مکمل طور پر تحفظ فراہم کرنے کی تعلیمات اپنے ماننے والوں کو دی ہیں۔

عورتوں کو نکاح اور پردہ کا پابند بنانا، ان کو محصور اور مقید کرنے یا انہیں حقوق سے محروم

کرنے کے لئے ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم عورت کی سب سے بڑی دولت عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے ہے۔ اسلام عورت کی نازک اور گراں قدر عزت وحرمت کو خیانت والی دزدیدہ نگاہوں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے تاکہ عورت کی تابنا کی میں بال برابر فرق نہ آئے اور یہ صنف نازک مکمل سکون، پاکیزگی اور پاک بازی کے ساتھ دنیا میں زندگی گزارتی رہے۔

مغرب میں عورتوں کے حقوق کی پامالی

ایک طرف عورتوں کے متعلق اسلام کی پرسکون اور عزت بخش تعلیمات ہیں جن سے صرف نظر کر کے آج مغربی دنیا اسلام کو عورت کے حقوق کی پامالی کا مرتکب مذہب بتانے کا پروپیگنڈا کر رہی ہے دوسری طرف آج کے مغربیت زدہ معاشرہ میں عورت کی جو درگت بنائی جارہی ہے اس پر انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ آج مغرب میں عورتیں ہوس پرست مردوں کی طرف سے بدترین قسم کی زیادتیوں اور استحصال کا شکار ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ وہ ممالک جہاں آزاد جنسی تعلق کی کوئی ممانعت نہیں وہاں بھی ایک ایک دن میں سیکڑوں اور ہزاروں واقعات زنا بالجبر کے پیش آتے ہیں، خاندانی رشتے مٹ چکے ہیں، ہوس پرستی میں انسان اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہا ہے۔ عورت کو کمائی کی مشین اور محض مرد کی خدمت گار کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مغرب کی عورتیں نہایت قابل رحم ہیں جو مساوات کے خوشنما نعرے کے اندھیرے میں بے حیا ہوس پرستوں کے ظلم وستم کی تختۂ مشق بن رہی ہیں۔ انھیں سکون و عافیت صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کے دامن ہی میں میسر آسکتی ہے۔ اسلام عورتوں کی تعلیم وترقی کا ہرگز مخالف نہیں، اور نہ عورتوں کی آزادی پر پابندی لگانا چاہتا ہے۔ عورت اپنے معاملات میں، تصرفات میں اور کردار میں یقیناً آزاد ہے لیکن وہ حرکتیں جن سے ان کی انسانی عزت اور عفت داغ دار ہو جائے۔ اسلام ایسی کسی بھی حرکت کو عورت کے لئے جائز قرار نہیں دیتا۔ تاکہ اس کی انسانی شرافت وعظمت محفوظ رہے۔

اسلامی مساوات

اسلام کی نظر میں تمام انسان انسانیت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ رنگ ونسل، علاقے اور

آبادی کی بنیاد پر فرق و امتیاز اسلام کے نزدیک کسی طرح بھی روا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (الحجرات ۱۳)

اے آدمیو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے بنا کر تمہاری ذاتیں اور قبیلے مقرر کر دیئے تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ باادب ہے اللہ سب کچھ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے آخری حج کے موقع پر اس سلسلے میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ انسانی حقوق کے ''عالمی منشور'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کے طویل خطبے کے چند زریں الفاظ درج ذیل ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَاَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا ! لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا اَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى.

اے لوگو! بے شک تم سب کا پروردگار ایک ہے، اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے (یعنی سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو) خبردار! کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، اور نہ کالے رنگ والا سرخ رنگ والے پر فوقیت رکھتا ہے اور نہ سرخ رنگ والا کالے پر، سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے (یعنی فضیلت کا معیار اخلاق فاضلہ ہیں رنگت اور نسل نہیں)

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا میں نے اللہ کا یہ پیغام تم تک پہنچا دیا؟ صحابہ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ آج کونسا دن ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ آج قربانی کا قابل احترام دن ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کونسا شہر ہے؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم

نے فرمایا کہ یہ باعزت شہر مکہ معظّمہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح یہ شہر، یہ مہینہ اور یہ دن تمہاری نظر میں باعثِ عزت واحترام ہے اسی طرح تمہارے مال، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں بھی آپس میں قابلِ احترام ہیں (جن کی حق تلفی کسی کے لئے روا نہیں ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ پیغام سنا ہے وہ اسے ان لوگوں تک پہنچا دے جنھوں نے یہ پیغام نہیں سنا۔

(رواہ احمد، مجمع الزوائد ۳/۲۶۶)

اسلام کی اس عظیم ہدایت کے برعکس آج پوری دنیا رنگ ونسل، علاقے اور زبان کے اعتبار سے سیکڑوں خانوں میں بٹی ہوئی ہے طاقت ور قومیں کمزور نسلی جماعتوں کا استحصال جاری رکھے ہوئے ہیں، ایک علاقہ والے دوسرے علاقہ والوں کو، ایک زبان والے دوسری زبان والوں کو، ایک رنگ والے دوسرے رنگ والوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، مغربی اقوام جو آج دن رات اپنے کو انسانی حقوق اور مساوات کا تنہا ٹھیکے دار قرار دینے سے نہیں تھکتیں، ان کی تاریخ بدترین انسانیت سوز تعصّبات اور امتیازات سے پُر ہے۔ ان کے دعوے جتنے خوبصورت ہیں، ان کی باطنی حقیقت اتنی ہی مکروہ اور خوفناک ہے، یہ قومیں خون خون میں فرق کرتی ہیں، مغربی اقوام کا کوئی فرد کہیں ظلم کا شکار ہو جائے تو دنیا آسمان پر اٹھالی جاتی ہے، جب کہ دیگر اقوام کے ہزاروں افراد بھی اگر وحشیانہ طور پر تہ تیغ کر دیئے جائیں تو ان پر یہ مغربی اقوام نہ صرف خاموش تماشائی بنی رہتی ہیں بلکہ بہت سے واقعات میں مظلوم کے بجائے ظالم کے شانہ بہ شانہ کھڑی نظر آتی ہیں، اسرائیل، بوسنیا، کوسووا، البانیا، چیچنیا اور دنیا کے دیگر مقامات میں مظلوموں کے بہتے ہوئے لہو میں ان سامراجی اقوام نے اپنے ہاتھوں کو لت پت کر رکھا ہے، اور پھر بھی یہ دعویٰ ہے کہ وہی انسانی مساوات کے علم بردار ہیں، ان کا یہ دعویٰ ''برعکس نام نہند زنگی را کافور'' کا مصداق ہے، دنیا میں انسانی مساوات کا جو تصور اسلام نے پیش کیا ہے اس سے بہتر اور موثر کوئی تصور پیش نہیں کیا جا سکتا۔

ظلم کی ممانعت

اسلام بنیادی طور پر ظلم کا مخالف ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کا وجود ہی

دنیا سے ظلم کو مٹانے کے لئے ہوا ہے اسلام کی فطرت یہ ہے کہ وہ ظلم کو برداشت نہیں کرسکتا۔ پورا اسلامی نظام ہر سطح پر ظلم کو ختم کرنے کے لئے مستعد رہتا ہے اسلام کا اصول ہے **لاضرر ولاضرار** (یعنی نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ) یہی اصول اسلام کی ہر تعلیم میں روشن نظر آتا ہے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ آدمی جہاں تک بھی ہوسکے اپنی قوت اور اثرات کا استعمال کرکے مظلوم کی حمایت کرے اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، تو ایک شخص نے حیرت سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مظلوم ہونے کی حالت میں تو اس کی مدد کروں گا اگر وہ ظالم ہے تو اس کی مدد کیسے کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم بھائی کی مدد اس طرح ہوگی کہ تم اس کو ظلم سے روک دو، (تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے)۔ (متفق علیہ، مشکوۃ شریف ۲/۴۲۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کرنا آخرت میں اندھیریوں کا باعث ہوگا۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۳۴)

ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کو اس کا حق دینے سے محروم نہیں کرتا۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۳۶)

احادیث شریفہ میں خلق خدا پر رحم کرنے اور ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنے کی انتہائی تاکید وارد ہوئی ہے، ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مہربانی کرنے والوں پر رحمٰن مہربان ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔ (مشکوۃ شریف ۲/۵۲۳، رواہ ابوداؤد)

ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا ہے۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۱)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ خلق خدا اللہ کی اولاد کے مانند ہیں لہذا اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو خلق خدا پر رحم واحسان کرنے والا ہو۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۵)

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مصیبت زدہ کی مدد کردے تو اللہ تعالیٰ اس

کے لئے بہتر مغفرت کا انتظام فرماتا ہے، جن میں سے صرف ایک مغفرت اس کے تمام معاملات سدھارنے کے لئے کافی ہے اور بقیہ بہتّر مغفرتیں آخرت میں اس کے لئے رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی۔ (مشکوۃ شریف ۲/ ۴۲۵)

ان ہدایات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں رحم دلی کی کیا اہمیت ہے؟ اور وہ دنیا میں ظلم کا کتنا بڑا مخالف ہے؟ آج جو لوگ مذہب اسلام کو ظلم و ناانصافی کا محور قرار دیتے ہیں وہ دراصل خود وحشیانہ مظالم کے مرتکب ہیں۔ اور اپنے سیاہ کارناموں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ اسلام جیسے عظیم پاسدارِ انسانیت مذہب پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اسلام کا ان کے بیہودہ الزامات سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلام بلا کسی امتیاز کے کسی بھی فرد، شخص یا جماعت پر ظلم کرنے سے قطعاً انکار کرتا ہے۔

قتل ناحق کی ممانعت

کسی انسان کو ناحق قتل کرنا اسلام میں بہت بھاری گناہ ہے اسلام کی نظر میں انسان کے خون کے ایک ایک قطرے کی قیمت ہے اور وہ اپنے دائرۂ اثر میں رہنے والے تمام افراد کی جانی حفاظت کا ضامن ہے بلا خاص سبب کے اسلامی حکومت میں کسی بھی شخص کو خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم جان سے مارنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَاتَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَایُسْرِف فِّی الْقَتْلِ، اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْراً.

(بنی اسرائیل ۳۳)

اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو۔ ہاں مگر حق پر۔ اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے، وہ شخص طرف داری کے قابل ہے۔

اسلام میں کوئی بھی قتل حتی الامکان رائیگاں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ یا تو قاتل سے جانی بدلہ لیا جائے گا یا دیت اور فدیہ لے کر مقتول کے وارثین کی اشک شوئی کی جائے گی تاکہ کسی شخص کو اس

طرح کی وحشیانہ حرکت کرنے کی آئندہ جسارت نہ ہو سکے۔

اس کے برعکس آج دنیا کا چپہ چپہ بے قصور افراد کے لہو سے رنگین ہے، مغربی اقوام کے لچک دار قوانین مظلوموں اور مقتولوں کی حمایت نہیں کرتے بلکہ ان ڈھیلے ڈھالے اور البیلے قوانین سے مجرم کو صاف بچ نکلنے کا موقع فراہم ہو جاتا ہے۔

اسقاطِ حمل پر روک

اسلام کی انسانیت نوازی کی ایک اہم دلیل یہ ہے کہ اسلام انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے جانی تحفظ کا انتظام کرتا ہے چنانچہ شریعت اسلامی میں یہ حکم ہے کہ اگر کسی حاملہ عورت کا حمل زبردستی ضائع کرا دیا جائے تو تاوان میں غلام، باندی دینی پڑے گی۔ (مشکوۃ شریف ۲/۳۰۳)

اور عام حالات میں بلا شدید عذر کے اسقاطِ حمل کی اجازت نہیں ہے بالخصوص جب حمل پر چار مہینے گزر جائیں اور اس میں روح پڑ جائے۔ تو اس ''جنین'' کو جانی تحفظات میں وہی تمام حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو ایک زندہ انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔

اس اسلامی تعلیم کے برخلاف آج مغرب نواز معاشرے میں اسقاطِ حمل جرم تو کیا ہوتا بلکہ ایک فیشن بنتا جا رہا ہے شہر شہر میں لائسنس یافتہ ایسے کلینک موجود ہیں جن میں برسر عام جائز اور ناجائز بچوں کا اسقاط کر کے انسانیت کا قتل عام کیا جا رہا ہے، زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہونے کے بعد لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا اور آج کے جدید دور جاہلیت میں پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو رحم مادر میں طبی آلات کے ذریعہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے، اس انسانیت سوز عالمی ظلم پر ساری دنیا کے نام نہاد انسانی حقوق کے علمبردار خاموش ہیں۔ بلکہ اضافۂ آبادی کے خطرہ کو بہانہ بنا کر اس طرح کے ظلم کی حوصلہ افزائی میں برابر کے شریک ہیں۔ جب کہ اس وحشت و بربریت کے خلاف مضبوط آواز اٹھانے والا مذہب صرف اسلام ہے جو اپنی علمی و عملی ہدایات کے ذریعہ اس سنگین جرم سے دنیا کو بچانے کی تلقین کرتا ہے۔

جرائم کی روک تھام

اسلام دنیا میں امن وامان کا خواہاں ہے۔اس نے اجتماعی امن کے قیام کے لئے ایسا عمدہ اور موثر نظام تجویز کیا ہے جس کے نفاذ سے حیرت انگیز طور پر معاشرہ امن وامان سے مالا مال ہوجاتا ہے۔اور علاقہ میں بسنے والا ہر شہری اپنی جان ومال،عزت وآبرو کی طرف سے مطمئن ہو کر عافیت کی فضا میں سانس لیتا ہے، چناں چہ اس مقصد سے اسلام نے دنیا میں پائے جانے والے سات بڑے بڑے جرائم پر عبرت ناک سزائیں مقرر کی ہیں۔وہ جرائم یہ ہیں (۱) قتل (۲) چوری (۳) ڈکیتی (۴) زنا (۵) کسی پر زنا کی تہمت لگانا (۶) شراب پینا (۷) اسلام قبول کرنے بعد مرتد ہوجانا۔

یہ جرائم ہی تمام دنیا میں فتنہ وفساد کی جڑ اور بنیاد ہیں،لہٰذا ان جرائم کی روک تھام کے لئے محض زبانی اپیلیں یا آخرت کی وعیدیں سنا دینا کافی نہیں بلکہ عملی طور پر ایسے اقدامات ناگزیر ہیں جن کے ذریعہ معاشرہ کو مذکورہ چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھا جاسکے اور مجرم ایسی عبرت ناک سزاؤں سے دوچار ہو کہ اسے دیکھ کر کسی اور کو ایسے جرم کے ارتکاب کی ہمت نہ ہوسکے، اسلام کی مقرر کردہ عبرت ناک سزاؤں کا خلاصہ یہ ہے:

قتل کی سزا: قصاص یا دیت۔ **چوری کی سزا** : ہاتھ کاٹنا۔ **ڈکیتی کی سزا** :قتل،سولی یا ہاتھ پیر کاٹنا۔ **زنا کی سزا** :شادی شدہ ہو تو سنگسار کرنا ورنہ سو کوڑے مارنا۔ **کسی پر زنا کی تہمت کی سزا** : ۸۰ کوڑے۔ **شراب کی سزا** :۸۰ کوڑے۔ **ارتداد کی سزا** :قتل۔

اسلامی حکومت میں ان میں سے کسی جرم کے ثابت ہونے کے بعد کسی بھی شخص کو حتی کہ امیر المؤمنین کو بھی اس سزا میں تخفیف کرنے کا اپنی طرف سے حق حاصل نہیں ہے۔اسلامی حکومت کا یہ شرعی فرض بنتا ہے کہ وہ جرائم کی روک تھام کے لئے مقرر کردہ شرعی حدود کو جاری کرے اگر کوئی بااختیار مسلم حکومت اس پر عمل نہیں کرتی تو وہ عنداللہ وعندالناس اپنی کوتاہی پر جواب دہ ہے۔اس لئے کہ سزاؤں کے احکامات محض فقہی مسئلے نہیں بلکہ قرآن وسنت کی متواتر قطعی نصوص سے ثابت

شدہ ہیں۔ کسی بھی فرد یا حکومت کو ان سے صرف نظر کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ البتہ مذکورہ جرائم کے علاوہ اس سے کم تر درجہ کے جرائم کی سزا کا اختیار حاکم وقت کو دیا گیا ہے کہ وہ حالات کو دیکھ کر اپنی منشا کے مطابق کوئی بھی سزا تجویز کر سکتا ہے۔ اسلامی حدود کا یہ نظام تجرباتی طور پر نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ کیوں کہ اس نظام کے ذریعہ جرائم کا معیار غیر معمولی طریقہ پر کم سے کم ہو جاتا ہے۔ آج بھی جن ممالک میں اس کا رواج ہے وہاں جرائم کی شرح ساری دنیا سے کم ریکاڈ کی جاتی ہے۔

مگر مغربی دنیا کو یہ امن وامان کی فضا قطعاً پسند نہیں، وہ ایک طرف انسانی حقوق کے تحفظ کا راگ الاپتی ہے اور دوسری طرف اسلامی نظامِ حدود پر بے جا تنقید کر کے دنیا کے چھٹے ہوئے مجرموں کی پیٹھ تھپتھپاتی ہے۔ آج اسلام کی مقرر کردہ سزاؤں کی شدت پر تو خوب ٹسوے بہائے جاتے ہیں اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ ان کی قساوت کو اجاگر کر کے اسلام کو مطعون کیا جاتا ہے مگر یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ ایک کو سزا دینے سے سیکڑوں ہزاروں بے قصوروں کو کتنی راحت ملتی ہے۔ اور ایک مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے سے کتنے جرائم پیشہ افراد کی ہمتیں پست کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن بات اصل میں یہ ہے کہ جس طرح آج مغربی معاشرہ بدترین قسم کے جرائم اور انسانیت سے گرے ہوئے اعمال میں ملوث ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا اس کی ڈگر پر چل کر انسانیت کا لبادہ اتار دے اور بہیمیت کی صورت اختیار کر لے۔ اور اس کی پلاننگ میں سب سے بڑی رکاوٹ چوں کہ اسلامی نظام ہے اس لئے وہ انسانیت کی دہائی دے کر اسلام کی خوبیوں پر خاک اڑانے کی کوشش برابر کرتا رہتا ہے۔

عدل وانصاف

آپسی نزاعات کو سلجھانے کے لئے عادلانہ اور منصفانہ نظام قضا کا قیام بھی نہایت اہم انسانی ضرورت ہے۔ اسی مقصد سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر حالت میں عدل وانصاف پر جمے رہنے کی تلقین کی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ، اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا، وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا. (النساء ۱۳۵)	اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو، اگرچہ اپنی ذات پر ہو، یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو، وہ شخص اگر امیر ہو یا غریب دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے، سوتم خواہش نفس کی اتباع مت کرنا، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

اس آیت میں تین باتیں خاص طور پر بیان فرمائی گئیں :

(۱) سچی گواہی اور فیصلہ اگر چہ اپنے قریب ترین اعزاء کے خلاف پڑتا ہو پھر بھی ہر حالت میں حق کا دامن مضبوطی سے تھام کر رکھا جائے۔ اور محض رشتہ داری یا کسی اور تعلق کی مصلحت سے حق پوشی کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

(۲) گواہی دینے میں یہ نہ دیکھے کہ جس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں وہ امیر ہے اگر اس کے خلاف بول دے گا تو اس سے بے مروتی ہو جائے گی یا وہ ہمیں نقصان پہنچا دے گا، یا یہ نہ دیکھو کہ وہ غریب ہے کہیں اس کو ہماری گواہی سے مزید نقصان نہ پہنچ جائے بلکہ حق کا ساتھ دو چاہے وہ امیر کے خلاف پڑے یا غریب کے، اس کی پرواہ مت کرو۔

(۳) تیسری بات یہ کہی گئی کہ جب کسی بات کا تمہیں علم ہو اور اس کے متعلق گواہی کی ضرورت ہو تو پھر گواہی دینے سے نہ تو پہلو تہی کرو اور نہ ہی گواہی میں غلط بیانی سے کام لو۔ ورنہ اللہ کے سامنے جواب دینا پڑے گا کیوں کہ وہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

پھر دنیا میں اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی محض اپنی دشمنی کی بنیاد پر مد مقابل کی مخالفت میں

انصاف کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور حق بات کے اظہار سے گریز کرتا ہے۔ اس لئے ایک دوسری آیت میں قرآنِ کریم نے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢبِمَا تَعْمَلُوْنَ. (المائدہ ۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

اسلامی نظام میں انصاف مفت ملتا ہے

اسلامی نظام قضا کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انصاف کے حصول کے لئے سرکاری طور پر یا غیر سرکاری طریقہ پر کوئی رقم خرچ کرنی نہیں پڑتی، بلکہ ملک کے ہر شہری کو مفت میں انصاف مہیا کرایا جاتا ہے۔ قاضی اور منصف کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے فیصلہ پر کچھ فیس وصول کرے۔ یا اپنے نان نفقہ کا بوجھ عوام پر ڈالے بلکہ اسلامی حکومت میں قاضی کا وظیفہ حکومت کی جانب سے مقرر ہوتا ہے اور قاضی کو اپنے فیصلہ پر رشوت لینے یا کسی اجنبی آدمی سے ہدیہ لینے یا خصوصی دعوت میں شرکت کی بھی اجازت نہیں ہے۔ نیز احادیث طیبہ میں رشوت کے لین دین کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ وَالرَّائِشَ يَعْنِي الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا. (الترغیب والترهیب ۱۲۶/۳، ادب القاضی للخصاف ۸۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے، رشوت دینے والے، اور ان دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے (ایجنٹ) پر لعنت فرمائی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ "جو حاکم رشوت لے کر فیصلہ کرے گا اس کو اتنی گہری جہنم میں

ڈالا جائے گا جس کی تہ تک پہنچتے پہنچتے اسے ۵۰۰ رسال لگیں گے''۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۲۶)

الغرض اسلام پوری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دینا چاہتا ہے۔ اور ہر حق دار کو اس کا حق مکمل طور پر دلانے میں ہر ممکن تعاون کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس میں کسی طرح کی جانب داری یا تعصب روا نہیں رکھتا۔ نیز اسلام کا عدالتی نظام ٹال مٹول اور تعویق وتاخیر سے پاک ہے سارے نظام قضا کی بنیاد صرف ایک اساسی اصول پر ہے کہ ''مدعی ثبوت کے لئے بینہ پیش کرے، ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر دعوی کا انکار کر دے'' اگر مدعی علیہ قسم کھانے میں توقف کرے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ مدعی کے دعوی سے متفق یا اقراری ہے تو اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔ چوں کہ یہ مختصر طرز عمل سہل ہونے کے ساتھ ظاہری طور پر حقیقت حال تک پہنچنے کے لئے کافی ہے اس لئے اسلامی نظام عدالت میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور ہر طرح کے معاملات جلد از جلد نپٹا دئے جاتے ہیں اور فریقین کو فیصلہ کے انتظار میں عمریں کھپانی نہیں پڑتیں۔

اس کے بر خلاف آج دنیا میں رائج مغربی نظام عدالت بہت سے ملکوں میں لوٹنے کھسوٹنے اور لوگوں کے حقوق تلف کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بن چکا ہے اس نظام کی قانونی موشگافیاں مظلوم کی حمایت تو کیا کرتیں ظالموں کی بہترین پناہ گاہ بن چکی ہیں۔ آج ان عدالتوں میں فیصلہ کے لئے مقدمات نہیں لائے جاتے بلکہ عام رجحان یہ ہے کہ جس مسئلہ کو التواء میں ڈالنا ہو اسے عدالت کے سپرد کر دو کہ دادا نے اگر مقدمہ دائر کر دیا ہے تو پوتوں پڑپوتوں تک بھی ان میں فیصلہ مشکل سے ہو پائے گا، اور اس درمیان میں جو وقت، پیسہ اور آمدنی کا ضیاع ہوگا اس کا کوئی شمار ہی نہیں۔ بلاشبہ ان مغربی طرز کی عدالتوں میں پڑے ہوئے مقدمات ''شیطان کی آنت'' کے مانند ہیں جن کے التواء کا سلسلہ کسی حد پر جا کر ختم ہی نہیں ہوتا۔ نیز آج عدالتوں میں کلرکوں اور پیش کاروں سے لے کر جج اور منصف تک رشوت خوری کی وبا عام ہے۔ اور دولت کی گرم بازاری نے معاشرہ کے کمزور طبقات کو انصاف سے محروم کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلام ایسی حق تلفیوں کو انسانیت سے گری ہوئی حرکت سمجھتا ہے۔ اور وہ مفت اور جلدی انصاف کا نظام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، یہ بھی اس کی انسانیت نوازی کی بڑی نشانی ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ معاملات

اسلام کے مخالفین یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام میں دوسرے مذہب والوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ بات محض الزام ہے، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام دنیا کے غیر مسلم دو طبقوں میں منقسم ہیں:

(۱) اول وہ لوگ جو مسلمانوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور مسلمانوں کی اذیت رسانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تو ایسے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے کی اسلام واقعی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ ان سے دوستی رکھنے میں قومی وملی نقصانات کا اندیشہ ہے۔

(۲) دوسرے وہ غیر مسلم ہیں جن کا مسلمانوں سے کوئی نزاع نہیں ہے۔ نہ وہ دین کے درمیان حائل ہوتے ہیں اور نہ مسلمانوں کو ان سے کوئی خطرہ ہے۔ تو ایسے غیر مسلموں کے ساتھ انسانی ناطہ سے حسنِ سلوک کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے۔ خود قرآنِ کریم نے ان دونوں طبقات اور ان کے متعلق معاملات کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْآ اِلَیْھِمْ، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ. اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ، وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِكَ

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (الممتحنہ ۸-۹) سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہ گار ہوں گے۔

قرآن کریم کی جن آیتوں میں کفار کو قتل کرنے کے احکامات دیئے گئے ہیں ان کا تعلق انہی کفار سے ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو کافر جہاں ملے تہِ تیغ کر دیا جائے۔ چناں چہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کی بالادستی قبول کر لیں ان کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر اسی طرح لازم ہوتی ہے جیسے ایک مسلمان کے تحفظ کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور جس طرح اسلامی حکومت میں کسی مسلمان کو اذیت دینا اور جانی و مالی نقصان پہچانا منع ہے بالکل اسی طرح اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم کی حق تلفی بھی قطعاً منع ہے۔ کسی غیر مسلم شہری کو ستانے پر آنحضرت ﷺ نے سخت ترین وعید ارشاد فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا اعلان ہے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يُرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خِرِيفا. (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ۲۹۹)

جو شخص کسی ذمی (اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے غیر مسلم شہری) کو قتل کر دے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا اگر چہ جنت کی خوشبو ۴۰ رسال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

اس لئے غیر مسلموں کی مطلق دشمنی کے متعلق مغربی ذرائع ابلاغ کا شور شرابہ محض جھوٹ اور شرارت پر مبنی ہے۔ اسلام خود بھی امن چاہتا ہے اور سارے عالم کو بھی گہوارۂ امن بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

اسلامی جہاد کا مطلب

ساتھ میں اسلام اپنا ایک وقار اور عزت بھی رکھتا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی عزت اسلام سے وابستہ ہے لہٰذا اگر کوئی دشمن اسلام پر حملہ آور ہو اور مسلمانوں کو مٹانے پر تُل جائے جیسا کہ آج کل کے عالمی فرعونوں کا حال ہے تو پھر امن کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی طاقتوں کی چیرہ دستیوں سے اسلام اور اہل عالم کو بچانے کے لئے اور دنیا میں مظلوموں کے حقوق کی بازیابی کے لئے جو بھی اقدام عالمی منشور کے اعتبار سے ممکن ہو اس کو بروئے

کار لانے میں دریغ نہ کیا جائے۔ظالم کے مقابلہ میں مظلوموں کی طرف سے دفاع کرنا اسلام کی نظر میں عین عبادت ہے۔اسی کو اسلام کی اصطلاح میں ''جہاد'' کہا جاتا ہے جسے آج مغربیت زدہ افراد نے ظلم کے مرادف قرار دے کر بدنام کر دیا ہے۔اس لئے یاد رہے کہ ظلم کرنا جہاد نہیں بلکہ ظلم کو مٹانے کے لئے جدوجہد کرنے کا نام جہاد ہے۔اب یہ جدوجہد کبھی پیشگی خطرات کو مٹانے کے لئے کی جاتی ہے اسے ''اقدامی جہاد'' کہتے ہیں اور کبھی خطرہ کے وجود میں آنے کے بعد کی جاتی ہے اسے ''دفاعی جہاد'' کا نام دیتے ہیں اور ان دونوں طرح کی کوششوں کا مقصد صرف اور صرف دنیا میں امن کا قیام اور فتنہ وفساد کا خاتمہ ہے۔پھر اس جدوجہد کو باقاعدہ انجام دینے کے لئے بھی شرعی ضابطے مقرر ہیں ان ضوابط کے دائرے میں رہ کر جو جدوجہد کی جائے گی وہی جہاد کہلائے گی، محض جوش وخروش اور خونریزی کو ہرگز جہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

جنگی حالات میں انسانیت نوازی کا مظاہرہ

اسلام کی انسانیت نوازی کی انتہا یہ ہے کہ وہ جنگی حالات میں بھی انسانی حقوق کا مکمل خیال رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔اسلام کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جنگ کا دائرہ بےقصوروں تک نہ پھیلے اور مقابلہ صرف قصورواروں کی حد تک رہے۔اسلام نے دشمنوں کے ساتھ کئے گئے معاہدہ جات کی حتی الامکان پاس داری کرنے کا سبق دیا ہے۔اور پوری اسلامی تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ مسلمانوں نے علاقائی اور بین الاقوامی معاہدوں کو روبہ عمل لانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، جب کہ ان کے مدمقابل فوجوں کی تاریخ بدعہدی اور غداری کے بدنما دھبوں سے داغدار رہی ہے۔ اسلام نے ہمیشہ وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے قابو پاجانے کے باوجود دشمنوں سے انسانی ہمدردی اور رواداری کا معاملہ کیا ہے جس کی روشن مثال فتح مکہ کا عظیم واقعہ ہے جب چشم فلک نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ محسنِ انسانیت، فخر دوعالم، رحمت للعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف سے ان دشمنوں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا جو کل تک آپ کے جانی دشمن تھے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کے خلاف کئی جنگوں کی قیادت کر چکے تھے انھوں نے فتح مکہ کے موقع

پر اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے ان کی دل داری کرتے ہوئے اعلان کیا :

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ اَلْقَی السِّلَاحَ فَھُوَ اٰمِنٌ، وَمَنْ اَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ.

(مسلم شریف ٢/١٠٤)

جو شخص ابو سفیان کے گھر چلا جائے وہ امن میں ہے، جو ہتھیار ڈال دے اس کی معافی ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ بھی محفوظ رہے گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اولاً آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے وہ پناہ میں ہے'' مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا : کہ میرے گھر میں آخر کتنے لوگ آپائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو کعبہ میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے'' پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کعبہ میں کتنے لوگ آسکیں گے؟ تو آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ ''جو شخص مسجد حرام میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی کم سمجھا۔ تو آپ ﷺ نے آخری اعلان یہ فرمایا کہ ''جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ بھی امان میں ہے'' یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۴/۶۸۶)

نیز سیرت کی کتابوں میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ فتح مکہ سے ایک روز قبل جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پناہ میں اسلامی لشکر میں آئے تھے تو دوران گفتگو انصار مدینہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ جملہ کہہ دیا تھا کہ آج ''یوم الملحمۃ'' (گوشت کاٹنے کا دن) ہے۔ آج کعبہ کی عزت تار تار ہو جائے گی۔ یعنی اہل مکہ سے بھرپور انتقام لیا جائے گا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ شکایۃً نبی کریم ﷺ سے جا کر نقل کر دیا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ :

ھٰذَا یَوْمٌ یُعَظِّمُ اللّٰہُ فِیْہِ الْکَعْبَۃَ وَیَوْمٌ تُکْسَیٰ فِیْہِ الْکَعْبَۃُ.

آج تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا اور آج کے دن کعبہ کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

پھر آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کی فوج کی امارت سے معزول فرمادیا اور

فوج کی سب ٹکڑیوں کو حکم دیا کہ اس وقت تک کوئی شخص کسی پر ہتھیار نہ اٹھائے جب تک کہ اس پر مقابل کی طرف سے حملہ نہ کر دیا جائے۔ (السنن الکبری بیہقی ۲۰۳/۹)

بعد ازاں جب آپ ﷺ مکہ معظّمہ میں فروکش ہوئے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا، اولاً آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی۔ پھر اعلان کیا کہ جاہلیت کی تمام رسمیں ختم کی جاتی ہیں اور پرانے تمام جانی و مالی تنازعات (جو مکہ میں عام تھے) آج سے فراموش کئے جاتے ہیں پھر آپ ﷺ قریش سے اس طرح مخاطب ہوئے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشْ! اِنَّ اللّٰه قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نُخُوَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعْظُّمَهَا بِالْاٰباءِ. النَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ: يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اَنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الحجرآت ۱۳)

اے خانوادۂ قریش! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے تمہارے جاہلیت کا غرور اور آباء واجداد پر ایک دوسرے سے برتری کا سلسلہ مٹا دیا ہے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام) سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے خاندان قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا، سب حاضرین نے کہا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے آپ کریم ابن الکریم ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا:

اِذْهَبُوْا! فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (الروض الانف ۱۷۱/٤) جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

یہ ہے پیغمبر انسانیت حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ مبارکہ! جس کی مثال پیش کرنے سے دنیائے انسانیت عاجز ہے، اسی عظیم انسانی برتاؤ کی تعلیم، اسلام اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔

جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جنگی جنون میں انسان اتنا مدہوش نہ ہوجائے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے اسے اندھا دھند جارحیت کا نشانہ بناتا چلا جائے۔ بلکہ جنگ کی حالت میں بھی اس بات کا ہوش رکھنا لازم ہے کہ مقابلہ میں کون سامنے ہے؟ جو لوگ مقابلہ میں نہ ہوں یا کمزور اور بے قصور ہوں جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، اور دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہوکر یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے والے لوگ، تو ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ ایسے بے قصوروں کو بلا وجہ قتل کردینا اسلام میں سنگین جرم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایک مردہ عورت کی لاش دیکھی جسے قتل کردیا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم شریف ۲/۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جہادی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے کمانڈر کو دس ہدایتیں ارشاد فرمائیں: (۱) کسی بچہ کو قتل مت کرنا (۲) کسی عورت پر ہاتھ مت اٹھانا (۳) کسی ضعیف بوڑھے کو مت مارنا (۴) کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا (۵) کسی بکری اور اونٹنی وغیرہ کو خواہ مخواہ ذبح مت کرنا، ہاں اگر کھانے کی ضرورت ہو تو حرج نہیں (۷) کسی باغ کو نہ جلانا (۸) کسی باغیچہ میں پانی چھوڑ کر اسے تباہ مت کرنا (۹) بزدلی مت کرنا (۱۰) غنیمت کے مال میں خیانت مت کرنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۷)

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ لشکر روانہ کرتے وقت یہ تاکید فرماتے تھے کہ جو راہب اپنی کٹیوں (اور آشرموں) میں عبادت میں مشغول ہیں ان کو قتل مت کرنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۸)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی بھی مرحلہ میں بے قصوروں کے ساتھ زیادتی کو پسند

نہیں کرتا۔اوراس بارے میں اسلامی تعلیمات فطری طور پر انسانیت کی بقااور تحفظ کی ضمانت ہیں۔

اس کے برخلاف آج پوری دنیا کا حال یہ ہے کہ کسی بھی جنگ کا دائرہ صرف قصورواروں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ مہلک ترین انسانیت کش ہتھیاروں کے ذریعہ قصوروار تو کم ہلاک ہوتے ہیں بیچارے بے قصور عوام زیادہ نشانہ پر آتے ہیں۔آج جو طاقتیں اپنے کو انسانی حقوق کا تنہا ٹھیکیدار کہہ کر اسلام کو بدنام کرنے میں مشغول ہیں ان کی پوری تاریخ لاکھوں لاکھ بے قصور اور بے سہارا انسانوں کے خون میں لت پت ہے۔ یہ لوگ انسانی حقوق کے بدترین اور خونخوار قاتل ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے منہ کو انسانی خون کا ذائقہ لگ چکا ہے۔ جاپان کے دوشہروں ''ہیروشیما، ناگاساکی'' کی ایٹم بم سے تباہی جس میں کئی لاکھ افراد چند لمحوں میں لقمۂ اجل بن گئے۔ پھر افغانستان کی طویل خانہ جنگی جس میں کم وبیش ۳۰/لاکھ افراد کام آچکے ہیں، اور مشرق وسطی میں اسرائیلی دہشت گردی (جس کی پشت پناہی پوری مغربی دنیا کررہی ہے) جس نے ہزار ہا ہزار عربوں اور فلسطینیوں کو تہہ تیغ کردیا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی برابر جاری ہے۔ نیز عراق پر امریکی پابندیاں، جس کے نتیجہ میں ایک رپوٹ کے مطابق ۱۶/لاکھ عراقی بچے موت کے آغوش میں پہنچ چکے ہیں۔اور چیچنیا، کوسووا، الجزائر، اور نائیجریا وغیرہ میں خانہ جنگی کے رستے ہوئے ناسور، جن میں مغربی طاقتیں بلا واسطہ یا بالواسطہ ملوث ہیں، اوراس سے قبل برطانوی سامراج کے مظالم کی الم ناک اور کرب ناک داستانیں، اس بات کی گواہ ہیں کہ اسلام کو الزام دینے والی طاقتیں خود انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں، انہیں انسانیت عزیز نہیں بلکہ صرف اور صرف اپنے مفادات عزیز ہیں۔ان کی انسانیت کشی کے دھبوں سے آج پوری انسانیت داغدار ہے۔اور ہر منصف مزاج انسان آج ان کی حرکتوں سے نالاں اور متنفر ہے۔اور مظلوموں کی آہیں ان کا تعاقب کررہی ہیں۔

مثلہ کرنے اور آگ میں جلانے کی ممانعت

ہر انسان کے اعضاء اسلام کی نظر میں قابل احترام ہیں، لہذا کسی عضو انسانی کا بگاڑنا زندگی میں یا مرنے کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اسلام اس معاملہ میں مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تفریق

نہیں کرتا۔ شریعت اسلامی میں مثلہ (اعضاء کا بگاڑنا) قطعاً منع ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صدقہ دینے کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (ابوداؤد شریف ۲/۳۶۲) اسی طرح کسی قیدی یا مجرم کو آگ میں زندہ جلانا بھی شرعاً منع ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ اُعَذِّبُ بِعَذَابِ اللّٰه، اِنَّمَا بُعِثْتُ بِضَرْبِ الرِّقَابِ وَشَدِّ الْوَثَاقِ. (مصنف ابن ابی شیبة ٦/٤٨٩)

مجھے اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ میں (لوگوں کو) اللہ کا (مخصوص آگ کا) عذاب دوں، بلکہ مجھے تو (دشمنوں کی) گردن اڑانے اور انھیں قید کرنے کا حکم دیکر بھیجا گیا ہے۔

یہ ہے اسلام میں انسانی حقوق کا چارٹر! کہ کسی بدترین دشمن کے ساتھ بھی غیر انسانی سلوک کی اسلام میں اجازت نہیں۔

اب ذرا دوسری طرف نظر ڈالئے، اسلام کو بدنام کرنے والی طاقتیں جو ہر وقت انسانی حقوق کا نام جپتے نہیں تھکتیں آج انھوں نے مہلک ترین اور خوفناک، انسانیت کش ہتھیاروں سے دنیا کو بھر دیا ہے، آج تمام بڑی طاقتیں زمین کے بڑے حصہ پر ہولناک تباہی مچانے والے ہتھیاروں سے نہ صرف لیس ہیں، بلکہ یہ ہتھیار اپنے مفادات کے لئے نہایت بے رحمی سے استعمال بھی کر رہی ہیں۔ ابھی حالیہ جنگ افغانستان میں انہی امن کے نام نہاد علمبرداروں نے مل کر ہزارہا ہزار ٹن بموں کی بارش برسائی۔ جنھوں نے آبادیوں کی آبادیاں تہس نہس کر ڈالیں، نشانہ لگا لگا کر بے قصور افراد کو زندہ جلا ڈالا، آج افغانستان کے جنگلوں میں، کوہستانوں میں، وادیوں میں اور آبادیوں میں انسانی اعضاء کے چیتھڑے بکھرے پڑے ہیں، کتنی لاشوں کو وہاں گور و کفن نصیب نہیں ہوا، کتنے غار وہاں وحشیانہ بمباری سے زندہ انسانوں کے مدفن بن گئے۔ آج دنیا کا یہ غریب ترین ملک یتیموں اور بیواؤں کی آہوں اور سسکیوں کی آماج گاہ بن چکا ہے، گھر گھر میں ماتم ہے۔ آنسوؤں کا سیلاب ہے جو تھمنے میں نہیں آ رہا ہے، مگر آج مغربی طاقتوں کا ''خوفناک عفریت'' ان بے قصوروں کی لاشوں پر فتح کا رقص منا رہا ہے۔ اور ساری دنیا اس زہریلے رقص کا خاموش تماشہ

دیکھ رہی ہے۔ یہ نسل کشی اور انسانیت کی پامالی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ظالم اور ملعون طاقتیں آخر کس زبان سے انسانی حقوق کا نام لیتی ہیں؟ ان کے لئے تو انسانیت کا نام لینا بھی باعث شرم و عار ہے۔ یہ انسانیت کے برملا قتل عام کے بین الاقوامی مجرم ہیں، جو اپنا جرم چھپانے کے لئے اسلام جیسے مقدس اور امن و آشتی کے علم بردار مذہب کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مگر یہ یاد رکھیں کہ اسلام اور اس کی تعلیمات ہمیشہ سے روشن ہیں اور روشن رہیں گی۔ اور دنیا میں جب بھی کسی کو سکون کی تلاش ہوگی اور عالمی فتنہ وفساد سے گھبرا کر امن وامان کی فضا میں سانس لینے کی ہوک اٹھے گی، تو صرف اور صرف اسلام ہی کا دامن ایسا نظر آئے گا جہاں مظلوموں کو انصاف ملے گا، اور سکون سے محروم لوگوں کو طبعی سکون میسر آئے گا۔ اس لئے کہ اس کرۂ ارض پر اسلام سے زیادہ انسانیت نواز اور انسانی حقوق کا ضامن نہ کوئی مذہب ہے اور نہ کسی نظریہ میں اتنی جامعیت ہے جو ساری دنیا کی انسانی ضرورتوں کی تکمیل کر سکے۔ یہ وہ فطری مذہب ہے جسے خلّاق کائنات نے اپنی عظیم حکمت اور وسیع الشان علم کا مظہر بنا کر اپنے بندوں کے سامنے پیش کیا ہے، لہذا اس سے بہتر اور اس سے برتر نہ کوئی مذہب ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور اس سے بغض رکھنے والے خواہ اس پر کتنی ہی کیچڑ اچھالیں اس کی تابنا کی میں نہ کوئی فرق آیا ہے نہ آسکتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں اعلان فرمایا ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ. (الصف ۸)	چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے (پھونک مار کر) اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

بیشک اللہ کا فرمان برحق ہے، اور انشاء اللہ دیر سویر دنیا پر دین حق غالب ہو کر رہے گا، اور اس کے مخالف ذلیل ورسوا ہو کر تاریخ کا عبرت ناک باب بن جائیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين، برحمتك يا ارحم الراحمين ۔

○○

اسلامی معاشرت

اسلامی معاشرت

اللہ تعالیٰ نے ظاہر اسباب میں دنیا کی بقاء وآبادی کا مدار توالدوتناسل پر رکھا ہے۔اسی بنا پر مرد وعورت کی دو الگ الگ صنفیں بنائی گئیں اور فطرۃً ان کے درمیان کشش رکھی گئی۔ جس طرح مرد اپنے فطری جذبات کی تسکین کے لئے عورت کی طرف مائل ہوتا ہے اسی طرح عورت بھی خوابیدہ امنگوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے کسی نہ کسی مردمی قوت کے سایہ تلے رہنے کی آرزومند ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت اور بے مثال قدرت ہے۔ چناں چہ آیات خداوندی اور انعامات الٰہیہ گناتے ہوتے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً.

(سورہ روم ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنائے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس، اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی۔

آیت سے معلوم ہوا کہ مرد کے ساتھ عورت کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ دونوں قلبی سکون اور اطمینان حاصل کرسکیں۔ چناں چہ تجربہ ہے کہ جو سکون مرد کو بیوی کے پاس رہ کر حاصل ہوتا ہے، اسی طرح جو دلی اطمینان عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے میں ہوتا ہے وہ عموماً کہیں اور میسر نہیں ہوتا۔ ازدواجی تعلقات قائم ہوتے ہی الگ الگ خاندان اور الگ الگ علاقوں اور ماحول میں رہنے والے مرد وعورت حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے کے محبوب بن جاتے ہیں۔ زوجین میں پیدا ہونے والی یہ عدیم النظیر محبت ومودت ہی دراصل عالمی نظام آبادی کو برقرار رکھنے کا سبب ہے۔ ورنہ شاید ہی کوئی عقد نکاح پورے طور پر کامیابی سے ہمکنار ہو پاتا۔

ساتھ ہی یہاں قرآن کریم کے اسلوب سے اس حقیقت کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ زوجین کے درمیان اس ''محبت ورحمت'' کی بنیاد وہ ''رشتۂ زوجیت'' ہے جو ان کے مابین قائم ہے۔ چناں چہ تجربہ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اگر مرد وعورت میں یہ رشتہ موجود نہ ہو تو وہ دونوں نہ تو زوجیت جیسا سکون حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ان میں محبت کی پائیداری کا وہ معیار پایا جا سکتا ہے جو واقعتاً زوجین میں ہوتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابِّيْنَ مِثْلَ النِّكَاحِ. (مشكوة شريف ١/ ٢٦٨)

آپ ناکح ومنکوح جیسے محبت کرنے والے (کہیں اور) نہ دیکھیں گے۔

نکاح ہی کیوں ضروری ہے؟

یہاں یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ دنیا کی آبادی نکاح ہی پر کیا موقوف ہے؟ یہ ضرورت تو بلا نکاح بھی پوری ہو سکتی ہے۔ پھر اسلام نے نکاح ہی کو کیوں متعین کیا ہے؟ اس وہم کو دور کرنے کے لئے درج ذیل حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

الف : نکاح کے بغیر مرد وعورت میں جو جنسی تعلق قائم ہوتا ہے وہ دیرپا نہیں ہوتا۔ جوں جوں عمر ڈھلتی ہے اور کشش کے اسباب کم ہوتے ہیں اسی رفتار سے محبت کے تار و پود بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ جب کہ نکاح کے ذریعہ قائم ہونے والا تعلق وقت کے ساتھ ساتھ گہرا اور پرخلوص ہوتا چلا جاتا ہے۔

ب : اگر مرد وعورت کو نکاح کی قید سے آزاد کر کے مطلقاً ایک دوسرے سے خواہشات کی تکمیل کا موقعہ دیا جائے تو یہ عالم فتنہ وفساد کی آماجگاہ اور قتل وخوں ریزی کا مرکز بن جائے، اس لئے کہ پسندیدہ مفادات کے ٹکراؤ اور پیدا ہونے والے بچوں پر دعویٰ استحقاق ایسے سنگین مسائل ہیں جن سے نپٹنا ناممکن ہے۔

ج : نکاح کی قید اگر نہ ہو تو نسب کی حفاظت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آزادی کی بنا پر جس بچے پر جو شخص چاہے دعویٰ کرنے کا مجاز ہوگا۔

د : نکاح نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کے حقوق کی زبردست پامالی اوران کی تربیت میں نہایت کوتاہی ہوتی ہے۔اس لئے کہ واقعی باپ معلوم نہ ہونے کی بناپرکوئی شخص بچے کی کفالت کے لئے تیارنہیں ہوتا۔

الغرض نکاح عالمی معاشرہ کی ایسی بنیادی ضرورت ہے جس سے کسی وقت بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔اگرنکاح کے بجائے ''اباحیت'' اور ''جنسی آزادی'' کے نظریہ پرعمل کیا جائے تو عالمی امن وسکون تاراج ہوکررہ جائیگا۔عرب کا زمانۂ جاہلیت اوراس میں رائج حیاسوز رسومات اور قتل وغارت گری کے بھیانک مناظر اسی اباحیت پسندی کا نتیجہ تھے۔اورآج یورپ میں جو کچھ ہورہا ہے اس نے وہاں کے خاندانی نظام کو پامال کر کے رکھ دیا ہے،اورذہنی سکون سے انسان محروم ہوکررہ گیا ہے۔

زنا کاری کی مذمت

اسی بناپراسلام نے عالمی امن وامان کی برقراری اورانسان کی اخلاقی قدروں کی بھرپور حفاظت کے لئے خاص طورپر ''اباحیت'' یابالفاظ دیگر ''زناکاری'' پرروک لگانے کی پوری کوشش کی ہے۔قرآن کریم میں اعلان فرمایا گیا:

وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنیٰ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِیْلًا. (بنی اسرائیل آیت ۳۲)	اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے۔وہ ہے بے حیائی اوربری راہ ہے۔
وَلَا تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (الانعام ۱۵۱)	اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام کے جوظاہر ہو اس میں سے اورجوپوشیدہ ہو۔

اسی طرح مومنین صالحین کی جابجا یہ صفت بیان فرمائی گئی کہ وہ ''زنانہیں کرتے'' (سورہ فرقان آیت ۱۶۸)

وہ اپنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔(سورہ مومنون آیت ۵)

نیز احادیث مبارکہ میں زنا کو سنگین شرعی جرم کے روپ میں پیش کیا گیا حتی کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ ''زانی زنا کرتے وقت مؤمن ہی نہیں رہتا''۔ (مشکوۃ شریف ۱۷/۱)

اور آنحضرت ﷺ کو سفر معراج میں زانیوں کے عذاب الیم کا مشاہدہ کرایا گیا کہ وہ آگ کے تنور میں جل بھن رہے ہیں۔ (مظاہر حق ۴/ ۴۱)

زنا کی روک تھام

پھر اسلام نے زنا کی روک تھام میں محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں لیا (جیسا کہ آج کل کے نام نہاد مہذب لوگوں کا شیوہ ہے) بلکہ عملی طور پر اس فاحشہ اور معاشرہ کے ناسور کو ختم کرنے اور بلکہ جڑ سے اکھیڑ دینے کی جدوجہد کی۔ چناں چہ:

(۱) زنا کی عبرتناک سزا مقرر کی گئی ہے یعنی اگر مجرم کنوارا ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں (سورۂ نور آیت ۲) اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے سنگ سار کیا جائے تا آں کہ وہ مر جائے۔ (مشکوۃ شریف ۲/ ۳۰۹) ان عبرت ناک اور نا قابل معافی سزاؤں پر عمل درآمد کی وجہ سے زنا کاری کا کافی حد تک سد باب ہو جاتا ہے۔

(۲) شریعت میں فواحش کا برسر عام تذکرہ تک ممنوع ہے حتی کہ اگر کوئی شخص بلا تحقیق کسی شخص یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر ۸۰ رکوڑے کی سزا بطور ''حد قذف'' جاری کی جاتی ہے۔ تا کہ یہ موضوع عوام میں آسانی کے ساتھ بحث کا موضوع نہ بنے۔ اور قذف کے سزاوار کو فاسق قرار دے کر اس کی گواہی غیر معتبر مانی جاتی ہے (سورہ نور آیت ۴) تا کہ وہ اپنی عزت نفس جاتے رہنے کے خوف سے اس منکر کا ارتکاب نہ کرے۔

(۳) فواحش و منکرات کا سب سے بڑا سبب مرد و عورت کے درمیان بے محابا اختلاط اور بے حجابی ہے۔ شریعت نے اس دروازہ کو بند کرنے کے لئے اپنے متبعین کو شرعی پردہ کا پابند بنایا ہے۔ اور اس عمل کو تزکیۂ نفس کا سبب قرار دیا ہے۔ چناں چہ مرد و عورت کو اپنے محارم و ازواج کے علاوہ دیگر اجنبی لوگوں سے نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہ محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (سورۂ نور ۳۰-۳۱) اور مومن عورتوں

کو چادریں اوڑھنے (برقع وغیرہ اوڑھ کر پردہ کرنے) کی ہدایت دی گئی ہے۔ (الاحزاب ۵۹)

اسی طرح احادیث مبارکہ میں اجنبی سے تنہائی کرنے کی ممانعت فرمائی گئی۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ ''دو اجنبی مرد وعورت جب تنہائی میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے''۔ (ترمذی شریف ۱/۱۴۰)

نیز فرمایا گیا ''عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے''۔
(مشکوۃ شریف ۲/۲۶۹)

حاصل یہ ہے کہ ہر وہ راستہ جس سے فحش کاری میں ابتلا ہوسکتا ہو اس پر شریعت نے بند لگا دیا ہے۔ کوئی سچا صاحب ایمان ان تعزیری احکامات پر عمل کرتے ہوئے کبھی بھی اس معصیت میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔

نکاح؛ پاک دامنی کا سب سے بڑا ذریعہ

ان احکامات کا منشا یہ نہیں ہے کہ انسان کو اس کی فطری خواہشات کی تکمیل سے بالکلیہ محروم کر دیا جائے بلکہ شریعت نے انسانی طبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے ''نکاح'' کو نہ صرف مباح قرار دیا ہے بلکہ بعض اوقات وہ فرض کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ نکاح عفت و پاکیزگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ وساوس شیطانیہ کو دفع کرنے کا مؤثر ہتھیار ہے۔ ''عالمی امن'' کی برقراری کا سبب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر رضائے خداوندی حاصل ہونے کا فطری راستہ ہے، اباحیت ور ہبانیت کے بجائے نکاح کا حکم دے کر اسلام نے اپنے دین فطرت ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

نکاح کی ترغیبات

قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات طیبہ سے نکاح کے مطلوب ومرغوب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا:

(۱) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. (النساء ۳)	تو نکاح کرلو جو عورتیں تم کو خوش آویں دو دو، تین تین، چار چار۔

(۲) وَانْكِحُوْا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ. (النور: ۳۲)

اور نکاح کردو رانڈوں کا اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔

(۳) وَاَحَلَّ لَكُمْ مَّاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (النساء: ۲۳)

اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو، نہ مستی نکالنے کو۔

(٤) وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصِنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمَنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ. (النساء ۲۵)

اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیویاں مسلمان تو نکاح کرلے ان سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں جو کہ تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان۔

یہ آیات واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ عفت و پاکدامنی حاصل کرنے اور توالد و تناسل کے مقاصد سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت مہتم بالشان معاملہ ہے۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں جا بجا اہتمام کیساتھ معاشرتی مسائل کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں نکاح کی اہمیت

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی قولی و عملی احادیث بھی نکاح کی اہمیت پر صراحۃً دال ہیں:

(۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے "جب کسی شخص نے نکاح کرلیا تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کرلیا اب وہ (آگے) آدھے باقی ماندہ دین میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے" (مشکوۃ شریف ۲/۲۶۸)

نکاح کو نصف دین قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ گناہوں کا زیادہ تر صدور انسان کے منہ اور شرمگاہ سے ہوتا ہے اگر وہ نکاح کر کے شرمگاہ کو گناہوں سے بچالے تو گویا اس نے معاصی کے آدھے راستے کو بند کر دیا اور دینی خرابی سے بچالیا۔

(۲) نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے "اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے قدرت رکھتا ہو

اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے اس لئے کہ وہ نگاہ کو بہت زیادہ نیچا رکھنے اور شرمگاہ کی بہت زیادہ حفاظت کا ذریعہ ہے''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶۷)

یعنی یہ نکاح عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے مامون و محفوظ راستہ ہے ہر صاحب قدرت مسلمان کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۳) اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے ''ترک لذات'' کے ارادہ کا علم ہونے پر ارشاد فرمایا: ''میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، اور سوتا ہوں اور (رات) میں جاگتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور بلا روزہ بھی رہتا ہوں، پس جو شخص میری سنت اور طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے''۔ (بخاری شریف ۲/۷۵۷)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ نکاح سنت نبوی ﷺ ہونے کی بنا پر ایک اہم عبادت بھی ہے۔

(۴) اور ایک موقعہ پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ خطاب فرمایا ''ٹوٹ کر محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیوں کہ میں تمہارے ذریعہ سے قیامت کے دن (دیگر امتوں پر) کثرت کرنے والا ہوں گا۔ (ابوداؤد شریف ۱/۲۸۰)

معلوم ہوا کہ نکاح کے اہم ترین مقاصد دو ہیں: اول زوجین میں محبت کی افزونی اور دوم طلب اولاد جن کا لحاظ رکھنا بہر حال ضروری ہے۔

(۵) نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص چاہتا ہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پاک اور پاکیزہ ہونے کی حالت میں حاضر ہو تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے''۔ (ابن ماجہ ۱۳۴)

یعنی نکاح اللہ تعالیٰ کی نظر میں بندے کی پاکیزگی اور پاکدامنی کا ذریعہ ہے۔

ان روایتوں سے اسلام کی نظر میں نکاح کی اہمیت کا اندازہ باسانی لگایا جاسکتا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ ''صرف دو عبادتیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد سے لے کر قیامت تک یکساں طور پر مشروع ہیں ان میں ایک ایمان ہے دوسرے نکاح، اور یہ دونوں عبادتیں جنت میں بھی جاری رہیں گی۔ (درمختار مع الشامی ۱/۳)

نکاح کا شمار حضرات انبیاء علیہم السلام کی خاص سنتوں میں ہوتا ہے۔ (زادالمعاد ج ۴/۲۵۲)

نکاح سلف صالحین کی نظر میں

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ تابعین اور سلف صالحین نے بھی نکاح کا نہ صرف معمول رکھا بلکہ اس کی برابر رغبت دلاتے رہے۔ احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ''نکاح سے مانع صرف دو چیزیں ہیں ایک عاجزی دوسرے فسق و فجور''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۴۴۰)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ ''حاجی کا حج اس وقت تک پورا نہ ہوگا جب تک کہ وہ شادی نہ کرلے''یعنی غیر شادی شدہ شخص فراغت قلب کے ساتھ ارکان ادا نہیں کرسکتا۔

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے'' کہ اگر میری عمر کے کل دس دن ہی رہ جائیں تو بھی میری خواہش ہوگی کہ میں نکاح کرلوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ''بلا زوجہ'' والا ہونے کی حالت میں پیش نہ ہوں۔ (مثلہ فی مجمع الزوائد ۴/۲۵۱)

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون کی وبا میں انتقال فرما گئیں آپ خود بھی طاعون میں مبتلا تھے۔ مگر پھر بھی آپ نے لوگوں سے کہا کہ میری شادی کرادو کیوں کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ''بے بیوی والا'' ہونے کی صورت میں ملاقات کروں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۴۳۹)

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت نکاح کرنے والے تھے اور فرماتے تھے کہ میں صرف اولاد طلب کرنے کے لئے نکاح کرتا ہوں۔

(۶) پچھلی امتوں میں ایک عابد کثرت عبادت کی وجہ سے اہل زمانہ پر فائق ہوگیا، اس کا ذکر جب اس زمانہ کے نبی کے سامنے ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ''وہ اچھا آدمی ہے بشرطیکہ وہ ایک سنت کو نہ چھوڑے'' جب نبی کا یہ قول اس عابد کو معلوم ہوا تو وہ بہت مغموم ہوا اور اس نے آکر نبی علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ تم نے نکاح کی سنت چھوڑ رکھی

ہے۔تو عابد نے جواب دیا کہ میں اسے حرام نہیں سمجھتا مگر بات یہ ہے کہ میں فقیر ہوں اور لوگوں پر بوجھ ہوں (اس لئے نکاح نہیں کرتا) اس پر نبی وقت نے کہا کہ میں اپنی بیٹی تمارے نکاح میں دیتا ہوں اور اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔

(۷) بشر بن الحارث کہتے ہیں کہ ''احمد بن حنبل مجھ پر تین وجوہات سے بڑھے ہوئے ہیں ایک تو وہ خود اپنے لئے اور ساتھ میں غیروں (اہل وعیال) کے لئے کماتے ہیں اور میں صرف اپنے لئے ہی کماتا ہوں، دوسرے وہ نکاح کرنے میں بڑے وسیع الظرف واقع ہوئے ہیں اور میں اس معاملہ میں تنگ ہوں تیسرے یہ کہ وہ امام کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں۔

(۸) منقول ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی والدہ کی وفات کے اگلے ہی دن دوسرا نکاح کر لیا اور فرمایا کہ میں بے بیوی والا بن کر رات گزارنا پسند نہیں کرتا۔

(۹) بشر بن الحارث کا جب انتقال ہوا تو بعض لوگوں نے انھیں خواب میں دیکھا اور حالات پوچھے۔انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرے اتنے درجے بلند فرمائے کہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقامات دیکھ سکتا ہوں تاہم میں اہل وعیال والے خوش نصیبوں کے درجہ تک نہ پہنچ سکا۔

(۱۰) انہی بشر بن الحارث سے خواب میں پوچھا گیا کہ حضرت ابونصر تمارؒ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ بشر نے کہا کہ انھیں مجھ سے ستر درجہ اوپر رکھا گیا ہے۔لوگوں نے کہا کہ دنیا میں تو ہم انھیں آپ سے اونچا نہ سمجھتے تھے تو بشر نے جواب دیا کہ یہ درجہ انہیں اپنے بچوں اور اہل وعیال کی تکلیفوں پر صبر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

(۱۱) بعض لوگوں کا مقولہ ہے کہ شادی شدہ آدمی سے غیر شادی شدہ شخص ایسے ہی افضل ہے جیسے بیٹھے رہنے والے کے مقابلہ میں جہاد کرنے والا افضل ہوتا ہے۔اور شادی شدہ شخص کی ایک رکعت غیر شادی شدہ کی ستر رکعت نماز سے افضل ہے۔(احیاء العلوم ۲/۱۱-۲۱)

نکاح کے درجے

حالات اورضروریات کے لحاظ سے حضرات فقہاء کرام نے نکاح کے مختلف مراتب اور درجے مقرر فرمائے ہیں۔جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) اگرشوہر بیوی کے حقوق کی دائیگی پر قادر ہو یعنی مہر ونفقہ کا انتظام کرسکتا ہواور اسے یقین ہو کہ اگر وہ نکاح نہ کرے گا تو مبتلائے معصیت ہو جائے گا تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض ہے۔

(۲) اگر وہ حقوق ادا کرسکتا ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں ابتلائے معصیت کا اندیشہ ہو نیز اس کے شہوانی جذبات برانگیختہ ہوں تو ایسے آدمی پر نکاح کرنا واجب ہے۔

(۳) اگر اعتدال کی حالت ہو یعنی نہ تو جذبات میں تلاطم ہو اور نہ بالکل سرد مہری ہو اور ساتھ میں حقوق زوجہ کی ادائیگی پر قدرت ہو تو ایسی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ پاکدامنی اور توالد وتناسل کی نیت سے ناکح کو ثواب ملے گا اور تارک گنہ گار ہوگا۔

(۴) اور ایسے وقت نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے جب کہ اسے عورت کے حقوق میں کوتاہی کرنے کا اندیشہ ہو۔

(۵) اور اگر عورت پر ظلم وناانصافی کا یقین ہو (اپنی مجبوری اور تنگی کی بنا پر) تو اس وقت نکاح کرنا قطعاً جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔اس لئے کہ یہ حق تلفی کا باعث ہے (درمختار مع الشامی ۶/۳-۷) اور حنفیہ کے نزدیک نکاح میں اشتغال نوافل سے بڑھ کر ہے۔علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع میں اور علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں اسے مدلل طور پر ذکر فرمایا ہے۔(البحر الرائق ۳/۸۰)

واضح رہے کہ یہ ساری ترغیبات اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ نکاح کرنے والا جسمانی ومادی ہر اعتبار سے حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہو ورنہ اگر مطلقاً اس کی اجازت دی جائے گی تو عورتوں پر ظلم وستم کا دروازہ کھل جائے گا۔اسی بنا پر قرآن کریم میں ایسے عاجزوں کو عفت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔سورہ نور میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لاَ یَجِدُوْنَ ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو

نِـكَـاحـاً حَتّٰـى يُـغْـنِيَـهُـمُ اللّٰـهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (النور ۳۳) چاہئے کہ (اپنے نفس کو قابو میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔

نکاح کرتے وقت کن باتوں کا خیال رہے؟

شریعت کی نظر میں نکاح زندگی کی رفاقت کا ایک پختہ عہد ہے۔ جو اسی وقت کامیابی کے ساتھ انجام پا سکتا ہے جب کہ دونوں عہد کرنے والے فریقوں (زن وشوہر) کے درمیان انس ومحبت پیدا کرنے کے اسباب کامل طور پر پائے جائیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں۔ چناں چہ شریعت نے اس مقصد کے حصول کے لئے بھی بہت واضح ہدایتیں دی ہیں مثلاً:

الف : نکاح کرتے وقت دونوں جانب دینداری کا لحاظ رکھا جائے۔ اس لئے کہ دین ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو حقوق کی ادائیگی پر پوری طرح آمادہ کر سکتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال، حسب ونسب، حسن وجمال اور دینداری کی وجہ سے، مگر تم دینداری کو ملحوظ رکھا کرو''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶)

نیز آپ نے فرمایا ''دنیا سب کی سب تھوڑے عرصہ کا سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک (دیندار) بیوی ہے''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶)

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا ''مومن نے تقویٰ کے بعد کوئی بھلائی نیک بیوی سے بڑھ کر حاصل نہیں کی۔ جس کی صفت یہ ہے کہ وہ اسے کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے۔ جب اس پر کوئی قسم کھائے تو اسے پورا کر دے۔ اور اگر اس سے غائب ہو تو اپنی ذات اور اس کے مال میں خیانت نہ کرے''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶۸)

اسی طرح لڑکوں میں بھی اسی صفت کو اولین اہمیت دی جائے۔ محض حسب ونسب اور مال و دولت کو نہ دیکھا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اگر تمہارے پاس ایسا شخص رشتہ لے کر

آئے جس کی دینداری اور اخلاق تم کو پسند ہو تو (اپنی لڑکی وغیرہ) اس سے بیاہ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔ (مشکوۃ شریف ۲۶۷/۲)

حاصل یہ ہے کہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے اور اپنی نسل میں دینی جذبات برقرار رکھنے کے لئے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کا خاص خیال رکھا جائے۔

کفائت کا خیال

ب : حسن معاشرت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں رتبہ اور عزت وغیرہ میں یکسانیت پائی جائے۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر زوجین ہم رتبہ یا ماحول کے اعتبار سے ہم آہنگ نہیں ہیں تو ان میں انس ومحبت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے ''کفائت'' کا لحاظ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم اولاد میں خاندانی خصوصیات اور اخلاق وشمائل برقرار رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کفو میں شادی بیاہ کرو اور اپنے نطفوں کو انہیں میں رکھو۔ (دار قطنی ۴۱۵/۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حسب نسب والی عورتوں کو صرف ان کے ہم مثلوں میں شادی کرنے کا حکم دوں گا اور اس کے خلاف سے روکوں گا۔ (دار قطنی ۴۱۵/۲)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ کفو دینداری، عزت ومنصب اور مال میں دیکھا جائے، سفیان ثوریؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ بھی اس قسم کے الفاظ ارشاد فرماتے تھے (دار قطنی ۲۱۶/۲) اور کتب فقہ میں صراحت کی گئی ہے کہ کفائت میں صرف مرد کی جانب کا اعتبار کیا جائے گا اور چھ اسباب و وجوہات پیش نظر رکھی جائیں گی۔

(۱) اسلام (۲) آزادی (۳) دینداری (۴) حسب ونسب (۵) صنعت وحرفت (۶) مال ودولت۔ (درمختار کراچی ۶۸/۳)

لیکن یہ واضح رہے کہ شریعت میں کفاءت ایک انتظامی حکم ہے، اس کا اصل مقصد اور منشاء زوجین میں ہم آہنگی کے مواقع فراہم کرنا ہے، اس میں ضرورت سے زیادہ شدت اور تعصب

جیسا کہ آج کل رواج ہوگیا ہے وہ بے اصل ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اور مسلمان برادریوں کے درمیان تحقیر و تنقیص کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہئے۔

جبریہ شادی کی ممانعت

ج : زوجین کی رضامندی اور طبعی رجحان کے مطابق شادی کی جائے۔ زبردستی ان پر شادی کا فیصلہ نہ تھوپا جائے۔ جہاں اس امر کا خیال نہیں رکھا جاتا ان میں جلد ہی جدائی اور افتراق کی نوبت آجاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ''کہ جس سے نکاح کا ارادہ ہو پہلے اسے ایک نظر دیکھ لو کہ یہ ازدیاد محبت کا سبب ہوگا۔ (مشکوۃ ۲۶۹/۳) اور بالغ ہوجانے کے بعد لڑکے اور لڑکی سے نکاح کی اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اگر والدین کو اندازہ ہوجائے کہ لڑکا لڑکی کے درمیان نکاح کا رجحان پایا جاتا ہے، اور وہ رشتہ کسی درجہ میں بھی قابل قبول ہو تو پھر والدین کو ضد نہیں کرنی چاہئے، بلکہ لڑکا لڑکی کی رائے کو قبول کرلینا چاہئے، ورنہ بڑے فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

نیز زوجین کی عمروں کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ خاص کرنابالغی کی حالت میں نکاح نہ کیا جائے کیونکہ اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوجاتے ہیں۔ (اصلاح انقلاب امت ۴۳/۲)

د : بہتر ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جس کے نازنخرے اور مطالبات کم سے کم ہوں اور وہ اچھے اخلاق اور بہتر آداب کی حامل ہو۔ یہ صفات عموماً کنواری لڑکیوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''کنواری عورتوں سے نکاح کرو اس لئے کہ وہ میٹھے منہ والی صاف رحم والی اور کم مال پر بھی راضی ہونے والی ہیں۔ (مشکوۃ شریف ۲/ ۲۶۸)

لیکن اگر ضرورت ہو تو مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے بھی شادی کرلینی چاہئے بلکہ بعض اوقات ان سے نکاح کرنا زیادہ باعث اجر و ثواب ہوتا ہے۔

اولیاء اور والدین کا فرض

نکاح کے متعلق لڑکوں، لڑکیوں کے والدین اور ان کے اولیاء پر بڑی اہم ذمہ داریاں

عائد ہوتی ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ان پر ضروری ہے۔ مثلاً ان پر ضروری ہے کہ بلوغ کے بعد ہی سے وہ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی فکر شروع کر دیں۔ اور جیسے ہی کسی درجہ میں مناسب رشتہ مل جائے نکاح میں دیر نہ کریں۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ ''جس شخص کے اولاد ہو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر وہ بالغ ہونے کے بعد نکاح نہ کرے گا اور لڑکا کسی گناہ (زنا) میں مبتلا ہوگا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر (بھی) ہوگا۔ (مشکوۃ شریف ۲۷۱/۲)

واقعہ یہ ہے کہ بالغ ہو جانے کے بعد بلا کسی عذر اور سبب کے کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کو نکاح سے باز رکھے رہنا معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہونے کا ایک بڑا سبب ہے۔ بعض جگہ تو یہ دیکھا گیا ہے کہ جب تک ۴۰ اور ۳۰ رسال تک عمر نہ ہو جائے شادی ہی نہیں کی جاتی اور اس سے کم عمر میں نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے یہ نہایت جہالت وحماقت کی بات ہے۔ اور ایک طرح کا ظلم ہے جس سے بچنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ''وہ عورت محتاج ہے، محتاج ہے، جس کا شوہر نہ ہو، لوگوں نے پوچھا کہ اگر چہ اس کے پاس مال ہو، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اگر چہ اس کے پاس مال ہو۔ (جمع الفوائد بحوالہ اصلاح انقلاب امت ۲۹/۲)

نکاحِ بیوگان

دوسری بڑی کوتاہی جو ہمارے معاشرہ میں رائج ہے اور جس سے بہت زیادہ اولیاء وذمہ داران اعراض کرتے ہیں وہ بیوگان اور مطلقہ عورتوں کا دوسرا نکاح نہ کرنا ہے۔ اس میں بھی احتیاط لازم ہے۔ قرآن کریم میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مطلقہ عورتیں اگر نکاح کرنا چاہیں تو انھیں اس عمل سے نہ روکو۔ (سورہ بقرہ ۲۳۲)

اس لئے پوری کوشش کرنی چاہئے کہ اگر عذر نہ ہو اور ضرورت پائی جائے تو بیوگان کے نکاح میں خاندانی عرف ورواج کا خیال نہ کرتے ہوئے شرعی حکم کے مطابق پیش قدمی کی جائے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ ایک بے سہارا عورت کی کفالت کا انتظام ہوگا بلکہ سنت کے احیاء کا ثواب ملے گا

اور غیروں کو اسلامی عائلی قوانین میں دخل اندازی کا موقعہ ختم ہو جائے گا۔

نکاح کی تقریب

تقریب نکاح کا انعقاد شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ دینی و دنیوی برکتوں سے سرفراز ہوا جا سکے۔ اس بارے میں درج ذیل ہدایتوں کو سامنے رکھا جائے۔

(۱) ایک عمومی ضابطہ تو یہ ہے کہ پوری تقریب میں اسرف بے جا اور فضول خرچیوں سے ہر ممکن احتراز کیا جائے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶۸)

(۲) نکاح کی مجلس برسر عام منعقد کی جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ''اس نکاح کا اعلان کرو''۔ (مشکوۃ شریف ۲۶۸) جس نکاح کا عام اعلان نہ ہو وہ اگر شرائط کے مطابق ہو تو اگرچہ منعقد ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کے نکاحوں میں بہت سے مفاسد ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(اصلاح انقلاب امت ۲/۵۲)

(۳) نکاح مسجد میں کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''نکاح مساجد میں کیا کرو''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶۸) حقیقت یہ ہے کہ مسجد میں نکاح بہت سی خرابیوں کو روکنے کا سبب ہے اور عبادت ہونے کی بنا پر اس کا مسجد میں ہی انجام پانا زیادہ مناسب ہے۔

(۴) بہتر ہے کہ اس مبارک تقریب کا انعقاد جمعہ کے دن کیا جائے۔ (درمختار کراچی ۳/۸)

(۵) دولہا کے گلے میں پھولوں اور نوٹوں کا ہار ڈالنا اور سہرا باندھنا یہ سب ہندوانی رسمیں ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔

(۶) نکاح کے عقد سے پہلے ''خطبہ مسنونہ'' پڑھا جائے۔ (درمختار کراچی ۳/۸) یہ خطبہ حمد و صلوۃ اور مناسب آیات احادیث پر مشتمل ہونا چاہئے۔

(۷) تقریب نکاح کے دوران خاص طور پر اس کا خیال رکھا جائے کہ کوئی خلاف شرع رسم و رواج اور گناہ کا کام نہ ہو مثلاً فوٹو کھینچنا، ویڈیو فلم بنانا وغیرہ۔

(۸) نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے عمومی دعوت کے اہتمام پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔ اس لئے اسے ضروری یا مسنون نہ سمجھا جائے۔ یہ دعوت زیادہ سے زیادہ مباح کے درجہ میں ہے۔

(۹) رسم ورواج کے مطابق لمبی لمبی باراتیں لے جانا بھی شرعاً مذموم ہے۔ اس طریقہ کو ترک کیا جائے۔

عقد نکاح

شریعت کی نظر میں نکاح تکلف وتصنع سے دور ایک سادہ عمل ہے جسے آج ہم نے سب سے پر تکلف عمل بنالیا ہے اور خود ہی اپنے لئے مشکلات کا سامان مہیا کرلیا ہے حالاں کہ اسلامی فقہ سادگی کے ساتھ نکاح کی تعریف اس طرح کرتی ہے ''نکاح ایسا عقد ہے جس سے عورت سے جسمانی نفع اٹھانے کی اجازت حاصل ہو جاتی ہے اور جو گواہوں (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں) کی موجودگی میں اصالۃً یا وکالۃً ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہو جاتا ہے اس عقد کی بنا پر مرد پر ''مہر'' اور بیوی کے نان نفقہ اور سکنی کی ذمہ داری اور عورت پر شوہر کی اطاعت لازم ہوتی ہے''۔

نکاح کی حقیقت یہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔ اس کے علاوہ ہم نے جو لوازمات اپنا لئے ہیں ان پر نکاح کی صحت یا انعقاد موقوف نہیں ہے۔

مہر

نکاح میں مہر شرط قرار دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاٰتُوْا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً. (سورہ نساء ٤) — تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو۔

سورہ نساء کی آیت ۲۴ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مہر دینا ضروری ہے۔ نکاح میں مہر اس طرح لازم ہے کہ اگر عقد کے وقت مہر کا ذکر بھی نہ کیا جائے یا یہ شرط لگا دی جائے کہ مہر نہ ہوگا تو

بھی خود بخود مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔ مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس خاندان اور اس جیسی عورتوں کا عرف میں جو مہر مقرر کیا جاتا ہو وہی رکھا جائے۔ (ہدایہ۲/۳۰۴)

حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار (جسے عرف میں مہر محمدی اور مہر شرع پیغمبری) کہا جاتا ہے دس درہم کے بقدر چاندی ہے۔ (درمختار کراچی ۳/۱۰۱) دس درہم کا وزن ۲/تولہ ساڑھے سات ماشہ ہے اور موجودہ اوزان کے بموجب اس کی تعداد ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل ۱۲۹) مثلاً اگر چاندی کا بھاؤ ۸۰/روپے فی دس گرام ہو تو مہر کی کم سے کم مقدار تقریباً تین سو روپے ہوگی حتی کہ اگر اس سے کم مہر مقرر کی گئی تو اتنی مقدار بہرحال واجب رہے گی۔

اس زمانہ میں زیادہ مہر باندھنے کو ایک فیشن اور فخر کی چیز بنالیا گیا ہے۔ اور محض ناموری، ریاکاری اور دنیوی عزت کے خیال سے اپنی وسعت سے زیادہ مہر قبول کئے جاتے ہیں۔ اور شروع ہی سے ان کی ادائیگی نہ کرنے کی نیت ہوتی ہے اور نہایت بے غیرتی کے ساتھ یا تو بیوی کی خوشامد درآمد کرکے جبراً وقہراً معاف کرالیا جاتا ہے یا پھر پوری زندگی ادا کرنے کی فکر نہیں کی جاتی اور اگر بیوی مطالبہ کرے تو اسے سخت ناگواری کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ یہ مہر کی زیادتی بسا اوقات لڑکی کے لئے بھی نہایت مصیبت کا ذریعہ بن جاتی ہے مثلاً اگر زوجین میں موافقت نہ ہوسکے تو شوہر محض اس لئے لڑکی کو معلق رکھتا ہے کہ طلاق کی وجہ سے اسے مہر ادا کرنا پڑے گا۔ نیز زیادہ مہروں کے رواج کی وجہ سے لڑکے لڑکیوں کی عمریں ڈھل جاتی ہیں اور مال ودولت کے انتظار میں نکاح سے رکے رہتے ہیں یہ سب خرابیاں قابل ترک ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ''عورت کی بہترائی میں سے یہ ہے کہ اس کا رشتہ آسانی سے ہو اور اس کی مہر کم ہو''۔ (مجمع الزوائد ۴/۲۵۵)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''خبردار عورتوں کی مہروں میں حد سے تجاوز اور مبالغہ مت کرو اگر یہ دنیوی عزت اور اللہ کی نظر میں تقویٰ کی بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس پر عمل فرمانے کے تم سے زیادہ مستحق تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح بارہ اوقیہ چاندی سے زیادہ پر کیا ہو۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۷۷)

اور ایسے شخص کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے جو مہر مقرر کرکے شروع سے ادا نہ کرنے کا خیال رکھتا ہو۔ ارشاد ہے: ''جو شخص کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں اس حق کو ادا کرنے کا خیال نہ ہو تو اگر وہ عورت کا حق ادا کئے بغیر مر گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں ''زانی'' کی حالت میں لایا جائے گا''۔ (مجمع الزوائد ۴/۲۸۴)

اس لئے مہروں کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرنا چاہئے اور اتنی مہریں نہیں باندھنی چاہئیں جن کی ادائیگی دشوار ہو جائے، آنحضرت ﷺ کی اکثر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کی مہر پانچ سو درہم چاندی منقول ہے، اس کو مہر فاطمی کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی تحقیق کے مطابق اس کا وزن ۱۳۱ تولہ تین ماشہ (چاندی) ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۴۲۴) اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے اس کی مقدار ایک کلو پانچ سو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل) (یعنی ۸۰۰۰/روپے فی کلو کے حساب سے ۱۲/ہزار تین سو روپئے مہر فاطمی کی قیمت ہوگی) علماء نے مہر فاطمی کی دیگر تعدادیں بھی نقل فرمائی ہیں۔ اس لئے نکاح خواں اور نکاح کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ جب نکاح پڑھا جائے تو جس تحقیق پر عمل مقصود ہو اس کا وزن وغیرہ بھی صراحۃً بیان کردیں اور رجسٹر نکاح میں درج کردیں تاکہ بعد میں نزاع کا اندیشہ نہ رہے۔ مہر فاطمی مقرر کرنا اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن اگر زیادتی مقصود ہو تو اسے ہی مقرر کرنے میں ایک سنت نبوی ﷺ سے مطابقت بھی ہو جائے اور برکت حاصل ہونے کا سبب ہو۔ اسی بنا پر بعض اکابر علماء خاص کر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین مدنی نور اللہ مرقدہٗ اس پر عمل کی ترغیب دیتے تھے۔

تلک

غیر مسلموں کی جن بے ہودہ رسموں نے ہمارے معاشرہ میں جگہ پکڑی ہے ان میں ایک نہایت رذیل اور گھٹیا رسم ''تلک'' کی ہے جس میں نہایت بے غیرتی، بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ لڑکے والے لڑکی والوں سے معقول رقم کے طالب ہوتے ہیں۔ اور دنیوی ساز و سامان وغیرہ کی فرمائشوں کی تکمیل پر رشتہ موقوف رہتا ہے۔ اس غیر انسانی اور نامعقول رواج نے آج سیکڑوں نہیں

ہزاروں مسلم بچیوں اور جوان لڑکیوں کو گھروں میں بلا شادی گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کتنے ایسے غریب ماں باپ ہیں جن کی راتوں کی نیندیں اس فکر میں اڑ جاتی ہیں کہ وہ کیسے اپنی عزیز بچیوں کے لئے تلک وغیرہ کا انتظام کریں اور اپنے فرض سے سبک دوشی حاصل کریں۔ تلک سے بڑھ کر لالچ، طمع اور کمینہ پن کی کوئی مثال نہیں ہوسکتی اس رسم کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ سراسر ظلم ہے، ناانصافی ہے اور اس کا نتیجہ کسی کے لئے بہتر صورت میں برآمد نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ’’جو شخص کسی عورت سے مال ودولت کی بنا پر نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سوائے اس کے فقر وفاقہ کے کسی شئی میں اضافہ نہیں فرماتا‘‘۔ (مجمع الزوائد ۴؍۲۵۴)

’’تلک‘‘ مسلم معاشرہ کے لئے ایک رستا ہوا ناسور ہے۔ اس رسم نے صرف لڑکی کے لئے ہی ذلت کے اسباب فراہم نہیں کئے بلکہ پورے قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اسلام جیسا مقدس اور پاکیزہ دین ان خرافات کا متحمل ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ کسی حامل دین وشریعت سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس رسم پر عمل کر کے اپنی قوم کے لئے بے عزتی کا سامان مہیا کرے۔

جہیز

جہیز کے مروجہ طریقے اور اس کے اثرات کے مفاسد بھی تلک کے مفاسد کسی طرح کم نہیں ہیں یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو لڑکی کے والدین کا اپنی خوشی سے بلا دکھاوے، بلا جبر اور بلا مطالبہ کے، وسعت کے مطابق اپنی بچی کو کچھ ضرورت کی چیزیں دینا ہے اس حد تک یہ امر بلاشبہ جائز ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رخصتی کے وقت کچھ چیزیں مرحمت فرمائی تھیں۔ (بہشتی زیور ۶۲؍۳۷)

لیکن دوسری چیز جو آج کل رائج ہے وہ یہ کہ لڑکے والوں کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ لڑکی زیادہ سے زیادہ جہیز لے کر آئے۔ اور اگر بدنصیبی سے لڑکی شرط کے مطابق یا خواہش کے موافق جہیز نہ لے کر آئے تو سسرال میں اس کے ساتھ سوتیلا سلوک برتا جاتا ہے، بات بات پر اسے طعنے دیئے جاتے ہیں اور گھر کے افراد کی طرف سے اس کی توہین وتذلیل کی جاتی

ہے۔ یہ صورت حال تلک کی رسم سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے اور بڑی کم ظرفی اور چھچھورے پن کی بات ہے کہ محض اس وجہ سے لڑکی کی ناقدری کی جائے کہ اس کے والدین زیادہ جہیز دینے کی وسعت نہیں رکھتے۔

کثرت جہیز اور اس کے دکھاوے کی وبا آج ہمارے معاشرہ کی پستی کی نشانی بن چکی ہے۔ بے شمار لڑکیاں جہیز کا انتظام نہ ہونے کی بنا پر گھروں میں بیٹھ کر عمریں گنوا رہی ہیں۔ کتنی ہی شادیاں جہیز کی کمی کے باعث ناکام ہو چکی ہیں۔ اور کتنے غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ جہیز کی تیاری میں سودی قرضوں کے بوجھ میں دبے پڑے ہیں۔ اور اپنی جائیدادیں اور سرمایہ جات اس قبیح رسم ورواج کی تکمیل میں گنوا چکے ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ مال و دولت سے محبت مسلمانوں کا امتیاز ہے یا ان غیر مسلموں کا جن کے نزدیک دنیوی اسباب وسامان ہی مقصود زندگی ہے اور جن کے یہاں جہیز کی کمی پر عورتوں کا خود جل جانا پرانا معمول ہے۔ اگر ہمارے معاشرہ کی بھی یہی صورت حال رہی تو خدانخواستہ ہمارے اندر بھی عورتوں کی خودسوزی کی وبا پھیل جائے گی۔

کاش معاشرہ کے بااثر اور باحیثیت لوگ اس مسئلہ کی سنگینی کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور خود اس ''کثرت جہیز'' کے عمل سے پرہیز کریں تاکہ دوسروں کو بھی حوصلہ ملے اور اس وباء کے اثرات کم ہوسکیں۔ اس سلسلہ میں اخلاص کے ساتھ جہد مسلسل کی ضرورت ہے۔

اس مشورہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لڑکی کے والدین کو بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک کا حق نہیں بلکہ اصل جس چیز پر بند لگانا ہے وہ لڑکے والوں کا جہیز کا لالچ کرنا ہے۔ لڑکے والوں کو سوچنا چاہئے کہ انہیں لڑکی دی جا رہی ہے اس کے مقابلہ میں دنیوی ساز وسامان کی کیا حیثیت ہے۔ نکاح میں یہ لالچ اور نیت کی خرابی سخت فتنوں کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اور ازدواجی زندگی میں بگاڑ کا سبب بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اسراف بیجا

شادیوں میں اس وقت جس قدر تصنع، دکھاوا اور اسراف ہونے لگا ہے وہ بھی توجہ کے قابل

اور لائق اصلاح ہے۔ اسلام نے ہمیں اس معاملہ میں جس قدر سادگی کا حکم دیا ہے اسی قدر اس میں تکلف کا رواج پڑتا جا رہا ہے اور مال و دولت کا اتنا ضیاع ہو رہا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ شادی کی تقریبات میں وہ لوگ جو دینی امور میں ایک روپیہ خرچ کرتے ہوئے رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں سجاوٹ اور ڈیکوریشن میں ہزاروں اور لاکھوں روپیہ پانی کی طرح فضول بہا دیتے ہیں اور اس کو اپنی عزت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسی طرح دعوتوں میں محض نام و نمود اور شہرت کی خاطر ہزاروں لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے اور بلا ضرورت طرح طرح کے نہایت قیمتی کھانے پکوائے جاتے ہیں۔ یہ فضول خرچی اور اسراف شریعت کی نظر میں نہایت مذموم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (اعراف ۳۱)

اور کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو۔ اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنَ. (بنی اسرائیل ۲۷؍۲۶)

اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا بے شک بے موقع اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔

پھر خاص نکاح جیسی تقریبات میں ہمیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسوہ اور طریقہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ وہ حضرات مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش تھے۔ مگر وہ نکاح کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دینے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے نکاح کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا جب وہ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ عورتوں کی خوشبو (کا رنگ) ان کے کپڑوں پر لگا تھا، تو پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نکاح کا علم ہوا۔ (مشکوۃ شریف ۲۷۷/۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس تقریب کا اتنا اہتمام نہیں تھا جتنا بے جا اہتمام ہم لوگ کرنے لگے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اور اس بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کا ذوق کیا تھا اس کا کچھ اندازہ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے قبیلۂ کندہ کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ رخصتی کا انتظام عورت کے گھر ہی کیا گیا تھا، جب رات کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے گھر پہنچے تو اپنے ساتھیوں کو باہر ہی سے واپس کر دیا۔ جب اندر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کمرہ سجایا گیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا کمرے میں آسیبی اثر ہے یا کعبۃ اللہ اٹھ کر قبیلۂ کندہ میں آ گیا ہے (کہ اس پر پردے ڈال رکھے ہیں) لوگوں نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے تو آپ رضی اللہ عنہ اس وقت تک کمرے میں داخل نہیں ہوئے جب تک کہ سارے سجاوٹ کے پردے اتار نہ لئے گئے۔ کمرے میں جا کر آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بہت سامان رکھا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ سامان کس کا ہے؟ جواب ملا کہ یہ آپ رضی اللہ عنہ کا، اور آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ میں مسافر کے توشہ کی طرح ہی دنیوی سامان اپنے پاس رکھوں اس سے زیادہ نہ رکھوں۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کمرے میں بہت سے خدام، غلام، باندیوں کو دیکھا آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ کس کے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی وصیت نہیں فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ حکم دیا ہے کہ میں جس سے نکاح کروں اس کے علاوہ کچھ نہ لوں الخ۔ (حیاۃ الصحابہ ۶۶۸/۲)

اسی طرح تاریخ میں آتا ہے کہ عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حمص کے گورنر تھے ایک مرتبہ رات میں گشت کر رہے تھے کہ اس درمیان انھوں نے دیکھا کہ ایک شادی میں کچھ لوگ کفار کی مشابہت میں آگ جلا رہے ہیں۔ تو آپ نے لوگوں کو درے سے مارا تا آں کہ سب مجمع منتشر ہو گیا۔ (حیاۃ الصحابہ ۶۷۲/۲)

الغرض کسی بھی طرح کا اسراف شریعت کی نظر میں انتہائی مبغوض ہے۔ اور سلف صالحین

کے طرزِ عمل کے خلاف ہے۔اس سے ہر ممکن احتراز ضروری ہے۔ نیز خاص کر نکاح میں یہ اسراف قلت برکت کا ذریعہ بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔ اور ہمارے یہاں اس کے برخلاف اس نکاح کی تقریب کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ فضول خرچی کی جائے۔

بفے سسٹم

خاص طور پر دعوتوں میں کھانے کے معاملہ میں اسراف بہت بڑھتا جارہا ہے، ایک تقریب کے بارے میں معلوم ہوا کہ صاحبِ خانہ نے ۸۰ رطرح کے آئیٹم تیار کئے تھے۔ ایک جگہ شادی میں جانا ہوا تو پورا دسترخوان متعدد قسم کے آئیٹموں سے بھرا ہوا تھا، اور نت نئی ڈشوں کی آمد جاری تھی، ہم کھانے سے فارغ ہوگئے لیکن اخیر تک ڈشیں آتی رہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ کھانے کا مسنون طریقہ یعنی زمین پر فرش بچھا کر کھانے کا معمول تو اب تقریباً ختم ہو چکا، کیوں کہ انگریزی فیشن والے لباس اس طریقہ پر کھانے کے لئے بیٹھنے کے متحمل نہیں ہیں۔ میز کرسیوں پر کھانے کا سلسلہ چل رہا تھا، مگر اب تو سب طریقوں کی جگہ بفے سسٹم نے لے لی ہے، کہ ''دستِ خود دہانِ خود'' یعنی خود ہی پلیٹ اٹھائیں خود ہی سالن وغیرہ نکالیں اور پھر جانوروں کی طرح شادی ہال میں ٹہل ٹہل کر جگالی کریں، بھلے ہی اچھی طرح کھایا نہ جائے مگر نام نہاد ''اسٹنڈرڈ'' پر آنچ نہ آئے۔ العیاذ باللہ۔

بے پردگی، تصویر کشی وغیرہ

علاوہ ازیں تقریبات نکاح میں جو منکرات خاص طور پر دیکھنے میں آتے ہیں ان میں بے پردگی اور بے حجابی بھی ہے۔ اول تو اب ہمارے یہاں شرعی پردہ ہی کہاں رہا ہے؟ اور جن خاندانوں میں خوش قسمتی سے اس کا اہتمام اب بھی باقی ہے ان میں بھی تقریبات کے موقع پر کھل کر بے پردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور اسے عیب نہیں سمجھا جاتا۔ نوجوان لڑکے کھانے وغیرہ کے انتظام کے بہانے بے دھڑک شادی کے گھر میں آتے جاتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں بن ٹھن کر بے پردہ تقریبات میں

شریک ہوتی ہیں اور بعض جگہ تو یہ غضب ہوتا ہے کہ عورتوں کو کھانا کھلانے والے ''مرد بیرے'' ہوتے ہیں، یہ بے حیائی ایک مؤمن کے لئے سوہان روح ہونی چاہئے۔ مگر افسوس ہے کہ اچھے اچھے دیندار حضرات بھی اس برائی کو برائی نہیں سمجھتے۔

دوسرے یہ کہ ان مواقع پر دولہا کو سلامی کے لئے گھروں میں بلایا جاتا ہے اور عورتیں جن میں ۹۵ / فیصد دولہا کے لئے غیر محرم ہوتی ہیں اسے گھیر لیتی ہیں اس کے ساتھ مذاق اور دل لگی کرتی ہیں اور اس کھلی ہوئی بے غیرتی کو لازمی اور ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ تف ہے اس بے حیائی پر! اور ماتم ہے شرم وناموس کی اس ذلت ورسوائی پر!

تیسری اور سب سے بڑی معصیت جواب رواج پا گئی ہے وہ فوٹو گرافی، اور ویڈیو گرافی کی لعنت ہے جس نے شرم وحیا کے دامن کو بالکل تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کے دولہا دولہن کے ساتھ گروپ فوٹو کھینچے جاتے ہیں پھر انہیں دوستوں کو تحفہ میں دیا جاتا ہے۔ ویڈیو کے ذریعہ ان کی فلمیں بنائی جاتی ہیں اور بے شرمی کے ساتھ ان کی نمائش ہوتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ فوٹو گرافی کا عذاب ہی کیا کم تھا (کہ تصویر بنانے والے سب سے سخت عذاب کے مستحق ہیں) اس حیا سوز تصویر کشی نے اسے مزید لعنت کا مستحق بنا دیا ہے۔ عقد نکاح جیسی مسنون عبادت اور مبارک مذہبی تقریب میں ایسے عظیم منکرات کا ارتکاب نہایت جسارت اور بے غیرتی کی بات ہے۔ کاش ہمیں اس کی سنگینی کا احساس ہو اور اس لعنت سے قوم کو بچانے کی جدوجہد کر سکیں۔

اسی طریقہ پر تقریبات میں گانے بجانے کا اہتمام اور ریکارڈنگ وغیرہ ایسی واہیات اور قطعاً خلاف شرع چیزیں ہیں جو ہرگز کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتیں۔ اس سے بہر حال دور رہنا اور دوسروں کو دور رہنے کی تلقین کرنا ضروری ہے۔ اور ساتھ میں ان برائیوں کے سد باب کے لئے اجتماعی طور پر اور سماجی تحریک کے انداز میں مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات

پہلے یہ بات آچکی ہے کہ عقد نکاح زوجین کے درمیان ''رفاقت حیات'' کا ایک پختہ عقد

ہے جس کی مکمل کامیابی کے لئے دونوں میں محبت و تعلق اور حسن معاشرت کے جذبات پائے جانے ضروری ہیں۔ اسلام نے اس نکتہ پر خصوصی توجہ دی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حسن معاشرت کی تعلیمات اسلام کی ابدی تعلیمات میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں قرآن کریم متعدد جگہ اس کی تعلیم دی گئی۔ ارشاد ہے :

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ . اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح۔

(النساء آیت ۹)

نیز میاں بیوی کے حقوق کے بارے میں فرمایا گیا :

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ. (البقرۃ ۲۸۸) اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

اور حدیث میں مردوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ "تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کی نظر میں اچھے ہیں۔ (ریاض الصالحین ۱۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنا رحمتِ خداوندی کے حصول کا ذریعہ اور برکتوں کے نزول کا سبب ہے۔

شوہر کے لئے نبوی ﷺ ہدایات

شوہر کو اللہ تعالیٰ نے بیوی پر حاکم بنایا ہے۔ (سورۂ نساء ۳۴) اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ایک عادل اور منصف حاکم کی طرح بیوی کے ساتھ معاملہ کرے۔ یعنی اس کے جو بھی حقوق اپنے ذمہ میں آتے ہیں ان کو پوری طرح ادا کرے اور بیوی کے ذمہ جو حقوق ہیں ان سے زیادہ کا اس سے طالب نہ ہو۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو کبھی بھی ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں گزر سکتی۔ ذیل میں چند اہم احادیث مبارکہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن میں مردوں کو خطاب کرتے ہوئے انہیں عورتوں کے ساتھ حسنِ معاملہ کی تلقین کی گئی ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عورتوں کے

ساتھ اچھی طرح پیش آؤ کیوں کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا اوپری ہوتا ہے۔ پس اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو تم اسے توڑ دوگے اور اگر چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہذ عورتوں سے اچھا معاملہ کرتے رہو"۔(ریاض الصالحین ۱۳۴)

مطلب یہ ہے کہ عورتوں میں فطرتاً کچھ عقلی ضعف رکھا گیا ہے جس کی بنا پر بسا اوقات ان کے طرز عمل سے مرد برافروختہ ہوجاتا ہے اور انتہائی قدم اٹھانے کی ٹھان لیتا ہے ایسے وقت میں سنجیدگی سے کام لے کر اور نرمی دکھا کر معاملہ کو ٹوٹنے سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔

(۲) آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "خبردار ہوجاؤ! اور اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے پاس (گویا کہ) قید ہیں۔ تم ان کے اوپر سوائے استمتاع وغیرہ کے کسی چیز کے مالک نہیں ہو مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں ان کی خواب گاہوں میں (اکیلا) چھوڑ دو اور انہیں حدود میں رہ کر مارو (یعنی زیادہ شدید مار نہ مارو) اگر وہ تمہاری فرماں بردار ہوجائیں تو ان پر بہانے نہ تراشو، اور خوب غور سے سنو کہ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ تمہارے بستروں پر تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو نہ بٹھائیں۔ اور ایسے لوگوں کو تمہارے گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں اور عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کا کھانا پینا اور لباس کا اچھی طرح خیال رکھو"۔(ترمذی شریف وغیرہ)

(۳) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مالدار صحابی تھے۔ انھوں نے یہ طے کرلیا کہ دن میں روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہیں گے اسی درمیان ان کی اہلیہ (جو کافی حسین وجمیل تھیں) بعض ازواج مطہرات کے پاس گئیں ان کی بری حالت (سادہ کپڑے وغیرہ) دیکھ کر اس کی وجہ دریافت کی اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے جواب دیا کہ ہمارا عثمان رضی اللہ عنہ سے اب کیا واسطہ وہ دن بھر روزے سے رہتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ یہ بات ازواج مطہرات نے آنحضرت ﷺ سے نقل کردی چناں چہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا "اے عثمان! کیا میری زندگی میں تمہارے لئے کوئی اسوہ اور

نمونہ نہیں ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا اسوہ ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم رات بھر عبادت کرتے ہو، اور دن میں روزے رکھتے ہو حالاں کہ تمہاری اہلیہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے لہذا نماز بھی پڑھو، اور سوؤ بھی، اور روزہ رکھو اور بے روزہ بھی رہو" چناں چہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ بعد میں جب ازواج مطہرات نے ان کی بیوی کو دیکھا تو خوب خوشبو لگائے ہوئے تھیں اور خوش تھیں۔ (مجمع الزوائد ۳۰۲)

یہ واقعہ ہم سب کے لئے نصیحت ہے۔ ہم اس پر تو سارا زور صرف کرتے ہیں کہ بیوی ہماری خدمت میں خون پسینہ ایک کر دے لیکن ہمیں اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں ہوتی اسی بے توجہی سے شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے بات تفریق اور طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مؤمنین میں سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربانی کرنے والا ہو"۔ (مظاہر حق ۳/۴/۱۷)

(۵) ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارکہ مذکور ہے کہ وہ کس طرح ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَ ھْلِیْ۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۰۳) یعنی میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے اچھا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دل لگی فرماتے ہر طرح ان کی دلداری کا خیال فرماتے، کبھی موقع ہوتا تو ان کے ساتھ کھیل میں حصہ بھی لیتے اور کبھی ان کا دل خوش کرنے کے لئے کسی فوجی مشق وغیرہ کو انہیں بذات خود دکھانے کا اہتمام فرماتے تھے۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۸۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کھاتے پیتے اور ہر وہ طریقہ اختیار فرماتے جس سے محبت میں اضافہ اور الفت وموانست میں ترقی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ادب اور اعزاز سے پیش آتے حتی

کہ جماع وغیرہ کے وقت بھی اسے ملحوظ رکھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نہ میں نے کبھی حضور ﷺ کی شرمگاہ دیکھی نہ آپ ﷺ نے میری شرمگاہ کی طرف نظر فرمائی۔

آپ ﷺ نے امتیوں کو حکم دیا کہ جب وہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں تو (ان کا اکرام کریں اور) حتی الامکان پردہ کریں اور جانوروں کی طرح پورے ننگے ہوکر جماع نہ کریں۔

اس لئے محبت خدا اور رسول ﷺ اور جذبۂ اطاعت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمارا معاملہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے اور اگر کوئی ناچاقی ہوجائے تو اس پر چراغ پا ہونے کے بجائے نرمی کے ساتھ اور حکمت عملی کے ذریعہ اس سے نپٹنا چاہئے ہم اپنی بیویوں کو غلام باندی نہیں بلکہ اپنی شریک حیات سمجھیں اور حقوق کی ادائیگی کا خاص اہتمام رکھیں تو بہت سے جھگڑے بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہوجائیں۔

شوہر کے ساتھ بیوی کا کیا معاملہ ہو؟

عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کی نگرانی میں دے دیا ہے اس لئے کہ وہ خود اپنی فطری کمزوریوں کی بنا پر دنیوی انتظامات بہتر طور پر باسانی انجام نہیں دے سکتیں۔ اور چوں کہ مرد ان کا حاکم اور نگراں ہے لہٰذا ان پر اپنے حاکم کی اطاعت ضروری قرار دی گئی ہے جو خوشگوار ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔ عورت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت گزار رہو اس سلسلہ میں بعض احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ”جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے اس سے (قیامت میں) کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہوجائے“۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۰۶)

(۲) آپ ﷺ نے ایک طویل حدیث کے دوران ارشاد فرمایا کہ ”اگر میں (اللہ کے علاوہ) کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ شوہر کے عظیم حق ہونے کی بنا پر اسے سجدہ

کرے۔اور کوئی عورت اس وقت تک ایمان کی مٹھاس نہیں پاسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق نہ ادا کرے حتی کہ اگر شوہر اس سے سواری پر جماع کا طالب ہو تو اسے چاہئے کہ اس کا حق ادا کرے۔
(مجمع الزوائد ۳۰۹/۴)

(۳) اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ ''ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد کی طرف سے عورتوں کے مجمع میں تشریف لائے اور عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اے عورتوں کی جماعت! تم ہی زیادہ تر جہنم کی ایندھن بنوگی''! اسماء کہتی ہیں کہ اس پر میں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''اس لئے کہ تمہیں جب کچھ دیا جاتا ہے تو تم اس پر شکر نہیں کرتیں، جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو تم صبر نہیں کرتیں، اور جب تم پر گرفت کی جاتی ہے تو شکوہ اور گلہ کرتی ہو اور دیکھو اپنے ''منعمین'' (نعمت بخشنے والے شوہروں) کی نافرمانی سے بچتی رہنا۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ ''منعمین کی نافرمانی کا کیا مطلب ہے'' آپ نے فرمایا ''کہ عورت اپنے شوہر کے پاس رہتی ہے حتی کہ دو تین بچوں کی ماں بھی بن جاتی ہے مگر (جب غصہ آتا ہے تو) کہتی ہے کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں''۔ (مجمع الزوائد ۳۱۱/۴)

(۴) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عورت کے لئے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ اپنے گھر میں ایسے شخص کو نہ آنے دے جس کو شوہر ناپسند کرے، الخ۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱۸۶/۶)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ: ''عورت پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کے شوہر کا'' پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ مردوں پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کی ماں کا''۔ (الترغیب والترہیب ۳۷/۴)

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ایسی عورتوں کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہ ہو اور وہ اس سے مستغنی نہیں ہوسکتی''۔ (الترغیب والترہیب ۳۷۶)

(۷) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو شخصوں کی نمازیں ان کے سر سے اوپر نہیں اٹھتیں (قبول نہیں ہوتیں) ایک وہ غلام جو اپنے مالکوں سے بھاگ جائے تا آں کہ وہ لوٹ نہ آئے۔ دوسرے وہ عورت جو اپنے شوہر کی نافرمان ہو تا آں کہ وہ اپنی عادت سے باز نہ آجائے۔ (الترغیب والترہیب ۳۷۷)

(۸) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "سب سے اچھی عورت وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو تجھے خوش کر دے۔ جب تو اسے کوئی حکم دے تو وہ تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو تیرے مال اور اپنی ذات کی حفاظت کرے"۔ (احکام القرآن للرازی ۱/۳۷۵)

(۹) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "اگر شوہر بیوی کو اپنے بستر کی طرف (جماع کے ارادہ سے) بلائے پھر وہ عورت (بلا عذر) انکار کرے اور شوہر غصہ کی حالت میں رات گزارے تو ایسی عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (مظاہر حق ۳/۱٦۸)

الغرض اس سلسلہ میں اسلام نے عورت کو نہایت واضح ہدایتیں دی ہیں اور اسے پوری طرح اپنے شوہر کی اطاعت گزاری کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے نیک عورتوں کی تعریف اس طرح کی ہے:

فَالصّٰلِحَاتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰه. (النساء ٣٤)	سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی غیر موجودگی میں بحافظت الٰہی نگہ داشت کرتی ہیں۔ (حضرت تھانویؒ)

اس لئے اگر عورتیں اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھائیں تو انشاء اللہ ازدواجی زندگی خوب سے خوب تر گزرے گی اور کبھی بھی ناچاقی بڑھنے کی نوبت نہ آئے گی۔

ناچاقی ہو تو کیا کریں؟

شریعت میں زوجین کے مابین تعلقات کے استواری اور ان کے درمیان محبت والفت کا دوام نہایت مہتم بالشان امر ہے۔ اس لئے انسان کی فطری طبیعت کے اعتبار سے جہاں ایک طرف

مستقل طور پر مردوں کوحسن معاشرت کی تعلیم اورعورتوں کوحسن اطاعت کی تاکید کی گئی وہیں عورتوں کی طرف سے نافرمانی کے اظہار کے وقت مردوں کوحکم دیا گیا کہ وہ ایک دم سے انتہائی فیصلہ نہ کر بیٹھیں۔ بلکہ مرحلہ وار معاملہ کوسلجھانے کی کوشش کریں۔اس بارے میں قرآن کریم کی درج ذیل آیت واضح رہنمائی کرتی ہیں :

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ فَالصّٰلِحَاتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ. وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلاً. اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیّاً کَبِیْراً. وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَماً مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَماً مِنْ اَھْلِھَا، اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحاً یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْماً خَبِیْراً.

(النساء ٣٤)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اوراس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں سو جوعورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں۔اور جوعورتیں ایسی ہوں کہ تم کوان کی بد دماغی کا احتمال ہوتو ان کو زبانی نصیحت کرواور ان کوان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دواور ان کو مارو، پھرا گر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ بڑی رفعت اورعظمت والے ہیں'' اوراگر تم اوپر والوں کوان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو توتم ایک آدمی جوتصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو، مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہوعورت کے خاندان سے بھیجو۔اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق فرمادیں گے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

مصالحتی چارٹ

یہ دونوں آیات شریفہ میاں بیوی کے درمیان بداعتمادی کی فضا میں معاملہ کے دائمی حل کے لئے بہترین ''مصالحتی چارٹ'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان میں چار طریقوں کو بتدریج عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے :

(۱) اول یہ کہ ابتدائی مرحلہ میں زبانی فہمائش اور نصیحت سے کام لیا جائے اور ناچاقی اور بد اعتمادی کے مفاسد اور مل جل کر رہنے کے فوائد سامنے رکھے جائیں۔

(۲) اگر زبانی نصیحتیں اثر انداز نہ ہوں تو بطور سزا بیوی کو بستر پر اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ شریف عورت کے لئے یہ بات بڑی شاق ہوتی ہے کہ مرد گھر میں رہتے ہوئے اس سے الگ سوئے۔اس سزا سے اسے تنبہ ہوگا اور وہ اپنی نافرمانی سے باز آجائے گی۔

(۳) اگر اس تدبیر کا بھی کوئی اثر رونما نہ ہو اور عورت کی طرف سے بد دماغی برابر ظاہر ہوتی رہے تو اعتدال کے ساتھ اور شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے تنبیہ کے لئے عورت کو مارنے کی بھی اجازت ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ یہ مار ایسی نہ ہونی چاہئے جس سے زخم وغیرہ ہو جائے اسی طرح چہرہ پر مطلقاً نہ مارا جائے یہ ترکیب بھی عورت کو تابع دار بنانے میں بہت مؤثر ہوتی ہے۔لیکن یہ ایسی تدبیر ہے جسے شریف لوگ اختیار نہیں کرتے۔بعض احادیث میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔(معارف القرآن ۲/۴۰۰)

ان تین طریقوں کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ اب بھی اگر وہ اطاعت گزار ہو جائیں تو ان پر بہانے مت ڈھونڈو یعنی پھر بال کی کھال نہ نکالو بلکہ سابقہ کوتاہیوں کو بھول جاؤ۔ یہاں صرف اطاعت کا پہلو ذکر کیا گیا عدم اطاعت کے پہلو کو چھوڑ دیا گیا یہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ قرآن کی نظر میں اصل اہمیت اطاعت کی ہے عدم اطاعت کی نہیں۔

(۴) مذکورہ بالا تینوں طریقے معاملہ کو گھر کی چہار دیواری میں سلجھانے کے متعلق تھے، لیکن اگر معاملہ آگے بڑھ کر برادری اور اہل خاندان میں مشہور ہو جائے اور میاں بیوی میں جدائی کا

اندیشہ ہو جائے تو لوگوں کو محض تماشائی بننے کو نہیں کہا گیا بلکہ انہیں اس امر پر ابھارا گیا کہ وہ دونوں میں مصالحت کے لئے ثالثی کا کردار ادا کریں۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کے اہل خاندان میں سے حکم مقرر ہوں اور دونوں کے معاملات اور شکایتیں سن کر بد اعتمادی دور کرنے کا فریضہ انجام دیں۔ یہاں بھی ثالثی کی ناکامی کا ذکر نہ کر کے صرف اس بات کو بتایا گیا کہ اگر ثالث مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بارآور کرتے ہوئے زوجین میں صلح کرادے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسلام کا یہ دستور العمل نہایت مفید اور تجربہ کی رو سے معاشرتی زندگی کی کامیابی کی بہترین ضمانت ہے۔ مگر افسوس کہ یہ دستور العمل آج ہمارے معاشرے سے نکل چکا ہے۔ آج ہر طرف انتہا پسندی ہے نہ مرد کو عورت کا پاس ولحاظ ہے اور نہ عورت کو مرد کی عظمت کا احساس ہے۔ میاں بیوی میں جب نزاع ہوتا ہے تو وہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ نہ بچوں کی تربیت کی فکر ہوتی ہے نہ خاندان کی عزت کا خیال ہوتا ہے۔ اور دونوں فریق ایک دوسرے پر خوب کیچڑ اچھالتے ہیں۔ حالاں کہ یہ طرز عمل اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلامی ہدایات جوڑ پر زور دیتی ہیں افتراق اور توڑ کی ترغیب نہیں دیتیں۔ اس لئے ہمیں ان رشتوں کو حتی الامکان نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

طلاق کا حکم اور اس کا مقصد

اسلام کے فطری احکامات میں ایک اہم حکم ''طلاق'' کا بھی ہے۔ طلاق بعض اوقات معاشرہ کی ضرورت بن جاتی ہے۔ ذرا تصور کیجئے اگر طلاق کا حکم نہ ہوتا تو کتنی مصیبت میں جان ہوتی۔ جو نکاح منعقد ہو جاتا تو ہزار پریشانیوں اور تنگیوں کے باوجود زندگی بھر اس کڑوے گھونٹ کو پینا پڑا۔ اس وقت یا تو عورت ظلم وستم کا نشانہ بنی رہتی یا پھر شوہر کا گھر خواہ مخواہ جہنم بن جاتا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں طلاق کو مشروع کر کے کس قدر انعام اور احسان فرمایا گیا ہے۔ (المصالح العقلیہ ۲۲۶)

طلاق کو عورتوں پر ظلم کرنے کے لئے مشروع نہیں کیا گیا بلکہ اس کا مقصد اس ظلم کو دفع کرنا ہے، جو طلاق نہ ہونے کی صورت میں مرد عورت پر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نظر میں

اشیاءِ مباحہ میں سب سے مبغوض چیز طلاق ہے ارشاد نبویؐ ہے: ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ''، یعنی اللہ کی نظر میں حلال چیزوں میں سے بری چیز طلاق ہے۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۸۳)

مگر یہ اس وقت ہے جب کہ بلاضرورت طلاق دی جائے۔ اس لئے کہ ضرورت کے وقت طلاق دینا شرعاً جائز بلکہ بسا اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ اگر حقوق کی ادائیگی معروف طریقہ پر نہ ہو سکے تو طلاق دینا واجب ہے۔ (درمختار مع الشامی کراچی ۳/۲۲۹)

قرآن کریم میں بھی نا اتفاقی کے وقت عورت کو معلق بنا کر چھوڑنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (سورۂ نساء ۱۲۹)

طلاق کا استعمال کب؟

طلاق کوئی ہنسی کھیل نہیں کہ جب چاہیں طلاق دیدیں بلکہ اس کا استعمال صرف انتہائی حربہ اور واقعی گلوخلاصی کے لئے ہی ہونا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''عورتوں کو صرف فاحشہ میں ابتلاء کے وقت ہی طلاق دو'' اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ ذائقہ چھکنے والے مرد اور ذائقہ چھکنے والی عورتوں (جلدی جلدی رشتہ مناکحت ختم کرنے والے مرد و عورت) کو پسند نہیں فرماتا''۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۳۵) ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو عورت بغیر کسی وجہ کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۸۳)

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کو اسی وقت زبان پر لانا چاہئے جب کہ معروف طریقہ پر معاشرت کے تمام راستے بند ہو جائیں اور نبھاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور پوری کوشش کرنی چاہئے کہ صلح اور اتفاق کی شکل نکلے اور طلاق نہ دینی پڑے، اور جب طلاق دینے کی نوبت آئے تو خوب سوچ سمجھ کر طلاق دی جائے۔ تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو۔ اس لئے کہ شریعت کی نظر میں طلاق ان اشیاء میں ہے جو مذاق میں بھی حقیقت پر محمول ہوتی ہے، اور بہر حال اس کا وقوع ہو جاتا ہے۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ

فقہائے امت نے قرآن وحدیث کی روشنی میں طلاق کی الگ الگ قسمیں اور احکامات

بیان فرمائے ہیں۔مثلاً کس طرح کی طلاق کے بعد عورت سے رجوع کا حق رہتا ہے اور کونسی طلاق بائنہ یا مغلظہ کہلاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ایسے واقعات اگر پیش آئیں تو ان کی تفصیلی نوعیت لکھ کر کسی معتبر عالم سے حکم معلوم کرنا چاہئے۔ یہاں تو یہ جان لیں کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے یہ تفصیل کی ہے کہ طلاق کے تین مراتب ہیں۔طلاق احسن (سب سے اچھی طلاق) طلاق حسن (اچھی طلاق) اور طلاق بدعی (ممنوع طلاق) اس میں سے اول الذکر دو طرح طلاق دینا بالترتیب جائز ہے جب کہ تیسری قسم کا ارتکاب گناہ اور بدعت ہے۔

۱ الف : طلاق احسن کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو ایسی پاکی کی حالت میں صرف ایک طلاق رجعی دے کر چھوڑ دینا جس میں عورت سے صحبت نہ کی ہو۔(درمختار ۳/۲۳۱)

اسی طرح حاملہ عورت کو ایک طلاق دینا بھی طلاق احسن میں شامل ہے۔(عالمگیری ۱/۳۴۸)

ب : طلاق حسن کا طریقہ یہ ہے کہ تین طلاقیں الگ الگ تین ''طہروں'' میں دی جائیں۔ اور ان میں صحبت نہ کریں۔

ج : اور طلاق بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک طہر میں بیک وقت یا جداگانہ ایک سے زائد طلاقیں دی جائیں یا حالت حیض میں ایک طلاق دیں۔(درمختار ۳/۲۳۲-۲۳۳)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حالت حیض میں اپنی اہلیہ کو ایک طلاق رجعی دیدی تھی جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ ''اس سے رجوع کرلو پھر اپنے پاس رکھو تا آں کہ وہ پاک ہوجائے پھر حیض آئے اور پھر پاک ہوجائے تو اب اگر ضرورت سمجھو تو جماع کرنے سے قبل حالت طہر میں اس کو طلاق دیدو۔ یہی وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آیت: ''فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' کے ذریعہ عورتوں کو طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے۔(مشکوۃ شریف ۲/۲۸۳) اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ حالت حیض میں طلاق دینا اگرچہ نافذ ہے (ورنہ رجوع کے حکم کا کوئی مطلب نہ ہوگا) مگر یہ عمل قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے۔اور صحیح طریقہ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو تلقین فرمایا۔

کچھ غلط فہمیاں

طلاق کے بارے میں عوام میں ایسے غلط مسائل رائج ہو گئے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً :

(۱) بعض لوگ سمجھتے ہیں عورت سامنے موجود نہ ہو تو طلاق نہیں پڑتی۔ حالاں کہ طلاق کے وقوع کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ شوہر کی زبان سے الفاظ طلاق کا نکلنا ہی موجب طلاق ہے۔ خواہ کوئی سامنے موجود ہو یا نہ ہو۔

(۲) بعض جگہ یہ رواج ہے کہ حالت حمل میں طلاق کو واقع نہیں سمجھا جاتا، جب کہ حمل کی حالت میں طلاق کے نفاذ کا حکم شریعت میں مقرر و مؤکد ہے۔

(۳) بعض جاہل مرد یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک تین مرتبہ طلاق کا لفظ نہ بولا جائے طلاق ہی واقع نہیں ہوتی۔ حالاں کہ شریعت کی نظر میں ایک اور دو طلاق بھی واقع ہو جاتی ہیں بلکہ ضرورت کے وقت ایک ہی طلاق دینا مشروع ہے۔ آج کل ہمارے معاشرہ میں طلاق کے ذریعہ کھڑی ہونے والی مشکلات کی بنیادی یہی خرابی ہے۔ کہ تین سے کم طلاق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ رواج ختم ہو جائے اور بہ وقت ضرورت صرف ایک طلاق کا استعمال ہو تو بیشتر نزاعات ویسے ہی ختم ہو جائیں۔

(۴) اور ایک بڑی ''غلط فہمی'' اس زمانہ میں یہ پھیلائی جاتی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہوتی ہیں۔ جب کہ یہ نظریہ نہ صرف نصوص صریحہ بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور حرام کاری کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ ہے۔ ائمہ اربعہ اور علماء محققین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی قاضی تین طلاق کے ایک ہونے کا فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ نہ مانا جائے گا۔ بلکہ رد کر دیا جائے گا۔ الغرض طلاق سہ گانہ کے متعلق اجماع امت کے خلاف کسی بھی فتویٰ پر عمل کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

آخری بات

یہ ہے اسلامی نظام معاشرت اور ازدواجی زندگی کے اصول وضوابط کا ایک مختصر جائزہ۔ ضرورت ہے کہ اسے ہم اپنے معاشرہ میں داخل کریں اور پوری کوشش کریں کہ ہم سے کسی غیر شرعی حرکت کا صدور نہ ہوسکے۔ اس وقت ہمارے لئے اپنے دینی مذہبی شخصیات سے وابستہ رہنا ایسے ہی ضروری ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی۔ اور حیوانات کے لئے ہوا ضروری ہوتی ہے۔ اپنے تشخص کی حفاظت کے بغیر ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے وقت کا اولین تقاضہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اسلامی ہو، ہمارا رہن سہن مسلمانوں جیسا اور ہمارے اخلاق وکردار اور ہمارا طرز زندگی اسلامی قالب میں ڈھلا ہوا ہو۔ یہی چیزیں ہماری دینی، دنیوی کامیابی کی ضمانت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے۔ آمین۔ واٰخر دعوانا أن الحمدُ للّٰہ رب العلمین۔

○○

دعوت الی الخیر

روک ٹوک جاری رکھئے !

خیر اور بھلائی کی طرف لوگوں کو دعوت دینا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اور قرآن کریم کی تشریح کے مطابق اس ''دعوت الی الخیر'' کے دو جزو ہیں: (۱) امر بالمعروف (اچھائیوں کی تلقین) (۲) نہی عن المنکر (برائیوں پر روک ٹوک) ان دونوں اجزاء سے مل کر دعوت کا مفہوم پورا ہوتا ہے، اگر ان میں سے کوئی جزو چھوڑ دیا جائے تو دعوت کے کام میں نقص رہ جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

(آل عمران: ۱۰۴)

اور چاہئے کہ رہے تم میں سے ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف، اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا، اور منع کریں برائی سے، اور وہی پہنچے اپنی مراد کو۔

نبی اکرم ﷺ نے بہت سی احادیث شریفہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انتہائی تاکید فرمائی ہے، چند ارشادات عالیہ ذیل میں پیش ہیں:

(۱) مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ.

(مسلم شریف عن ابی سعید الخدریؓ ۵۱/۱)

تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے (برائی کو برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

(۲) وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَ عَنِ الْمُنْکَرِ أَوْ لَیُوْشَکُنَّ اللّٰہُ یَبْعَثُ عَلَیْکُمْ عَذَاباً مِنْہُ ثُمَّ تَدْعُوْنَہٗ فَلاَ یَسْتَجِیْبُ لَکُمْ. (ترمذی شریف عن حذیفہؓ)

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور اچھائیوں کی تلقین اور برائیوں پر روک ٹوک کرتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جانب سے عذاب بھیجے گا، پھر تم دعائیں مانگو گے مگر وہ تمہاری دعائیں قبول نہ فرمائے گا۔

(۳) مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَعْمَلُ فِیْھِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ عَلَی أَنْ یُغَیِّرُوْا عَلَیْہِ وَلاَ یُغَیِّرُوْنَ إِلَّا أَصَابَھُمُ اللّٰہُ مِنْہُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ یَّمُوْتُوْا. (سنن ابی داؤد عن جریر بن عبد اللّٰہ، الترغیب والترھیب ۲۳۶/۳)

جب کسی قوم میں کوئی شخص گناہوں میں مشغول رہتا ہے اور اس قوم کے لوگ اس شخص پر نکیر کرنے کی قدرت کے باوجود اس پر نکیر نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ (ان کی اس خاموشی پر) ان سب کو ان کے مرنے سے قبل عذاب میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ نہی عن المنکر میں کوتاہی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے دعاؤں کی قبولیت رک جاتی ہے اور پوری کی پوری قوم رحمتِ خداوندی سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور اس میں یہ خود فریبی نہ ہو کہ ’’ہم تو شریعت پر عامل ہیں دوسرے لوگ جو بدعمل ہیں وہ اپنے جرائم کی سزا خود بھگتیں گے ہمیں اس سے کیا غرض‘‘؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ بدعملیوں کی وجہ سے جب دنیوی عذاب آتا ہے تو جو لوگ بدعملی پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں وہ بھی عذاب سے بچ نہیں پاتے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی بہت آسان اور عام فہم مثال بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

مَثَلُ الْقَائِمِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا کَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَھَمُوْا عَلَی سَفِیْنَۃٍ فَصَارَ بَعْضُھُمْ أَعْلاَھَا وَبَعْضُھُمْ أَسْفَلُھَا فَکَانَ الَّذِیْ فِیْ

اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم شخص اور حدود کو پامال کرنے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جماعت کشتی کی جگہ کے بارے میں قرعہ اندازی کریں پس بعض کو اوپر کی منزل ملے اور بعض

أَسْفَلِهَا اِذَا اسْتَقُوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقاً وَلَمْ نُوْءِذِ مَنْ فَوْقَنَا. فَإِنْ تَرَكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعاً وَإِنْ أَخَذُوْا عَلَى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعاً.

(بخاری شریف عن النعمان بن بشیرؓ،

الترغیب والترهیب ۲۳۳/۳)

کو نیچے کی۔ تو جو لوگ نیچے کی منزل میں ہوں انہیں جب پانی لینے کی ضرورت ہو تو وہ اوپر کی منزل والوں کے پاس سے گذریں، پھر وہ خیال کریں کہ کیا اچھا ہو کہ ہم اپنے حصہ کی کشتی میں سے سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو زحمت نہ دیں، تو اگر اوپر والے لوگ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں گے تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں گے (اور نیچے سوراخ کرنے سے منع کریں گے) تو سب کے سب نجات پا جائیں گے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ امت میں ہر جگہ اور ہر علاقہ میں ایسے افراد اور جماعتیں سرگرم رہیں جو اچھائیوں کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ برائیوں پر روک ٹوک کا کام بھی پوری مضبوطی سے انجام دیتے رہیں۔ اس لئے کہ جس طرح کوئی کھیتی اس وقت تک برگ وبار نہیں لاسکتی جب تک کہ اس کے جھاڑ جھنکاڑ کی صفائی نہ کی جائے، اور کوئی مریض اس وقت تک شفایاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ دوا کے ساتھ پرہیز نہ کرے، اسی طرح اسلامی معاشرہ کا تصور بھی اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ گناہوں اور نافرمانیوں کو جڑ سے نہ اکھیڑ دیا جائے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام تو بس اچھائیوں کی دعوت دینا ہے اور برائیوں پر نکیر کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے یہ ان کی بڑی بھول ہے۔ ہمیں بہر حال برائیوں پر حکمت عملی کے ساتھ بند لگانے کی محنت کرنی چاہئے اور اس بارے میں کسی کے ناگوار تبصروں کا قطعاً لحاظ نہیں کرنا چاہئے۔

ضرورت ہے کہ آج ہم سب سے پہلے اپنے گھر کا جائزہ لیں کہ وہاں کیا کیا منکرات پائے جارہے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ گھر کے بچے اور عورتیں نماز سے غافل ہیں؟ تو اسے معمولی بات سمجھ کر ہرگز نظر انداز نہ کریں بلکہ اس پر سخت نکیر کریں کیونکہ بد دینی کی جڑ نماز سے غفلت ہے۔ اگر اسے ختم نہ کیا گیا تو معاشرہ میں دینداری ہرگز نہیں آسکتی۔

اسی طرح موجودہ دور کا بدترین فتنہ بے پردگی اور عریانیت ہے اس سے ہر سطح پر احتراز کرنا اور ہر موقع پر اس پر نکیر کرنا لازم ہے، بالخصوص اپنے گھر والوں کی بے حیائی پر خاموش تماشائی بنے رہنا پرلے درجہ کی بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو ''دیوث'' قرار دیکر اس پر سخت لعنت فرمائی ہے جو اپنے گھر والوں کی فحش باتوں کو دیکھ کر خاموش رہتا ہے، نیز ہمیں اپنے بچوں کی تربیت پر خصوصی دھیان دینا ہے۔ انکے لباس، تراش خراش، کردار اور عادات پر ہمیشہ نظر رکھیں، اور غلطی پر روک ٹوک کرتے رہیں۔ افسوس ہے کہ اس معاملہ میں آج اچھے خاصے دیندار لوگ بھی سخت کوتاہی میں مبتلا ہیں۔ بعض ایسے گھرانے جو علماء سے عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں ان کے گھر کے بچوں کو دیکھ کر اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ کسی مسلم معاشرہ کے فرد ہیں؟ بلکہ بچوں بچیوں کے لباس سراسر انگریزی ہیں، بازو کھلے ہوئے، نیکر بھی ایسا کہ رانیں تک کھلی ہوئی ہیں۔ اور بچیوں کے سر پر دوپٹہ یا لڑکوں کے سر پر ٹوپی کا تو تصور ہی نہیں۔ یہ ایسے گھرانوں کا حال ہے جو حاجی اور نمازی کہلاتے ہیں، اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ آج یہ شکوہ تو ہر جگہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے خود اسلامی اقدار کا جو خون کر رہے ہیں اس کو کوئی نہیں سوچتا؟ ذرا غور کریں کیا مسلمان ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہر سطح پر دوسرں کی شناخت اختیار کرلیں؟ اور برائیوں پر نکیر تو کجا خود اس کے پھیلانے والے بن جائیں؟ کیا اسلام کی ترقی کا راستہ یہی ہے؟ اب بھی وقت ہے ہمیں قرآن وسنت کی ہدایات کی طرف لوٹنا چاہئے، اور ''خیر امت'' ہونے کے ناطے اللہ تعالی نے ہمارے اوپر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان کو بلاکم وکاست بجالانا چاہئے۔ ہر آدمی اپنے گھر اور حلقۂ اثر سے گناہوں کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے۔ اور اللہ کے دربار میں سرخ روئی کے حصول کے لئے نہی عن المنکر کے کام میں لگے، جبھی اسلام کی ترقی ہوسکتی ہے، اور مسلم معاشرہ کا اصلی رنگ باقی رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۴ء)

○○

نظر پاکیزہ رکھیں !

انسان کی نظر دراصل ایک قدرتی کیمرہ ہے جو تصاویر کو دیکھ کر انھیں دماغ میں موجود قدرتی کمپیوٹر میں منتقل کر دیتا ہے اور انسانی دماغ میں اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان صلاحیت رکھی ہے کہ اس میں بیک وقت لاکھوں تصویریں اور مناظر محفوظ رہتے ہیں اور ذرا سا توجہ دینے سے وہ مناظر پھر نظروں میں گھوم جاتے ہیں، دنیا میں موجود مناظر اپنی ہیئت، صورت اور نقل و حرکت کے اعتبار سے انسانی طبعیت پر الگ الگ انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں، مثلاً حرمین شریفین کا منظر دیکھ کر یا ان کا تصور کر کے روح میں تازگی اور ایمان میں قوت محسوس ہوتی ہے اور عبادات کا شوق بڑھ جاتا ہے، اسی طرح والدین کو دیکھ کر طبعیت میں محبت و عظمت کے جذبات اُمڈ آتے ہیں، اساتذہ، مشائخ اور اولیاء اللہ کا تصور کر کے روح کو ایک خاص قسم کی فرحت نصیب ہوتی ہے وہیں اسکے بالمقابل ہیجان انگیز مناظر اور فحش تصاویر دیکھنے سے گو کہ جسم لذت اندوز ہوتا ہے مگر روح پژمردہ ہو جاتی ہے، ایمان کی حلاوت سلب ہو جاتی ہے اور روحانی اعتبار سے ایسی بے حسی اور بے کیفی طاری ہوتی ہے کہ عبادات سے طبعیت ہٹ جاتی ہے اور اعمالِ خیر کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔

اس اعتبار سے ''نظر کی نعمت'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم آزمائش بھی ہے۔ اگر اس کے ذریعہ جائز مناظر اور تصویریں ذہن میں بٹھائی جائیں گی اور ناجائز تصویروں سے احتراز کیا جائے گا تو یہ نظر ترقیٔ مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ بنے گی اور اگر نظر سے ناجائز مناظر دیکھے جائیں گے تو یہی نظر انسان کیلئے بدترین خطرات اور نہایت عظیم نقصانات اور محرومیوں کا ذریعہ بن جائے گی، نعوذ باللہ منہ۔ اسی لئے ہمارے آقا سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ کا اعلان ہے :

اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ، مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُهُ إِيْمَاناً يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهِ. (رواه الطبرانی والحاکم، الترغیب والترهیب ۲۳/۳)

نظر (بدنظری) شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے جو اسے میرے (اللہ کے) ڈر سے چھوڑ دے تو میں اسے اس کے بدلہ میں ایسا ایمان (ایمانی حلاوت) عطا کروں گا جس کی چاشنی وہ اپنے دل میں محسوس کریگا۔

اس حدیث میں بدنظری کو زہر میں بجھا ہوا تیر کہا گیا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کے گندے اثرات ذہن ودماغ کی تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور نکالے نہیں نکلتے، اور شیطان لعین بد نظری کرا کے پھر وہی گندے مناظر بار بار یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ حتی کہ نماز کے دوران بھی وہی خیالات اور وساوس دل میں ڈالتا رہتا ہے جس کی بنا پر عبادت کی لذت قطعاً ختم ہوجاتی ہے۔ کوئی شخص کتنی ہی عبادتیں کرلے، حج وعمرہ سے شرف یاب ہوجائے یا تبلیغی جماعت میں لمبا وقت لگا کر آئے لیکن اگر اس کے بعد خدانخواستہ بدنظری میں مبتلا ہوگیا تو دل میں جو بھی روحانیت پیدا ہوئی ہوگی وہ سکنڈوں میں کافور ہوجائے گی، بدنظری کے بعد شیطان کو آگے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیوں کہ اس کا براہ راست دل پر اثر پڑتا ہے اور جب دل ہی مضمحل اور سیاہ ہوجائے تو پھر اعضاء وجوارح سے کوئی عمل خیر خوش دلی سے صادر نہیں ہوسکتا، تجربہ کر کے دیکھ لیں جو شخص بدنظری میں مبتلا اور فحش تصاویر اور فلمیں وغیرہ دیکھنے کا شوقین ہوگا وہ نماز اور دیگر عبادات کا پابند ہو ہی نہیں سکتا۔ بدنظری اور عبادات میں غفلت لازم ملزوم ہیں، جہاں نظر میں خرابی ہوگی وہاں عبادات سے تنفر بھی ضرور ہوگا۔

بدنظری آنکھ کا زنا ہے

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنْ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَامَحَالَةَ، فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظْرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهُ. (بخاری شریف : ۶۲۴۳ عن أبی هریرة، مسلم شریف : ۲۶۵۷، مشکوٰۃ شریف ۱/ ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے آدمیوں پر زنا میں سے اس کا حصہ لازم کردیا ہے وہ اس کو یقیناً پائے گا، پس آنکھ کا زنا (بد) نظر ہے۔ اور زبان کا زنا (ناجائز) گفتگو ہے۔ اور دل تمنا اور خواہش کرتا ہے۔ اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

اس ارشادِ نبوی میں بدنظری اور فحش گوئی پر زنا کا اطلاق کیا گیا ہے کیوں کہ یہی چیزیں اصل زنا (حرام کاری) تک پہنچنے کا سبب بنتی ہیں۔ (فتح الباری ۳۱/۱۴) اور یہ جو فرمایا گیا کہ ہر آدمی کے لئے حصۂ زنا مقرر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی تقدیر کے اعتبار سے ان مواقع سے گزرنا ہوگا جو زنا کا سبب بن سکتے ہیں اب جو شخص ان نازک مقامات سے جتنا باعزت گذر جائے گا اتنا ہی کامیاب رہے گا۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں حدیث بالا کے متعلق یہ اشکال ہو کہ ہر آدمی آخر کیسے حصۂ زنا میں مبتلا ہوسکتا ہے کیوں کہ بڑے بڑے صاحب ورع وتقوی اولیاء اللہ دنیا میں گذرے ہیں ان کے بارے میں زنا کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں زنا سے اصل زنا نہیں بلکہ اسباب زنا مراد ہیں۔ اور ان اسباب زنا سے کوئی مکمل طور پر بچنے کا دعوی نہیں کرسکتا۔ اور موجودہ دور میں تو بدنظری (نظر کے زنا) کی چیزیں اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ ان سے بالکلیہ محفوظ رہنا سخت دشوار ہے۔ دکانیں، چوراہے، بازار، مکانات کی دیواریں، حتی کہ گھر میں استعمال ہونے والی روزمرہ کی اشیاء فحش تصاویر سے بھری پڑی ہیں۔ حیادار آدمی کے لئے نظر کی حفاظت کے ساتھ ٹرینوں، بسوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرنا بلکہ سڑک پر چلنا بھی ناقابل تصور ہوگیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اب تحفظ نظر کے ساتھ اخبار بھی نہیں پڑھا جاسکتا، جو شخص اخبار کا شوقین ہو اور اس کی نظر غلط تصاویر پر نہ پڑے یہ ناممکن ہے۔ ایسے دورِ ابتلاء میں اللہ کا سب سے مقرب بندہ وہی ہوگا جو اپنی نظر کو گنہ گار کرنے سے بچالے گا۔ اور یہ مقام اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ ور فرمائے، آمین۔

شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار

اس دنیا میں شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ''بدکار اور آوارہ عورتیں'' ہیں۔ جن کے ذریعہ سے اس نے پورے عالم میں فتنہ وفساد کا جال پھیلا رکھا ہے اس سے بڑا خطرناک فتنہ عالم میں اور کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ عَلَى أُمَّتِيْ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ.
(بخاری شریف: ٥٠٩٦، مسلم شریف: ٢٧٤٠)

میں نے اپنے بعد اپنی امت پر مردوں کے لئے عورتوں سے بڑا نقصان دہ کوئی اور فتنہ نہیں چھوڑا۔

یعنی اس فتنہ سے بچ جانا سب سے زیادہ مشکل ہے، امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ ''شیطان آدمی کو بہکانے سے کبھی مایوس نہیں ہوتا تا آنکہ وہ عورتوں کے ذریعہ اس کے پاس آتا ہے اور میرے نزدیک عورتوں (کے فتنہ) سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے''۔
(الاتقیاء وفتن النساء/۳۶)

کون نہیں جانتا کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کی صداقت بالکل واضح ہوچکی ہے۔ آج دنیا میں فواحش اور اسباب فواحش کی کثرت نے ایمانی صفات کو بالکل کمزور اور عبادت کی چاشنی کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر جگہ فحش مناظر عام ہوگئے ہیں۔ اور بد نظری کی وبا پھیل گئی ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اسے گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، اور اگر بہت احساس ہوا تو ''صغیرہ گناہ'' کا عنوان دیکر اس کی برائی کو ہلکا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالاں کہ علماء کا فیصلہ ہے کہ صغیرہ گناہ کا بار بار تکرار اسے کبیرہ کے زمرہ میں داخل کر دیتا ہے اور تجربہ اس کا مشاہد ہے کہ یہ بدنظری ہی بڑے خطرناک گناہوں کا نقطۂ آغاز بنتی ہے اور اس اعتبار سے اس کی برائی کو ہرگز نظر انداز یا ہلکا نہیں کیا جاسکتا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''بدنگاہی کا گناہ ایسا ہے کہ لوگ اس کو گناہ سمجھتے بھی نہیں۔ ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا، اس گناہ کے بعد دل پر رنج کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ ایسا سخت گناہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری کے لئے تو بہت سی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں، پیسہ بھی پاس ہو، دوسرا بھی راضی ہو وغیرہ وغیرہ، مگر اس گناہ (بدنظری) کو کرنے میں کسی سامان کی ضرورت نہیں، اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے چوں کہ اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیسی نیت ہے؟ کسی کو گھور لیا مولوی صاحب، مولوی صاحب رہے۔ قاری صاحب، قاری صاحب رہے۔ اس گھورنے سے مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق آیا، نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں فرق آیا۔ اور اس گناہ کی کسی دوسرے کو خبر نہیں ہوتی الخ''...... ''اور بدنگاہی میں ایک اور بھی بڑی بھاری خرابی یہ ہے جو اور کسی گناہ میں نہیں کہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ جب ان کو خوب دل بھر کے کر چکے تو پھر ان سے دل ہٹ جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی بری چیز ہے کہ جتنی بدنگاہی کرتا ہے اتنی ہی زیادہ خواہش بڑھتی جاتی ہے''۔ (وعظ غض البصر بحوالہ آپ بیتی حضرت شیخؒ ۱۰۶۹)

اس فتنہ سے بچاؤ کیسے ہو؟

دنیا کا دستور ہے کہ خطرہ جتنا بڑا ہوتا ہے اسی لحاظ سے اس سے بچنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اور وہ تمام راستے بند کر دئے جاتے ہیں جہاں سے اس خطرہ کے در آنے کا اندیشہ ہو، اسلام کی نظر میں چوں کہ ''فواحش'' دین وایمان کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور شیطان کے سب سے زہرناک ہتھیار ہیں اس لئے ان سے بچاؤ کے لئے سخت احتیاطی اقدامات کئے گئے ہیں۔ اور ان تمام دروازوں پر بند لگا دیا گیا ہے جہاں سے فواحش کی آمد کا خطرہ ہے۔ قرآن کریم نے شیطان کی طرف سے فواحش کی اشاعت پر سخت نکیر کرتے ہوئے تمام انسانوں کو آگاہ اور خبردار فرمایا کہ:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا	اے آدم کی اولاد، نہ بہکائے تم کو شیطان، جیسا کہ اس نے نکال دیا تمہارے باپ کو جنت سے، اتروائے ان سے ان کے کپڑے تا کہ دکھلائے ان کو ان کی شرم

سَوْاٰتِهِمَا، إِنَّهُ یَرٰکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهُ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ، إِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ أَوْلِیَاءَ لِلَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ، وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا، قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا یَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ، أَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَاتَعْلَمُوْنَ. (الأعراف: ۳۷، ۳۸)

گاہیں، وہ اور اس کی قوم تم کو دیکھتی ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے، ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو ایمان نہیں لائے۔ اور جب کرتے ہیں کوئی بے حیائی کا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو یہی کرتے دیکھا ہے، اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کام کا حکم نہیں کرتا، کیوں کر لگاتے ہو اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کے بدترین دشمن ابلیس لعین کی ابتدا سے یہی کوشش رہی ہے کہ تمام انسانوں کو خواہ مرد ہوں یا عورت انہیں ننگا اور بے لباس کر دیا جائے اور فواحش کو خوب پھیلا دیا جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور دین برحق کی تعلیم اس کے مقابلہ میں یہ ہے کہ فواحش کے تمام راستوں کو امکانی حد تک بند کر دیا جائے اور عفت وعصمت، پاکبازی اور پاکیزگی کی فضا عام کی جائے۔ اسی میں دونوں جہان کی عافیت ہے۔

عورتوں کی نقل وحرکت پر پابندی

اس سلسلہ میں اسلام کا اولین اقدام یہ ہے کہ اس نے خواتین کی آزادانہ نقل وحرکت پر روک لگا دی ہے، کیوں کہ خواتین کا بے محابا گھروں سے نکلنا ہی فواحش کا سب سے بڑا محرک ہے۔ اولاً تو عورت کو گھر سے باہر قدم رکھنا ہی نہ چاہئے اور اگر رکھے بھی تو مکمل پردہ کے ساتھ نکلے اور سفر پر جانا ہو تو شوہر یا محرم کا ساتھ ضروری ہے۔ کسی اجنبی مرد سے تنہائی تو کجا اس سے نرم انداز میں گفتگو بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ حتی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جوان مرد وعورت آپس میں سلام کلام بھی نہ کریں (شامی زکریا ۹/ ۵۳۰) ظاہر ہے کہ اگر عورتیں اجنبی ماحول سے اپنے کو دور رکھیں گی تو شیطان انہیں ہتھیار بنا کر فتنہ کے لئے استعمال نہیں کر سکے گا۔ اور اگر ان پابندیوں کا خیال نہیں رکھا

جائے گا تو ایسی عورتیں یقیناً شیطان کا جال بن کر عالم میں فتنہ فساد مچائیں گی اور مچا رہی ہیں۔

نظریں جھکائے رکھیں !

اس بارے میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اجنبی مرد وعورت سب اپنی نگاہیں حرام جگہوں سے بچا کر رکھیں، ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ، إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ، وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ. (النور ۳۰/۱۸)

کہہ دیجئے! ایمان والوں کو کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اس میں ان کے لئے خوب ستھرائی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔ اور کہہ دیجئے ایمان والی عورتوں سے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں، اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنی زیبائش مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر۔

اس آیت کی پرواز خود بتارہی ہے کہ جب تک نظر محفوظ نہ ہو ستر اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ فواحش کا دروازہ بدنظری ہے۔ فواحش پر بند اسی وقت لگے گا جب بدنظری پر روک لگائی جائے۔ اور ایک روایت میں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَتَغُضَّنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظَنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْ لَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوْهَكُمْ.

(رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب ۳/۲۵)

تم لوگ اپنی نگاہوں کو ضرور نیچی رکھا کرو اور اپنی شرم گاہوں کی ضرور حفاظت کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بے نور فرما دیں گے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ بدنظری اور بدکاری سے دل بے نور ہوجاتے ہیں، چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے اور ایمان کی حلاوت رخصت ہوجاتی ہے۔ **نعوذ باللّٰہ منہ**۔ بدنظری کے موقع پر انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس عمل کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں سوال ہوگا تو ہم کیا جواب دے

پائیں گے؟ اور وہاں کوئی چیز چھپ بھی نہیں سکتی اس لئے کہ اللہ تعالی آنکھ کی خیانت اور دل کی سرگرمیوں سے پوری طرح واقف ہیں۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے خالق و مالک سے ڈرنا ضروری ہے اور ہر ایسے عمل سے دور رہنا لازم ہے جو بعد میں رسوائی کا باعث بنے۔

اگر اچانک نظر اٹھ جائے تو کیا کریں؟

تاہم انسان بہرحال انسان ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اچانک بے اختیار نادانستہ طور پر کسی نامناسب جگہ نظر پڑ جائے تو اب کیا کریں؟ اس بارے میں بھی نبی اکرم ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا: کہ ''میں فوراً اپنی نظر وہاں سے ہٹا لوں''۔ (مسلم شریف ۲۱۵۹) اور ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا: ''میاں علی! نظر پر نظر مت جماؤ، اس لئے کہ پہلی نظر تو معاف ہے مگر دوسری مرتبہ دیکھنے کی اجازت نہیں ہے''۔ (ابوداؤد شریف: ۲۱۴۹) ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفات سے واپسی کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنی سواری پر بٹھالیا۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ خود خوبصورت شخص تھے راستہ میں قبیلۂ خثعم کی ایک خوبصورت عورت آنحضرت ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگی تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کو دیکھنے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ دوسری طرف گھما دیا اور ارشاد فرمایا:

رَأَیْتُ شَابّاً وَشَابَّةً فَلَمْ آمَنْ الشَّیْطٰنَ عَلَیْهِمَا.
(بخاری شریف: ٦٢٢٨، مسلم شریف: ٣١٣٤)

میں نے ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو دیکھا پس میں ان دونوں پر شیطان کا اثر پڑنے سے مطمئن نہیں ہوں۔ (اسی لئے نظر ہٹائی گئی)

حافظ ابن قیمؒ اچانک نظر پڑ جانے پر نظر ہٹا لینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''نظر جب دل میں اثر انداز ہو جائے تو اگر دیکھنے والا پہلے ہی مرحلہ میں نظر نیچی کر کے اس کے اثر کو ختم کر دے تو علاج آسان ہے ورنہ اگر نظر بار بار اٹھی اور اس صورت کے نقوش دل کی خالی تختی پر

جا کر مرتسم ہوگئے تو یہ بار بار کی نظر، یوں سمجھو کہ اس پانی کی طرح ہے جس سے پودے کو سیراب کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے، اسی طرح نظر بد سے برائی دل میں بیٹھ جاتی ہے، اور آدمی احکام شریعت سے بے پرواہ ہوجاتا ہے اور آزمائشوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور منکرات ومعاصی میں گرفتار ہوکر اپنے کو ہلاکت میں ڈال لیتا ہے۔ (ذم الہوی بحوالہ، الاتقیا وفتن النساء ۱۲-۱۳)

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر اول مرحلہ میں نظر ہٹالی جائے تو بات وہیں ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر اس وقت نفس پر قابو نہ رکھا تو آگے قابو پانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک دوسری روایت میں آنحضرت ﷺ نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلٰى مَحَاسِنِ إِمْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهٗ إِلَّا أَحْدَثَ اللّٰهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا. (رواه أحمد، مشكوٰة شريف ٢/ ٢٧٠)

جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو پہلی مرتبہ دیکھ کر اپنی نظر جھکالے تو اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں) اسے ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی لذت وہ خود محسوس کرتا ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو مذکورہ ہدایت پیش نظر رکھنی چاہئے اور جب بھی ایسے ابتلاء کا موقع پیش آئے تو ہمت سے کام لے کر برائی کے مادہ کو پہلے ہی مرحلہ میں کچل دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی خاص توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

ذہنی پاکیزگی کے لئے حلال راستہ اپنائیں

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے ساختہ پڑی ہوئی نظر ہٹانے کے باوجود بھی وساوس کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں ذہنی پاکیزگی کے حصول کیلئے معلم انسانیت سیدنا ومولانا حضرت محمد ﷺ نے یہ تدبیر بتائی کہ آدمی اپنی منکوحہ بیوی کے پاس آکر ضرورت پوری کرلے، اس عمل سے وساوس کا تسلسل ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ، إِذَا

عورت شیطان کی شکل میں آتی ہے اور شیطان کی شکل میں جاتی ہے، (شیطان اپنے وساوس ڈالنے

أَحَدُكُمْ أَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهٖ فَلْيَعْمَدْ إِلٰى إِمْرَأَتِهٖ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهٖ.

(مسلم : ۱٤۰۳، مشکوٰۃ ۲/۲٦۸)

کے لئے عورت کو ذریعہ بناتا ہے) لہٰذا اگر تم میں سے کسی کو کوئی عورت اچھی لگے اور وہ دل میں سما جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس جا کر اس سے جماع کر لے، اس لئے کہ یہ عمل اس خیال کو دفع کر دے گا جو اس کے دل میں (جم گیا) ہے۔

نبی کریم ﷺ کی نظر میں ان خیالات کو دفع کرنے کی اور امت کو ان باتوں سے بچانے کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس بارے میں امت کو صرف زبانی ہدایت نہیں دی بلکہ کئی مواقع پر بذات خود عمل فرما کر اس کی نزاکت کو اجاگر فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِمْرَأَةً فَاَعْجَبَتْهُ فَاَتٰى سَوْدَةَ رضی اللہ عنہا وَهِيَ تَصْنَعُ طِيْباً وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَاَخْلَيْنَهٗ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ رَأٰى إِمْرَأَةً تُعْجِبُهٗ فَلْيَقُمْ إِلٰى أَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلُ الَّذِيْ مَعَهَا.

(رواہ الدارمی، مشکوٰۃ شریف ۲/۲٦۹)

نبی اکرم ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑ گئی جو آپ کو پسند آئی، تو آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، وہ اس وقت خوشبو بنانے میں مشغول تھیں اور وہاں دوسری عورتیں بھی تھیں، جنھوں نے (آپ ؐ کو دیکھ کر) آپ ﷺ کے لئے تنہائی کا موقع فراہم کر دیا (یعنی خود وہاں سے چلی گئیں) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجۂ مطہرہ سے) ضرورت پوری فرمائی بعد ازاں (صحابہ ﷺ کے پاس آ کر) ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نظر کسی عورت پر پڑے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیوں کہ اس

کے پاس بھی وہی ہے جو (دیکھی ہوئی) دوسری
عورت کے پاس ہے۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کے ساتھ بھی پیش آیا۔ (مسلم شریف: ۱۴۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی وساوس اور گندے خیالات کو دفع کرنے اور ذہنی آسودگی عطا کرنے میں نکاح بے مثال تاثیر رکھتا ہے۔

اور اس میں یہ بھی اشارہ ملا کہ نکاح کے بعد میاں بیوی کو ایک ساتھ رہنا چاہئے تا کہ یہ دونوں کے لئے عفت اور پاک دامنی اور پاکیزگی و پاک بازی کا سبب بن سکے۔ آج کل لوگ محض دنیا کمانے کے لئے سالوں سال گھر والوں سے دور رہتے ہیں اور وسعت واسباب کے باوجود گھر والوں کو ساتھ رکھنے کی کوشش نہیں کرتے ایسے لوگوں اور ان کے گھر والوں کا موجودہ پرفتن ماحول میں سخت خطرات سے محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی میں جدائی کا لمبا وقفہ نہ ہو، گو کہ اس کے لئے کچھ تنگی ترشی برداشت کرنی پڑے لیکن اس معاملہ میں بے توجہی ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔

نکاح میں جلدی کریں

بدنظری کے مضر اثرات سے بچنے اور حرام مواقع سے محفوظ رہنے کے لئے نکاح کو عام کرنے اور آسان کرنے کی ضرورت ہے۔ جس معاشرہ میں نکاح جس قدر آسان ہوگا وہ معاشرہ اسی قدر فواحش سے محفوظ رہے گا اور جہاں نکاح مشکل ہوگا وہاں فواحش کی بہتات ہوگی اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے خاص طور پر نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو قدرت رکھے وہ شادی کرلے، اس لئے کہ وہ نگاہ کو بہت زیادہ نیچا رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور جو قدرت نہ رکھے تو اسے چاہئے کہ

وِجَاءٌ . روزہ رکھے یہی اس کے لئے شہوت ختم کرنے کا راستہ ہے۔

(بخاری شریف ۲/۷۵۸)

اس لئے ضروری ہے کہ لڑکا لڑکی کے بالغ ہوتے ہی مناسب رشتے کی تلاش کی جائے، اور رشتہ ملتے ہی جلد از جلد نکاح کر دیا جائے۔ ورنہ نکاح کی تاخیر کی وجہ سے لڑکے لڑکیاں جس فحش کام میں مبتلا ہوں گے ان کا وبال والدین پر بھی ہوگا۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ، فَلْيُحْسِنْ إِسْمَهُ وَأَدَّبَهُ فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْماً فَإِثْمُهُ عَلٰى أَبِيْهِ.

(مشکوٰۃ شریف، مرقاۃ ۶/۲۰۹)

جس شخص کے کوئی اولاد ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور ادب سکھائے پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر وہ بالغ ہو گیا اور اس نے نکاح نہیں کرایا پھر وہ کسی گناہ (فواحش) میں مبتلا ہو گیا تو اس کا وبال اس کے باپ پر بھی ہوگا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے اس سے بڑے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ بعض خاندانوں میں یہ رواج ہے کہ جب تک لڑکا لڑکی بڑی عمر کو نہیں پہنچتے ان کا نکاح ہی نہیں کیا جاتا۔ تا آں کہ عمریں ۳۵، ۴۰ ر سال تک ہو جاتی ہیں تو یہ طریقہ قطعاً غلط ہے اسے بدلنا ضروری ہے۔ کسی معقول عذر کے بغیر شادی میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ اسی طرح جو عورتیں مطلقہ یا بیوہ ہو جائیں ان کا نکاح ثانی جلد کر دینا چاہئے اسے ہرگز معیوب نہ سمجھیں ایسی عورتوں کا گھر بیٹھے رہنا فتنہ سے خالی نہیں ہے۔

نکاح کو آسان بنائیں

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح کا عمل سادہ اور آسان ہو، تا کہ ہر طبقہ کے لوگ حسبِ سہولت اسے جب چاہیں بآسانی انجام دے سکیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرْكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً.

(مشکوۃ شریف ۲/۲۶۸)

سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے :

خَيْرُ النِّكَاحِ أَيْسَرُهُ. (أبوداؤد: ۲۱۱۷) سب سے اچھا نکاح وہ ہے جو سب سے آسان ہو۔

مگر افسوس ہے کہ مذکورہ بالا ہدایت نبوی کے برخلاف آج نکاح کو سب سے زیادہ مشکل عمل بنادیا گیا ہے۔ فرضی اور جعلی رسومات اور اسراف وتبذیر کی اس قدر بہتات ہے کہ نکاح کی تقریب کے تصور سے غریب اور متوسط طبقوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں، آج ہر آبادی میں ہزاروں جوان لڑکے لڑکیاں صرف اس بنا پر نکاح سے رکے ہوئے ہیں کہ ان کے گھر والوں کے پاس موجودہ رسم ورواج کے مطابق خرچ کا انتظام نہیں ہو پارہا ہے۔ معاشرہ کے کتنے لوگ ایسے ہیں جو تقریبات کے بوجھ سے نکلنے کے لئے سودی قرضوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جنہیں ان تقریبات کو انجام دینے کے لئے در، در، سوال کرنا پڑتا ہے۔ یہ بڑی ستم ظریفی کی بات ہے کہ لڑکی والا لڑکی بھی دے اور ساتھ میں اپنی وسعت سے زیادہ آن بان کا زبردستی اظہار کرکے ذلت بھی مول لے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اس لئے ان رسومات کو ختم کرکے سادگی اور شرافت کے ساتھ نکاح کی سہولت پیدا کرنی چاہئے۔

عفت وعصمت کا دامن نہ چھوڑیں

اور جب تک کسی وجہ سے نکاح کی سہولت مہیا نہ ہو تو پھر حد درجہ احتیاط اور اپنے نفس پر قابو رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (النور: ۳۳)

ایسے لوگ جن کو نکاح پر قدرت نہیں ہے ان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے۔

ہر مسلمان خواہ اس کا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ عفت وعصمت اور پاکدامنی کے تحفظ کی ہر وقت فکر رکھے اور ان تمام اسباب اور مواقع سے اپنے کو بچائے جو عفت وعصمت کو داغ دار کرنے والے ہیں۔ بالخصوص درج ذیل امور کا اہتمام رکھے :

(۱) ہر وقت اللہ تعالی سے ڈرتا رہے اور اس کے عذاب کا تصور کر کے اس سے محفوظ رہنے کی فکر کرے۔

(۲) بے حیا اور فساق وفجار لوگوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے مکمل پرہیز کرے۔

(۳) اجنبی عورتوں اور نوعمر لڑکوں سے ہرگز رابطہ نہ رکھے۔

(۴) فحش تصاویر اور گندے مضامین پر مشتمل رسائل وکتب اپنے قریب بھی نہ آنے دے۔

(۵) گانے بجانے کی کیسٹوں سے بچ کر رہے۔

(٦) ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ فواحش کے پھیلانے کا سب سے بڑا عالمی ذریعہ ہیں ان سے احتیاط کئے بغیر اس دور میں کوئی شخص متقی بن ہی نہیں سکتا، لہذا ان کے استعمال میں حد درجہ احتیاط کی جائے۔

(۷) بازاروں سے گذرنے اور اسفار کے دوران نظریں نیچے رکھی جائیں وغیرہ۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کے ہر فرد کو پاکبازی کی صفت سے سرفراز فرمائے۔ اور ہر مسلمان کی نظر کو پاکیزگی سے نوازے۔ آمین۔ **وما ذلك على الله بعزيز. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

(ندائے شاہی فروری ومارچ ۲۰۰۴ء)

○○

جرائم پر قابو کیسے ہو؟

گذشتہ دنوں راجدھانی دہلی میں خواتین کی بے حرمتی کی دو ایسی سنگین وارداتیں پیش آئیں کہ پورے قومی پریس میں ہاہا کار مچ گئی، ان میں سے ایک واقعہ میں صدر جمہوریہ کے حفاظتی دستہ کے ۴ فوجی ملوث تھے، جب کہ دوسرا واقعہ سوئزر لینڈ کی ایک خاتون سفارت کار کے ساتھ پیش آیا جو ایک فلم فیسٹول میں شرکت کر کے لوٹ رہی تھی۔ ان واقعات کے رد عمل میں حسب معمول مذمتی بیانات اور احتجاجی مراسلات وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیمیں میدان میں آگئیں۔ کسی نے حکومت کو ذمہ دار ٹھہرایا تو کسی نے پولیس پر پھبتیاں کسیں، تو کسی نے انتظامیہ کی بے حسی کا رونا رویا، الغرض جتنے منہ اتنی باتیں، اخبارات میں صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے گئے اور جی کھول کر قلم کی روانی دکھائی گئی مگر یہ سب زبانی جمع خرچ اور قلم کا کھیل تھا، یہ ارباب عقل ودانش جو راجدھانی کی سرزمین پر خواتین کی روسیاہی پر مل کر ماتم کر رہے تھے ان میں سے کوئی بھی اس طرح کے جرائم کے اصل اسباب وعوامل کو اجاگر کرنے پر تیار نہ تھا بلکہ دانستہ اور مجرمانہ طور پر ان سے تغافل برت رہا تھا۔

اس دنیا میں کوئی کام سبب کے بغیر نہیں ہوتا، کام اچھے ہوں یا برے سب اسباب کے تابع ہیں۔ جیسے دن نکلتا ہے تو روشنی پھیلتی ہے۔ سورج ڈوبتا ہے تو فضا اندھیری ہوجاتی ہے بارش برستی ہے تو سبزہ اگتا ہے، بارش رکتی ہے تو قحط پڑ جاتا ہے، بیج ڈالتے ہیں تو کھیتی اگتی ہے، اور بیج نہیں ڈالتے تو کھیتی نہیں اگتی، اسی طرح دنیا میں اعمال خیر وشر بھی اسباب کے تحت انجام پاتے ہیں۔ دنیا میں اچھائی کا ماحول بنایا جائے گا تو اچھائیاں اگ کر آئیں گی، اور برائی کو کھلی چھوٹ ہوگی تو برائیاں ہی اگیں گی، جس طرح رات میں سورج نہیں نکل سکتا اس طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ماحول

خرابیوں کا ہو اور اس کے نتائج اچھے نکل آئیں۔ آج سب سے پہلے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے حیا سوز جرائم کے لئے ماحول سازگار ہے یا سازگار نہیں ہے؟ آج ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ اس وقت ملکی اور عالمی ماحول اس طرح کے جرائم کے لئے اس قدر سازگار ہے کہ ایسے واقعات پیش آنا ہرگز تعجب خیز نہیں ہے، بلکہ اس حیا سوز ماحول میں اگر ایسی وارداتیں نہ پیش آئیں تو تعجب ہونا چاہئے! جس معاشرہ میں خواتین ہزار فتنہ سامانیوں کے ساتھ بر سر عام بے پردہ بلکہ نیم برہنہ پھرتی ہوں، جہاں فن اور ثقافت کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہو اور اس کی ٹریننگ کے باضابطہ ادارے قائم ہوں، جس جگہ سنیما کے پردوں پر بلیو فلمیں بلا روک ٹوک دکھائی جاتی ہوں، جہاں کی تہذیب میں رقص و سرود کی لعنت رچی اور بسی ہوئی ہو، جس ملک کے ٹی وی چینلوں پر حیا سوز پروگرام دن رات چلتے رہتے ہوں اور جہاں قدم قدم پر فحش تحریریں سستی سے سستی قیمت پر مہیا ہوں تو ایسی جگہ اگر خواتین کی بے حرمتی نہیں ہوگی تو آخر اور کیا ہوگا؟ کیا اس ماحول میں پروان چڑھنے والے نوجوانوں سے آپ عفت مآبی کی امید رکھ سکتے ہیں؟ وہ شخص عقل و خرد سے محروم ہی ہوگا جو اس ماحول میں شرم و حیا اور عفت و عصمت کے تحفظ کی خوش فہمی میں مبتلا ہوگا، اس لئے آج جو بزعم خود دانشور موجودہ سنگین وارداتوں پر قلم کی جولانیاں دکھا رہے ہیں انہیں اولاً ان اسباب کا جائزہ لینا چاہئے جو دراصل ایسی وارداتوں کے پیش آنے کے محرک بنتے ہیں۔

برائی کے سوراخوں کو بند کریں

برائی پر اگر واقعۃً بند لگانا ہے تو اس کے سوراخ کو بند کرنا ضروری ہے، سوراخ کھلا رہے اور برائی خود اپنی جگہ بناتی رہے تو اوپر سے روک ٹوک کرنے سے وہ برائی ہرگز بند نہیں ہوسکتی۔ برائی پر سزا کا قانون بھی اس وقت تک مؤثر نہیں ہوسکتا جب تک کہ پہلے اس برائی کو مٹانے کے لئے ماحول کو پابند نہ بنا لیا جائے۔ آج دنیا میں جو برائیاں پھیل رہی ہیں اور تعزیری قانون سب بے اثر ہوتے جا رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ برائیوں کا سوراخ بند کئے بغیر محض قانون کا سہارا لینے کی

ناکام کوشش کیجا رہی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ برائیوں کو ختم کرنے کا دم بھرنے والے لوگ برائی کو ختم کرنے میں مخلص نہیں ہیں، بلکہ خود ان کی زندگی برائیوں میں لت پت ہے اسی لئے وہ برائی کو مٹانے کے اصل اسباب اختیار کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

اسلام کا حکیمانہ نظام

اس کے برخلاف اسلام نے اپنے دین فطرت ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس معاملہ میں جو نظام پیش کیا ہے وہ فطری اصولوں کے عین مطابق ہے، اسلام محض زبانی جمع خرچ اور شور مچانے پر یقین نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ انسانی معاشرہ کی کمزوریوں پر نظر رکھتے ہوئے اولاً اسے اخلاقی تعلیم کے ذریعہ امن وامان کے اصولوں کا پابند بنانے پر زور دیتا ہے، جرائم پر روک ٹوک کے سلسلہ میں اسلام کی اصولی تعلیم یہ ہے :

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ. (الاعراف :۳۳)

آپ ﷺ فرمادیجئے: میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بے حیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق کی زیادتی کو۔

پھر بے حیائی پر بند لگانے کے لئے اس نے یہ تعلیم دی ہے کہ :

الف : اجنبی مرد وعورت اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ (النور:۳۰-۳۱)

ب : عورتیں بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں، اور جب نکلنا ہو تو پردہ کے ساتھ نکلیں، زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بے حیائی اور بے غیرتی کے ساتھ نہ نکلیں۔ (الاحزاب:۳۳)

ج : عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں۔ (الاحزاب:۵۳)

د : کوئی عورت کسی اجنبی کے ساتھ تنہائی میں جمع نہ ہو۔ (مشکوۃ شریف ۲/ ۲۶۷)

ہ : کوئی عورت اپنی زینت کی جگہیں اجنبیوں کو نہ دکھائے۔ (النور:۳۱)

و : کوئی عورت کسی اجنبی مرد سے نرمی سے بات چیت نہ کرے۔ (الاحزاب:۳۲)

ز : نکاح کے قابل ہوتے ہی مناسب رشتہ ملنے پرلڑکے لڑکیوں کا جلد از جلد نکاح کر دیا جائے۔ (مشکوۃ شریف ۲/ ۲۶۷)

ح : اور نکاح کے عمل کو آسان سے آسان بنایا جائے، اسے غیر ضروری رسومات وتکلفات سے مشکل نہ بنایا جائے۔ (مشکوۃ شریف ۲/ ۲۶۸)

اسلام، مذکورہ بالا تعلیمات پر سختی سے کاربند ہونے پر زور دیتا ہے۔ اور اسلامی حکومت کو مکلّف کرتا ہے کہ وہ بزور طاقت ان اصولوں پر معاشرہ کو عمل کرائے۔ کوئی مرد یا عورت اگر ان کی خلاف ورزی کرتا نظر آئے تو اس کی سرزنش کی جائے، اور اگر بات حد سے آگے بڑھ جائے اور خدانخواستہ کھلی ہوئی بے حیائی یعنی زنا کا صدور اور اس کا شرعی ثبوت بھی ہو جائے تو اب حکومت اسلامی پر لازم ہے کہ وہ ان مجرموں پر اللہ کی مقرر کردہ سزا جاری کرے اور وہ سزا یہ ہے کہ اگر مجرم کنوارا ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو پتھروں سے برسر عام مار مار کر اسے ہلاک کر دیا جائے جسے شریعت کی اصطلاح میں ''رجم'' کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح کی سزاؤں (حدود) میں رورعایت کا کوئی خانہ نہیں ہے یعنی کسی حاکم کو یہ اختیار نہیں ہے، کہ وہ رحم کھا کر کسی مجرم کی سزا معاف کر دے۔ بلکہ جب جرم ثابت ہو جائے گا تو مجرم لاکھ توبہ یا منت سماجت کرے بہر حال اس پر سزا جاری ہوگی، ارشاد خداوندی ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (النور:۲)

بدکار عورت اور مرد، سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درے، اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں، اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان۔

ظاہر ہے کہ اتنی سخت پابندیوں اور عبرت ناک سزا کے ہوتے ہوئے بے حیائی کا معاشرہ میں

پہنچنے کا امکان بہت ہی معمولی درجہ میں رہ جاتا ہے۔اسی طرح کا معاملہ اسلام کی مقرر کردہ دیگر حدود میں بھی ہے، ڈکیتی، قتل، چوری، شراب نوشی اور تہمت زنا پر شریعت نے ایسی ناقابل معافی سزائیں مقرر کی ہیں جوان جرائم کی بنیادوں کو مٹانے کے لئے نہایت مؤثر ہیں،اور دنیا کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب اور جہاں یہ اصولی اور فطری قوانین روبہ عمل لائے گئے وہ علاقہ امن وامان کے اعتبار سے جنت کی نظیر بن گیا اور وہاں عافیت اور اطمینان وسکون کے ایسے مناظر نظر آئے کہ دیکھنے والوں نے حیرت سے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں۔لوگ کہا کرتے تھے کہ اسلامی نظام کی باتیں تو دوراول کے ساتھ خاص تھیں اوراب یہ چیزیں قصۂ پارینہ بن چکی ہیں،اور موجودہ نام نہاد مہذب زمانہ میں انھیں نافذ کرنا ممکن نہیں ہے لیکن دنیا نے دیکھا کہ چندسال قبل افغانستان میں چند خرقہ پوش ''طالبان'' کی صورت میں روئے زمین پر خالق ارض وسماء کا مقرر کردہ نظام نافذ کرنے کے نعرہ کو لے کر کھڑے ہوئے اورانھوں نے اپنے پانچ سالہ دورحکومت میں افغانستان میں جرائم سے پاک ایسا معاشرہ وجود میں لاکر یہ ثابت کر دکھایا کہ اب بھی روئے زمین پر نظام مصطفیٰ ﷺ کامیابی کے ساتھ قائم کرنا نہ صرف ممکن بلکہ ناگزیر ہے۔اوراس نظام کے بغیر دنیا سے جرائم کے خاتمہ کی تمنا کرنا محض فضول اور جھوٹی خوش فہمی ہے۔

اسلام ہی نجات دہندہ ہے

اسلامی نظام ہی انسانیت کو جرائم سے نجات دے سکتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی نظام نہ تو کامیاب ہوا ہے اور نہ ہو سکے گا جوممالک اپنے آپ کوامن وامان اور تہذیب وانسانیت کا نمونہ اور آئیڈیل قرار دیتے ہیں وہ ممالک آج بدترین اور شرم ناک جرائم کے عظیم اڈوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔یوروپ: جہاں ہرقسم کی جنسی تسکین کی سہولتیں برسرعام موجود ہیں (حتی کہ اب تو ہم جنسی تک کوقانونی حیثیت حاصل ہوگئی ہے) وہاں روز ہزاروں واقعات جبری عصمت دری اور خواتین کی برسرعام بے حرمتی کے پیش آتے ہیں،کسی نے سوچا کہ آخرایسا کیوں ہورہا ہے؟ وہاں ان جرائم پر مقررہ سزائیں اور جرائم پر روک لگانے والے ادارے ایسی وارداتوں پر بند لگانے میں آخر کیوں

ناکام ہیں؟ جواب روز روشن کی طرح صاف ہے کہ دراصل جرائم روکنے کے حقیقی اسباب کو ختم کرنے پر توجہ نہیں دی گئی بلکہ صرف معمولی سزا مقرر کر کے لکیر پیٹی جا رہی ہے۔ (اور اس سزا کا بھی حال یہ ہے کہ شاید ہی گرفتاری کی کے بعد ٢-٣ فیصد مجرم سزایاب ہو پاتے ہوں، ورنہ بے جا سفارشات، رشوتیں، اور دھمکیاں سزا کے نفاذ سے قبل ہی سزا کو بے اثر بنا دیتی ہیں)

بے حیائی بہر حال جرم ہے

واضح رہے کہ عصمت دری پر تو بند اسی وقت لگ سکے گا جب کہ ہر اجنبی مرد عورت کے میل جول پر پابندی لگے اور اس میں دوست اور غیر دوست کا کوئی فرق نہ رکھا جائے۔ اس لئے کہ بے حیائی تو بہر حال بے حیائی ہے خواہ وہ آشنا کے ساتھ ہو یا غیر آشنا کے، جب تک دونوں کو یکساں جرم نہیں سمجھا جائے گا اس وقت تک یہ جرم دنیا سے مٹ نہیں سکتا، جدید تہذیب کی یہ عجیب الٹی منطق ہے کہ اس نے رضا مندی کے ساتھ بے حیائی کو جائز کر رکھا ہے اور زبردستی والی بے حیائی پر شور مچایا جاتا ہے گویا کے اس نے عورت کو بھی محض ذلیل مال و اسباب کے درجہ میں رکھ دیا ہے کہ خوشی کے ساتھ جو چاہے اس سے نفع اٹھائے، جب کہ اسلام ہر طرح کے بے حیائی کے خلاف ہے خواہ رضا مندی سے ہو یا جبر سے، اور اس نے دونوں کی سزا یکساں مقرر کی ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی نظر میں عورت کوئی مال و اسباب نہیں بلکہ وہ انسان کی جنم داتا ہے، اس کے تقدس اور حرمت کے پیش نظر اس کے ساتھ کسی طرح کی بھی بے حیائی روا نہیں رکھی گئی، اس سے کسی کو نفع اٹھانا ہے تو حیا کے دائرہ میں رہ کر ہی انتفاع کی اجازت ہے اس کے بغیر جو اس کی حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کرے گا وہ سخت ترین اور عبرت ناک سزا کا مستحق ہو جائے گا۔ اسلام کی نظر میں جو شخص انتہا درجہ کی بے حیائی کا مرتکب پایا جائے تو اس جیسے جرائم کو روکنے کے لئے دردناک اور ناقابل معافی سزا علی الاعلان دینا بھی لازم ہے، یعنی بدکاروں کو جو بھی سزا ملے وہ برسر عام ملنی چاہئے محض جیل بھیجنا کوئی مؤثر سزا نہیں ہے، نیز سزا دینے میں کسی طرح کی کوئی رو رعایت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اگر رعایت برتی جائے گی تو پھر وہ سزا بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اسلام اور صرف اسلام ہی انسانیت کو ہولناک جرائم کی جہنم سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور عورت کو اگر واقعی عزت اور سر بلندی حاصل ہو سکتی ہے تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر اسلام کی پابندیوں کو نافذ کر لے، ورنہ وہ ذلت کے غار میں اسی طرح ڈھلکتی رہی گی۔ اور ہوس ناک مرد اس کی عزت و ناموس سے کھلواڑ کر کے اس کا بدترین استحصال کرتے رہیں گے۔ عورت کے لئے جائے امان بس اسلامی تعلیمات ہیں ان کے بغیر عورت کو عزت کا مقام ہرگز میسر نہیں آسکتا۔

آیئے مطالبہ کریں !

اس لئے آج جو دانش ور راجدھانی کے شرم ناک واقعات پر ٹسوے بہا رہے ہیں وہ اگر واقعی مخلص ہیں تو انھیں سنجیدگی سے اصل صورت حال کا جائزہ لینا ہوگا اور جرائم کی روک تھام کے جو اصل اور واقعی راستے ہیں انھیں اپنانے پر زور دینا ہوگا۔ مثلاً وہ اگر خواتین کے بے حرمتی پر بند لگانا چاہتے ہیں تو انھیں مطالبہ کرنا چاہئے:

(۱) خواتین کے بے پردہ پھرنے پر قانوناً روک لگائی جائے۔

(۲) فنون لطیفہ کی تعلیم کے نام پر خواتین کو بے غیرت بنانے کا عمل قطعاً بند کیا جائے۔

(۳) کالجوں میں لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم قطعاً بند کر دی جائے۔

(۴) تمام سنیما ہالوں اور ٹی وی چینلوں پر فحش مناظر کی نمائش قابل سزا جرم قرار دی جائے۔

(۵) تمام بدکاری کے اڈوں (خواہ وہ ریڈ لائٹ اور تفریحی مقامات ہوں یا فائیو اسٹار ہوٹل ہوں) پر فی الفور تالے ڈالے جائیں۔

(۶) اشتہارات وغیرہ میں خواتین کی برہنہ اور ہیجان انگیز تصاویر کی اشاعت پر روک لگائی جائے۔

(۷) اور اخبارات ورسائل وغیرہ میں فحش اور شہوت انگیز مواد کی اشاعت پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔

یہی وہ اصل مطالبات ہیں جو بے حیائی سے متعلق جرائم پر روک لگانے کے لئے ناگزیر ہیں۔ اگر انھیں قبول کر کے ان پر عمل درآمد کیا جائے تو مذکورہ شرم ناک وارداتوں میں واقعۃً کمی آجائے گی، لیکن اگر یہ بے حیائی کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں اور بے غیرتی کے اسباب میں کوئی کمی نہ آئے تو محض شور مچانے اور آرٹیکل اور مضامین لکھنے سے ان وارداتوں پر نہ روک لگی ہے اور نہ لگ سکتی ہے۔ بہرحال ہم تو اربابِ حل وعقد سے یہی گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے اردگرد کے حالات پر نظر رکھیں اور اپنی مستورات کے تحفظ کے لئے عملی تدابیر خود اختیار کریں ورنہ جو واقعات آج دہلی میں پیش آئے ہیں یہ اسی طرح برابر دوہرائے جاتے رہیں گے اور ملک کی کوئی خاتون ان جرائم پیشہ جنونی افراد سے محفوظ نہ رہ پائے گی۔ اللہ تعالیٰ سب کو فکر صحیح اور عقل سلیم سے نوازے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۳ء)

○○

دنیوی زیب و زینت پر کامیابی کا مدار نہیں

قاضی منذر بلوطی رحمۃ اللہ علیہ اندلس کے قاضی القضاۃ تھے، دور اندیشی، خوش خلقی اور ورع وتقوی میں امتیازی مقام رکھتے تھے، عوام وخواص حتی کہ امراء وحکام کے دلوں میں بھی آپ کی نہایت وقعت تھی، اندلس کے خلیفہ ناصر الدین عبدالرحمٰن الاموی نے ''الزہراء'' کے نام سے ایک مستقل نیا شہر آباد کیا تھا، جس میں طرح طرح کے محلات اور تفریح وخوش عیشی کے اسباب مہیا کرائے گئے تھے۔ اس نئے شہر میں اس نے اپنے لئے ایک نہایت بلند اور خوش نما محل تعمیر کرایا تھا، جس کی زیب وزینت کے لئے مختلف رنگوں کے پینٹ استعمال کئے گئے تھے اور جا بجا عمدہ قسم کے پردوں سے اسے ڈھانکا گیا تھا۔ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ قاضی منذر بلوطی خلیفۂ وقت سے ملنے کے لئے اس کے نئے محل میں تشریف لے گئے جب آپ وہاں پہنچے تو خلیفہ اپنے ارکان دولت اور وزراء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، قاضی صاحب بھی اس کے برابر میں جا کر بیٹھ گئے، اس مجلس میں مذکورہ عظیم الشان محل کے بارے میں تعریف وتبصرہ چل رہا تھا اور لوگ بڑھ چڑھ کر اس کی خوبیاں گنا رہے تھے جب کہ قاضی صاحب بالکل خاموش تشریف فرما تھے ان کو اس حال میں دیکھ کر خلیفہ ان کی طرف متوجہ ہوا، اور پوچھا کہ اس محل کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ یہ سوال سنتے ہی قاضی صاحب رو پڑے حتی کہ آپ کے آنسو آپ کی داڑھی پر گرنے لگے، پھر آپ نے جواب میں فرمایا: کہ مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ ''شیطان لعین آپ کو اس رسوا کن اور دنیا وآخرت میں

ہلاکت خیز صورت حال سے دوچار کردے گا، اور نہ مجھے اس کی توقع تھی کہ کو آپ اپنے علم وفضل کے باوجود شیطان کو اس آسانی سے اپنے اوپر قدرت دیدیں گے کہ وہ آپ کو کفار ومنافقین کے گھر میں قیام کرادے'' کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا :

وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاس اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ، وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ، وَزُخْرُفاً.

(الزخرف : ۳۳ – ۳۵)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہوجائیں گے (یعنی کافر ہوجائیں گے) تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے اور زینے بھی، جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی، اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور یہی چیزیں سونے کی بھی (کردیتے)

قاضی صاحب کی اس مؤثر گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ خلیفہ سر جھکا کر بیٹھ گیا اور رونے لگا اور اس تنبیہ پر اس نے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور یہ تمنا کی کہ اللہ تعالیٰ امت میں ایسے حق پسندوں کی تعداد میں اضافہ فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۳۴۷)

اس واقعہ میں قاضی صاحب نے جو حقیقت بیان کی ہے وہ بہت اہم ہے، عام طور پر لوگ مال ودولت اور اسباب راحت ہی کو دینی ودنیوی ترقی کی علامت سمجھتے ہیں، حالاں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ ثانوی درجہ کی چیز ہے، اس کا اصل دھیان اپنے عقیدے اور عمل کو درست کرنے پر زیادہ صرف ہونا چاہئے۔ یہی بات مسلمان کی فلاح کی ضامن ہے، دین کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اگر دنیا کی ترقی بھی مل جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر دین کو درکنار کرکے مادی ترقی کا خواب دیکھا جائے گا تو اس کا انجام نقصان کے سوا کچھ نہ ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں یہ صاف کردیا ہے کہ اس کی نظر میں مال ودولت اور آسائش وآرائش کے آلات واسباب کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسی لئے وہ اپنے انکار کرنے والوں پر بھی ان اسباب کی فراوانی کرتا رہتا ہے۔ اگر ان چیزوں کی وقعت اللہ کی نظر میں کچھ بھی ہوتی تو وہ اپنے دشمنوں پر دنیوی نعمتوں کے

دروازے نہ کھولتا۔ اس لئے ہر مسلمان کو اولاً اپنے دین کی درستگی اور اعمال کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہئے اور محض دنیوی زیب وزینت میں پڑکر اپنی آخرت کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کا بڑا طبقہ صرف دنیوی ترقی کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہے اور دینی ترقی کے مواقع اختیار کرنے سے غفلت برت رہا ہے، جتنی فکر روپیہ کمانے، عہدہ حاصل کرنے، مکانات بنوانے اور کاروبار بڑھانے میں ہے اس کا دسواں حصہ بھی دین کی ترقی کی فکر نہیں کی جارہی ہے۔ اور جو کچھ محنتیں ہورہی ہیں ان کے بارے میں بھی بعض دین بیزاروں کی زبانوں پر یہ گستاخانہ کلمات آتے رہتے ہیں کہ ''یہ محنتیں سب بے فائدہ ہیں، اور قوم کو صرف دنیوی ترقی ہی کے راستہ پر لگانے کی ضرورت ہے'' یہ نظریہ قوم وملت کے لئے بڑا مہلک ہے، اور جہاں بھی اس طرح کا رجحان دیکھنے میں آیا ہے وہاں اس کے منفی نتائج سامنے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج علماء اور دینداروں اور دوسری طرف بددین دانشوروں اور جدید علوم کے حاملین کے درمیان گہری خلیج حائل ہوگئی ہے جسے اس وقت تک پاٹا نہیں جاسکتا جب تک کہ جدید تعلیم کے پرجوش مبلغین دین پر بھی اسی انداز میں توجہ اور محنت شروع نہ کریں۔

قاضی صاحب موصوف کی حق نوائی اور اس پر خلیفہ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کئے جانے کے واقعہ سے ایک عظیم نصیحت یہ بھی معلوم ہوئی کہ انسان کو اپنی غلطی پر ٹوکنے والے شخص سے ناگوار خاطر ہونے کے بجائے اس کا شکرگذار ہونا چاہئے کہ اس نے ایک صحیح بات کی طرف رہنمائی کی۔ یہ نہ ہو کہ اپنی حکومت اور اقتدار کے زعم میں جس نے بھی کسی بات پر ٹوکا اس سے بغض دل میں جمالیا اور اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جو شخص اپنے سچے تنبیہ کرنے والوں کی قدر نہیں کرتا وہ جلد ہی مخلص مشیروں سے محروم ہوکر مطلب پرست درباریوں کے نرغہ میں پھنس جاتا ہے، جو اپنی خودغرضی کی بناپر اسے ایسے مقام پر پہنچادیتے ہیں جہاں سے واپس ہونا اس کے بس میں نہیں رہتا، اس لئے بالخصوص اجتماعی زندگی میں ہمیں اپنے مخلصین کی قدردانی ضرور کرنی چاہئے۔ اس کے بغیر کامیابی اور عافیت میسر نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم سے نوازے۔ آمین۔ (ندائے شاہی جون ۲۰۰۴ء)

○○

ملی اداروں کی اصلاح

فتنوں کا دور

یہ دور مادی اعتبار سے ترقی کا ہے لیکن ساتھ میں فتنوں کا بھی ایک سیل رواں ہے جو بہا چلا آ رہا ہے۔ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا کہ دوسرا منھ کھولے آ کھڑا ہوتا ہے، اور ہر نیا فتنہ پہلے فتنہ کے ریکارڈ کو توڑ دیتا ہے۔ آج پوری دنیا ''دار الفتن'' بن چکی ہے۔ جدھر نظر اٹھایئے فتنے ہی فتنے ہیں، جن سے بچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی امت کو ان فتنوں سے آگاہ کر دیا تھا اور ان سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (مصنف ابن ابي شيبه ٧/٤٥٦)

اللہ تعالیٰ سے ظاہری اور پوشیدہ فتنوں سے پناہ مانگا کرو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور یہ دعا مانگی: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (ہم اللہ سے ظاہری اور پوشیدہ فتنوں سے پناہ چاہتے ہیں) اس لئے ہر مسلمان کو ہر وقت فتنہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

پے در پے فتنے

رازدارِ نبوت، صحابیٔ رسول سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلٰى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْداً عُوْداً فَأَيُّ قَلْبٍ

فتنوں کو پے در پے لوگوں کے دلوں پر چٹائی کے تنکوں کی طرح پیش کیا جاتا ہے پس جو دل ان

اُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَأَيُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ. (مسلم شريف ۸۲/۱)	فتنوں کے اثر کو قبول کر لیتا ہے اس دل میں ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے، اور جو دل ان فتنوں کا اثر قبول نہ کرے اس میں ایک سفید نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں سیدنا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَناً كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِناً وَيُمْسِيْ كَافِراً، وَيُمْسِيْ مُؤْمِناً وَيُصْبِحُ كَافِراً، يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا. (مشكوة ۴۶۲/۲)	اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے والے فتنوں سے پہلے ہی اعمال جلدی جلدی کرلو۔ (ان فتنوں کے زمانہ میں) آدمی کی یہ حالت ہوگی کہ صبح کے وقت مؤمن ہے اور شام ہوتے ہوتے کافر ہو جائیگا اور شام کو مؤمن ہے اور صبح ہوتے ہوتے کافر ہو جائیگا اور اپنے دین کو دنیوی حقیر سامان کے بدلہ فروخت کر دیگا۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس فتنہ کے دور میں جو شخص کم سے کم دین پر بھی عامل ہوگا اس کے لئے ایسے ناموافق حالات پیش آئیں گے جیسے کہ کوئی شخص انگارہ یا کانٹا ہاتھ میں لئے ہوئے ہو۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ارشاد ہے :

قَلِيْلُ الْمُتَمَسِّكِ بِدِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمَرِ اَوْقَالَ عَلَى الشَّوْكِ. (مجمع الزوائد ۲۸۱/۷)	اپنے دین پر کم سے کم عمل کرنے والا ایسا ہوگا جیسا کہ کوئی شخص انگارہ ہاتھ میں لئے ہوئے ہو، یا کانٹا ہاتھ میں لئے ہوئے ہو۔

ایسے پُر فتن ماحول میں انسان کو چاہئے کہ وہ جہاں تک ہو سکے اپنے کو فتنوں سے بچائے رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدِ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ	عنقریب فتنے رونما ہوں گے، ان فتنوں کے زمانہ میں بیٹھنے والا کھڑے ہوئے شخص سے اور کھڑا ہوا

الْـمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ السَّـاعِـيْ، مَـنْ تَشَـرَّفَ لَهَـا تَسْتَشْـرِفُـهُ فَـمَـنْ وَجَـدَ مَلْجَـأً أَوْمُعَاذاً فَلْيُعَذْبِهٖ.

(متفق عليه، مشكوٰة ٢/٧٦٨)

شخص پیدل چلنے والے سے اور پیدل چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا جو شخص ان فتنوں کی طرف متوجہ ہوگا وہ فتنے اس کو اپنی طرف متوجہ کرلیں گے (ان حالات میں) جو شخص ان فتنوں سے پناہ کی جگہ پائے وہ ان سے پناہ حاصل کرلے۔

سب سے بڑا خوش نصیب

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا سعادت مند وہ ہے جس کو فتنوں سے محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ السَّـعِيْدَ لِمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّـعِيْـدَ لِـمَـنْ جُـنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّـعِيْـدَ لِـمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلِمَنْ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهاً.

(أبوداؤد حديث: ٤٢٦٣، مشكوٰة ٢/٤٦٤)

بلاشبہ نیک بخت وہ شخص ہے جس کو فتنوں سے محفوظ رکھا جائے، بے شک سعادت مند وہ شخص ہے جس کو فتنوں سے بچایا جائے، بے شک خوش بخت وہ ہے جس کی فتنوں سے حفاظت کرلی جائے اور جو شخص فتنوں میں مبتلا ہوجائے اور وہ صبر کرلے تو اس کے کیا کہنے۔

فتنہ کو جگانے والا شخص ملعون ہے

احادیث شریفہ میں اس شخص کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے جو سوئے ہوئے فتنہ کو جگادے، یعنی جس کی ناعاقبت اندیشی اور غلط حکمت عملی سے سویا ہوا فتنہ جاگ جائے اور اس کی بنا پر لوگ آزمائش میں مبتلا ہوجائیں وہ شخص قابلِ لعنت ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أَيْقَظُهَا.

(رواہ عن انسؓ کنزالعمال ١١/٥٦)

فتنہ سو رہا ہے، جو شخص اس کو جگادے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے :

إِنَّ الْفِتْنَةَ رَائِعَةٌ فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ تَطَأُ فِيْ خِطَامِهَا لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُّوْقِظَهَا، وَيْلٌ لِمَنْ أَخَذَ بِخِطَامِهَا. (كتاب الفتن، نعيم بن حماد عن ابن عمرؓ ۱۵)

فتنہ بستیوں اور آبادیوں میں اپنی لگام سمیت چکر لگاتا رہتا ہے۔ کسی شخص کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اس فتنہ کو جگائے اس فتنہ کی لگام پکڑنے والے کے لئے بڑی تباہی ہے۔

فتنوں کے وقت لوگوں کی عقلیں ماری جاتی ہیں

جب فتنے سر اٹھاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے ایسی باتیں صادر ہوجاتی ہیں جو عقل وخرد سے بالکل دور ہوتی ہیں اور جن کا انجام بعد میں سوائے حسرت وافسوس اور ندامت کے کچھ نہیں ہوتا، لیکن اس وقت اتنا نقصان ہو چکا ہوتا ہے جس کی تلافی بعد میں نہیں ہو پاتی۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے :

تَكُوْنُ فِتْنَةٌ تَعْرُجُ فِيْهَا عُقُوْلُ الرِّجَالِ حَتّٰى مَا تَكَادُ تَرٰى رَجُلًا عَاقِلًا. (الفتن، عن حذيفة بن اليمانؓ ۳۳)

(بعض مرتبہ) ایسا فتنہ رونما ہوتا ہے جس میں لوگوں کی عقلیں خراب ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ کوئی بھی عقلمند آدمی دکھائی نہیں دیتا۔

اور مشہور صحابی حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ لوگوں کی عقلیں ماؤف ہوجائیں گی، اور رشتہ داریوں کو قطع کیا جائے گا اور غم وفکر کی کثرت ہوجائیگی۔ (الفتن ۳۴)

فتنے کہاں پلتے ہیں؟

عموماً فتنوں کی آبادی خفیہ سرگوشیوں سے ہوتی ہے، اور چپکے چپکے فتنوں کا مواد اتنا پکا دیا جاتا ہے کہ جب وہ پھٹتا ہے تو اس کے تعفّن سے ماحول بدبودار بن جاتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی

روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

وَإِنَّ الْفِتْنَةَ تُلْقَحُ بِالنَّجْوىٰ وَتُنْتَجُ بِالشَّكْوىٰ فَلاَ تُثِيْرُوْهَا اِذَا حَمِيْتُ وَلاَ تَعَرَّضُوْا لَهَا اِذَا عُرِضَتْ. (کنزالعمال ۱۱/۷۳)

فتنہ سرگوشیوں سے پروان چڑھتا ہے اور اپنے پیچھے شکوے شکایت چھوڑ جاتا ہے۔ لہذا جب فتنہ گرم ہوتو اسے مزید مت دہکاؤ اور جب وہ سامنے آئے تو اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔

ہر طرف فتنے

افسوس ہے کہ آج ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے، عقائد کے اعتبار سے فتنوں کی ایک لمبی فہرست ہے باطل فرقے اپنے تمام اسباب ووسائل امت کو گمراہ کرنے میں استعمال کررہے ہیں، اور باطل کی ملمع سازیاں اسقدر فتنہ انگیز ہیں کہ بہت سے ناواقف لوگوں کے لئے حق اور باطل میں امتیاز مشکل ہورہا ہے۔

اسی طرح معاصی اور منکرات کے فتنے بھی روز افزوں ہیں۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کہ ”میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا“۔ (مصنف ابن ابی شیبہ عن اسامۃ بن زید ۷/۴۶۶) کی صداقت کھل کر سامنے آرہی ہے، جدھر نظر ڈالئے عریانیت اور فحاشیت کے مناظر سامنے آتے ہیں، انسان لذتوں میں اتنا مدہوش ہے کہ اسے اپنی انسانیت کا پتہ نہیں رہا اور اخلاق واوصاف کے اعتبار سے جانوروں کی صف میں داخل ہوگیا ہے۔

اسی طرح گھریلو فتنے بھی کم نہیں ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو اور نندوں میں اختلافات، اسی طرح ماں باپ اور اولاد کے درمیان ناچاقیاں اور ایک دوسرے کی حق تلفیاں عام ہیں، جس کی وجہ سے گھروں کا سکون تباہ ہوتا جارہا ہے، یہی حال رشتہ داریوں کی ناقدری کا ہے، آج بھائیوں بھائیوں میں بگاڑ ہے، دوسروں سے دوستی اور محبت اور اپنوں سے نفرت اور اعراض فیشن بن چکا ہے، کوئی شخص اپنی انا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، اور ذرا ذرا سی باتوں کو بنیاد بنا کر دیرینہ تعلقات کا خون کردینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

اداروں میں فتنے

بالخصوص اجتماعی زندگی آج سخت فتنوں سے دوچار ہے، دنیوی اداروں کا تو کہنا ہی کیا، دینی جماعتیں اورادارے بھی اندرونی طور پر سخت رسہ کشی کے شکار ہیں۔ اربابِ اقتدار اپنے اقتدار کے نشہ میں ماتحتوں کے ساتھ ایسا ''ذلت آمیز رویہ'' اختیار کرتے ہیں جس سے لوگوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور قلوب میں نفرت کے جراثیم پروان چڑھنے لگتے ہیں۔ اور اربابِ اقتدار ان نزاکتوں کا احساس نہیں کر پاتے، تا آں کہ پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اور پھر فتنہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ اسی طرح جب اداروں میں کوئی شخص اصول اور دستور سے بالاتر ہوکر کام کرتا ہے تو اس سے بھی نت نئے فتنے جنم لیتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے! کہ کوئی بھی شخصیت ادارہ سے بالاتر نہیں ہوسکتی، ادارہ بہرحال مقدم ہے، اگر کسی ادارہ میں ادارہ پر شخصیت کو فوقیت دی جائے گی تو وہ ادارہ سمٹ کر رہ جائے گا، اور فتنوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔

اسی طرح جس ادارہ کے کام کرنے والے خدّام آپس میں پُر اعتمادی اور ربط کے ساتھ کام نہیں کریں گے اور ہر شخص اپنے کو مستقل سمجھے گا تو بھی ادارہ فتنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا، پرسکون اجتماعی زندگی کے لئے دوسروں کے ساتھ عزت وتکریم، وسعت ظرفی اور خوش خلقی کا برتاؤ ضروری ہے۔ ہر انسان خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنی ایک عزت نفس رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر عہدہ کی اپنی ایک منزلت ہوتی ہے۔ اس پر کوئی عمر میں چھوٹا شخص بھی اگر متمکن ہو جائے تو اس کے عہدہ کی وجہ سے اس کے ساتھ باعزت انداز میں برتاؤ کیا جائے گا، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ ''لوگوں کے ساتھ ان کے رتبوں کے موافق معاملہ کیا کرو'' نیز اجتماعی معاملات میں کسی رائے پر اڑ جانا اور دوسروں کی باتوں کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی سخت فتنہ کا موجب بنتا ہے۔ اگر آدمی یہ سمجھ لے کہ بس میری رائے ہی قابل عمل ہے، یا میں ہی عقل کل ہوں، کسی اور کے پاس عقل ہی نہیں تو ایسے شخص کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ :

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ لَجُوْجاً مُمَارِياً مُعْجِباً بِرَأْيِهٖ فَقَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهٗ.

(شعب الايمان ٦/ ٣٤١)

جب تم کسی شخص کو پیچ کرنے والا، جھگڑالو اور اپنی رائے کو اچھا سمجھنے والا دیکھو تو (سمجھ لو) کہ اس کا خسارہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔

اس طرح کا آدمی ہمیشہ اداروں کے لئے فتنہ کا سبب بنتا ہے اور اس کے طرز عمل سے دلوں میں کینہ کی آبیاری ہوتی ہے۔ نیز جن اداروں میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ چشم پوشی کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ بھی فتنوں کی زد سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ ہر مؤمن کو انصاف پسند اور عادل ہونا چاہئے اور اصولوں کے نفاذ میں کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہئے۔

فتنہ اور اختلاف ختم کرنے کا سب سے مجرب اور مؤثر نسخہ

اگر کسی بات میں اختلاف اور فتنہ پیدا ہو جائے تو اس کی آگ کو بجھانے کی سب سے مؤثر تدبیر اور مجرب نسخہ یہ ہے کہ اولاً درمیان میں دوسروں کو ڈالے بغیر خود صاحبان معاملہ آپس میں زبانی گفتگو اور بالمشافہہ ملاقات کے ذریعہ نہایت ٹھنڈے دل سے معاملہ سلجھانے کی کوشش کریں۔ اور کسی تیسرے شخص کی لگائی بجھائی سے ہرگز متأثر نہ ہوں۔ اس کے برخلاف اگر ذرا سی بات پر گفتگو اور ملاقات بند کر دی جائے گی یا بیچ میں دیگر نا اہل لوگوں کو ڈال لیا جائے گا تو معاملہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ جائے گا۔ اسی وجہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دن سے زیادہ بالقصد بات چیت بند کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/ ۴۲۷)

اس لئے اگر فریقین خود ہی دانشمندی سے کام لیں اور انصاف کا راستہ اختیار کریں تو فتنہ سر اٹھانے سے پہلے دم توڑ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے فتنوں سے پوری طرح محفوظ رکھے اور امت کے ہر فرد کو دارین کی عافیت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۳ء)

○○

دینی اداروں کو بددیانتی سے بچائیں!

اسلام کی امتیازی ترین تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم امانت ودیانت کا اہتمام کرنے اور خیانت اور بددیانتی سے مکمل اجتناب کی بھی ہے جو شخص امانت دار نہ ہو وہ مکمل مومن کہلائے جانے کا حق دار نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ. (مسند أحمد عن انسؓ ۳/۱۳۵)

جس شخص کے پاس امانت نہیں اس کا ایمان (کامل) نہیں اور جو عہد کی پاسداری نہ کرے اس کے پاس (گویا کہ) دین ہی نہیں۔

اور اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں امانتوں کو ادا کرنے کا حکم اس طرح فرمایا ہے :

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا. (النساء : ۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچادو امانتیں امانت والوں کو۔

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے چھ باتوں کی ضمانت لے لو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں ان میں سے ایک بات یہ ارشاد فرمائی **وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ.** (مسند احمد ۵/۳۲۳) یعنی جب تمہیں امین بنایا جائے تو اسے (جوں کا توں) حقدار کو ادا کرو۔

نیز ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی علامتیں شمار کراتے ہوئے ارشاد فرمایا :

وَلِيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ. (مشکوٰۃ شریف ۲/۴۲۴)

اور جب اسے امین بنایا جائے تو وہ اپنی امانت ادا کردے۔

اس کے برخلاف شریعت میں خیانت کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور منافق کی خاص علامتوں میں خیانت کو شمار کرایا گیا ہے۔(بخاری شریف ۱۰/۱)

بریں بنا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ امانت کی صفت سے متصف رہے اور خیانت و بد دیانتی سے پوری طرح نفرت رکھے۔اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔محدث ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ انسان کے ہر گناہ کا کفارہ بن سکتی ہے مگر امانت میں خیانت کے لئے وہ کفارہ نہیں بنے گی۔اس مقتول فی سبیل اللہ کو قیامت کے دن بارگاہ رب العالمین میں حاضر کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کر ! وہ عرض کرے گا کہ میں کیسے ادا کروں دنیا تو ختم ہو چکی؟ تو اچانک اسے اپنی امانت جہنم کے گہرے گڈھے میں دکھائی دے گی، چنانچہ وہ وہاں جاکر اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے گا لیکن وہ (بوجھ کی وجہ سے) اس کے کاندھے سے کھسک جائے گی اور یہ خود بھی اسی کے ساتھ جہنم میں گر پڑے گا۔(اعاذ نااللّٰہ منه)

امانت کا مفہوم

حضرات مفسرین اور شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ میں امانت کا لفظ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔اس سے صرف وہی امانت وودیعت مراد نہیں جو ایک انسان دوسرے کے پاس بطور حفاظت رکھتا ہے اگرچہ اس کی حفاظت بھی لازم ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کا امین کو حق نہیں ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر امانت کا مفہوم انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو شامل ہے جس کی اگر شرح کی جائے تو الفاظ کم پڑ جائیں گے مگر امانت کے ہمہ گیر مفہوم کا احاطہ نہ ہو سکے گا مثال کے طور پر:

الف :- تمام عبادات کو تمام شرائط وآداب کے ساتھ بجالانا امانت ہے اور اس میں کوتاہی کرنا خیانت ہے۔

ب :- بندوں کے تمام حقوق کو بجالانا امانت ہے اور اس میں ناانصافی کرنا خیانت ہے۔

ج :- انسانی اعضاء وجوارح کو عبادت اطاعت اور رضائے خداوندی کے کاموں میں لگانا امانت کی ادائیگی ہے اور اس کے برخلاف کرنا خیانت اور بددیانتی ہے۔

د :- انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سکنڈ اللہ کی امانت ہے ان اوقات کو خیر کے کاموں میں صرف کرنا امانت ہے اور انھیں ضائع کر دینا خیانت ہے۔

ہ :- اگر ہم طالب علم ہیں تو علم، کتاب، اساتذہ، اور ادارہ کے حقوق کو پورا کرنا امانت ہے اور انھیں پامال کرنا کھلی ہوئی خیانت ہے۔

و :- اگر ہم استاد ہیں تو ہمارے سے متعلق طلبہ ہمارے پاس امانت ہیں ان کی صحیح تربیت اور ان کے ساتھ کما حقہ خیر خواہی امانت کی ادائیگی ہے اور ان کی خیر خواہی میں کوتاہی کرنا بدترین خیانت ہے، اگر ہم کسی ادارہ کے ذمہ اور مسئول ہیں تو اس کے تمام حسابات اور کاغذات کو درست رکھنا ہے اور اس میں کوتاہی کرنا بدترین خیانت ہے۔

الغرض زندگی کے ہر موڑ پر امانت ہماری رہنما ہونی چاہئے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کسی طرح کی خیانت سے ہمیں دور رہنا چاہئے۔ اس سے بڑی کوئی اور نصیحت اس دور میں نہیں ہوسکتی ہر کام کرتے وقت ہمیں اپنے ضمیر اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ضرور کرنا چاہئے جبھی ہم زندگی کے ہر موڑ پر امانت و دیانت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں دیانت کا فقدان

رازدارِ رسول سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں بیان فرمایا کہ ایک دور وہ تھا کہ میں معاملہ کرتے وقت جس سے چاہتا بے دھڑک معاملہ کر لیتا کیوں کہ اگر وہ شخص مسلمان ہوتا تو اس کی دین داری اسے میرے پاس لے آتی اور اگر وہ غیر مسلم ہوتا تو حاکم وقت کا ڈر اسے صحیح معاملہ کرنے پر مجبور کر دیتا لیکن آج کی تاریخ میں حال یہ ہے کے میں صرف فلاں فلاں شخص ہی سے معاملہ کرتا ہوں۔ (مسلم شریف ۱/۸۲)

یعنی میرے دیکھتے ہی دیکھتے امانت و دیانت کے اعتبار سے لوگوں میں اس قدر انحطاط ہو گیا کہ اب امانت داروں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ تبصرہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا ہے جوں جوں زمانہ خیر القرون سے دور ہوتا جا رہا ہے اسی رفتار سے لوگوں کے دلوں

سے امانت ودیانت کے جذبات خارج ہوتے جارہے ہیں عوام کا تو پوچھنا ہی کیا وہ لوگ جو خواص کہلاتے ہیں ان کی زندگیاں بھی امانت ودیانت سے خالی ہوتی جارہی ہیں، وہ لوگ جو مسند درس اور منصب خطابت پر بیٹھ کر امانت کے موضوع پر خطاب کے جوہر دکھاتے ہیں، جب ان کی نجی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہاں امانت کا نام ونشان نظر نہیں آتا ہے۔ مالی معاملات میں بے احتیاطی اس قدر عام ہوتی جارہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا ڈر باقی ہی نہیں رہا۔ خواص کی اس بددیانتی کی وجہ سے قوم کے اعتماد اور اہل دین کے وقار کو سخت نقصان پہونچ رہا ہے جس پر اگر دیانتداری سے توجہ نہ دی گئی تو پوری ملت اسلامیہ سخت مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہوسکتی ہے۔

بعض اہل مدارس کی بددیانتی

ہمیں سب سے پہلے خود اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے، ہمارا تعلق چونکہ طبقہ اہل مدارس سے ہے جو ملت کے دینی تحفظ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں سب سے پہلے اپنے اندر پائی جانے والی بے احتیاطی کو دور کرنے پر محنت کرنی چاہئے۔ کیوں کہ اگر ملت کی اس ریڑھ کی ہڈی میں بددیانتی کا گھن لگ گیا تو پھر ملت کی خیر نہیں ہے ہمیں نہایت افسوس بلکہ شرم کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج مدارس سے تعلق رکھنے والے ہمارے بعض بھائیوں نے امانت ودیانت کو بالائے طاق رکھ کر نہایت بے غیرتی کے ساتھ محض مالی منفعت کو اپنا مقصود بنالیا ہے اور چندہ کی مقدار بڑھانے کے لئے ایسے ایسے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کئے جارہے ہیں جو پورے طبقۂ علماء کو بدنام کرنے کے لئے کافی ہیں شہر مرادآباد میں خدام مدرسہ شاہی ملک کے طول عرض میں پھیلے ہوئے مدارس کے سفراء کی تصدیق کے لئے ان کے کاغذات اور تعارفی لٹیریچر کا گہرائی سے جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے، نیز اس دوران شہر میں سفراء مدارس کی نازیبا حرکتوں کا بھی علم ہوتا رہتا ہے جس کو سن کر اور دیکھ کر جو دلی تکلیف پہونچتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، اس سال ماہ مبارک میں کئی ایسی بددیانتیاں سامنے آئیں جن کا تذکرہ اوران پر تنبیہ ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ ہمیں اپنی بے احتیاطیوں کا اندازہ ہو اور آئندہ ان سے بچنے کا پختہ

ارادہ دل میں کیا جائے وہ چند افسوس ناک باتیں یہ ہیں :

(۱) بعض مدارس طلبہ کی تعداد سے زیادہ بڑھا کر لکھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں، جبکہ وہ واقعہ کے بالکل خلاف ہوتی ہیں، ایک مدرسہ جہاں مشکل سے بیس پچیس بچے پڑھتے ہوں گے اس کے سفیر نے دوسری جگہ جا کر پوری ڈھٹائی کے ساتھ پانچ سو طلبہ کی تعداد بیان کی، جو محض جھوٹ ہے۔

(۲) اس سال متعدد مدارس کی طرف سے یہ دھاندلی سامنے آئی کہ انھوں نے رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کی سند ارتباط اور دیگر تصدیقات کی فوٹو اسٹیٹ کرا کے مدرسہ کی جگہ پر چپی لگا کر خود اپنے ہاتھ سے اپنے مدرسہ کا نام لکھ لیا اور ایک مدرسہ والے نے تو غضب کر دیا کہ اوپر دارالعلوم دیوبند کا پیڈ اور نیچے حضرت مہتمم صاحب کے دستخط فوٹو کرا کر درمیان میں خود اپنے ہاتھ سے اپنے مدرسہ کے لئے تصدیق لکھ کر چسپاں کر دی اور پھر فوٹو کاپی کرا کے دونوں کو ملا دیا۔

(۳) اور یہ شکایت تو متعدد لوگوں سے معلوم ہوئی کہ کچھ مدارس والے پرانی رسید پر جھوٹ موٹ رقم لکھ کر یا پرانی رقم میں بڑھا کر معطی کے سامنے دھاندلی سے پیش کرتے ہیں اور اس طرح ان سے زیادہ رقمیں وصول کر رہے ہیں، تو اس طرح کی بے ایمانی کو دینے والے انسان سے تو ممکن ہے کہ چھپا لیا جائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جو عالم الغیب والشہادہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی اور اس طرح جو بھی رقم حاصل کی جائے گی اس میں ہرگز برکت نہیں ہو سکتی وہ لینے والے کے لئے وبال بنے گی اور ادارہ کے لئے بدترین نقصان کا باعث ہوگی۔

(۴) مراد آباد کے ایک بڑے مخیّر صاحب خیر جو ہر سال کئی لاکھ روپیہ کی زکوٰۃ نہایت اکرام کے ساتھ سفراء کو تقسیم کرتے تھے انھوں نے خود راقم الحروف سے بیان کیا کہ وہ ہر سال کا ریکارڈ رمضان ختم ہونے کے بعد تلف کر دیا کرتے تھے لیکن پچھلے کئی سالوں سے جب انہیں دھاندلی کا شبہ ہوا تو انھوں نے تمام رسیدیں کمپیوٹر میں ڈال دیں اور اس سال جب سفراء

آنے شروع ہوئے تو انھوں نے پچھلی فہرست سے ملانا شروع کیا تو پتہ یہ چلا کہ بعض بعض مدارس ایک ہی مدرسہ کی پندرہ پندرہ رسیدیں کاٹ کر لے گئے جس کے وجہ سے انھیں نقد تقسیم کا سلسلہ بند کرنا پڑا اور منی آرڈر سے رقومات بھیجنے کا فیصلہ کیا اور بھی کئی حضرات نے تنگ آ کر یہی طریقہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھی اور اگر بے ایمانی اور بددیانتی کا تسلسل یوں ہی جاری رہا تو تمام بڑے بڑے صاحب خیر حضرات یا تو بدظن ہو کر مدارس کو زکوٰۃ دینا بالکل بند کر دیں گے یا بذریعہ ڈاک تھوڑی بہت رقم جاری رکھیں گے ان چند لوگوں کی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے بلا امتیاز تمام مدارس کا اعتماد مجروح ہو رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مدارس کے لئے غیر مسلم فرقہ پرستوں کی سازشوں سے زیادہ خطرناک اور ان کے کردار کو مجروح کرنے والے یہی نادان دوست ہیں جو چند ٹکوں کی خاطر مدارس کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں اس میں ان کا نقصان ہو یا نہ ہو مدرسوں کا سخت ترین نقصان ہے۔

(۵) عام طور پر احقر کا معمول یہ رہا کہ جس مدرسہ کو خود دیکھا ہو یا جن مدارس کا معتبر علماء نے معائنہ کیا ہو اس کی تصدیق میں کوئی تامل نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود یہ دیکھ کر سخت اذیت ہوئی کہ بعض مدارس کے سفراء نے احقر کے نقلی دستخط بنا لئے یا چپی وغیرہ لگا کہ دوسرے معتبر مدرسہ کے لئے کئے جانے والے دستخط کو فوٹو اسٹیٹ کے ذریعہ اپنے مدرسہ سفارت نامہ پر لگا لیا، ظاہر ہے کہ یہ ایسی کھلی ہوئی بے غیرتی ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

ذرا سوچیں!

ذرا غور تو کریں! اگر اہل مدارس ہی دیانت کا دامن چھوڑ دیں گے تو آخر دنیا میں کون سی مخلوق دیانتدار کہلائی جائے گی پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ”جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے (جو خود ایک قسم کی دھاندلی اور بددیانتی ہے) تو اس کا رزق تنگ کر دیا جاتا ہے“۔ اسی طرح جس مدرسہ کے ذمہ داران بے ایمانی سے چندہ حاصل کریں گے وہ کبھی بھی چین سے بیٹھ نہیں سکتے، اور کبھی بھی انہیں مالی وسعت نصیب نہیں ہو سکتی، جو لوگ اس طرح کی حرکتوں

میں ملوث ہیں وہ بلاشبہ پورے طبقہ کی بے عزتی کا ذریعہ بن رہے ہیں، اور جو مدارس صحیح کردار کے حامل ہیں اور ان کے ذمہ داران ماشاء اللہ صاحب دیانت اور اہل ورع وتقویٰ ہیں ان کو مشکوک قرار دینے میں بھی انہیں بددیانت افراد کا ہاتھ ہے۔ اس لئے خدا کے واسطے دین اور اہل دین پر رحم کھانا چاہئے اور ہمیں ایسی ذلت ناک حرکات سے پوری طرح بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے اس کے بغیر ہمیں عزت ووقار کا مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا اگر کسی کو دولت کمانی ہے تو وہ جائز کاروبار کرلے، کچھ نہ ملے تو مونگ پھلی بیچ کر یا ٹھیلہ لگا کر حلال پیسہ حاصل کرے مگر اپنی مذبوحی حرکتوں سے دینی اداروں کو بدنام نہ کرے اور مدارس وغیرہ کو لمیٹیڈ کمپنی میں تبدیل نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ورع وتقویٰ اور امانت ودیانت سے مالا مال فرمائے اور ہر قسم کی مالی بے احتیاطیوں سے اور قولی وعملی خیانتوں سے محفوظ فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۴ء)

○○

دینی مدارس میں

''سرکاری امداد'' کے مفاسد

۱۸۵۷ء میں انگریز نے ہندوستان سے اسلام کو نکالنے کا بگل بجا دیا تھا، ہزاروں علماء تختہ دار پر چڑھا دئے گئے تھے، علم دین کے مراکز اجڑ چکے تھے، اور یوروپ کی عیسائی مشنریوں کا ایک سیلاب تھا جو ہندوستان کے ناواقف اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دام فریب میں مبتلا کرنے میں مصروف تھا، اس وقت مؤرخ قلم روک کر ظاہری حالات سے یہ دوٹوک نتیجہ اخذ کر رہا تھا کہ اب شاید ہندوستان میں اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے گا، یہاں کی مسجدیں ویران ہو جائیں گی، ٹوپی اور داڑھی کا چلن خواب وخیال بن جائے گا، اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں سننے سے ہندوستان کے بام ودر ترس جائیں گے، مگر ان یاس انگیز حالات میں کچھ اللہ کے بندے راتوں میں بارگاہ خداوندی میں سسک سسک کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور دین برحق کے تحفظ کے اسباب فراہم ہونے کی بھیک مانگ رہے تھے۔ اللہ ارحم الراحمین کو ان مانگنے والے مخلص ترین بندوں کے ''انداز طلب'' پر ترس آیا اور ابھی ''دلی'' اجڑے ہوئے دس سال بھی نہ گذرے تھے کہ حسرت ویاس کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ''دیوبند'' کی بستی میں ''دارالعلوم'' کی شکل میں ایک چراغ روشن ہوا، پھر اس ایک چراغ سے چراغ پر چراغ جلتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا برصغیر علم دین کی روشنی سے منور ہو گیا۔ دیوبند کے چراغ میں یہ روشنی کہاں سے آئی کہ اس کا فیض لا محدود ہو گیا؟ اور علاقوں کی حدود اور رنگ ونسل کے امتیاز سے بالاتر ہو کر اس کی خدمات کے نقوش عالم کے چپہ چپہ پر کیسے ثبت ہو گئے؟ آخر اس ایک ادارہ میں جسے بظاہر ایک پرانی مسجد اور انار کے

درخت کے نیچے شروع کیا گیا تھا کون سی ایسی قوت تھی جس نے اسے بقائے دوام بخشا؟ دیو بند جب شروع ہوا تو نہ بلڈنگ تھی نہ دنیوی اسباب، نہ دعوے تھے نہ تعریفیں، نہ جلسہ تھا نہ جلوس، بس چند خرقہ پوشوں کی ایک انجمن تھی جس کا ہر رکن اخلاص کا پیکر مجسم اور دیانت وتقویٰ کا مینارۂ پر نور تھا، انہی حق نواؤں کے خلوص نے وہ کر دکھایا جس کا دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی، دنیا کے اور اداروں کے لئے بے وسر وسامانی اور اسباب کی فراہمی میں رکاوٹ ان کی ترقی میں مانع ہوتی ہے، مگر تحریک دیو بند کا یہ امتیاز ہے کہ یہ ترقی ہی اسی وقت کرتی ہے جب بے سروسامانی کا عالم ہو، اور جہاں بے سروسامانی کا خاتمہ ہوا، اور معاش کی طرف سے بے فکری ہوئی وہیں اس تحریک کی راہ میں سنگ گراں حائل ہو جاتا ہے۔ اس تحریک کے روح رواں حجۃ الاسلام الامام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو الہامی طور پر پہلے ہی اس حقیقت کا ادارک ہوگیا تھا، چنانچہ آپ نے ''دارالعلوم دیو بند'' کے انتظام کے متعلق جو ۸/ بنیادی اصول طے فرمائے ان میں سے اصول نمبر ۶-۷ کے الفاظ درج ذیل تھے :

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں ہے جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت، یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی، اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، الغرض آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔ (ماخوذ تاریخ شاہی نمبر ۵)

آج سے ایک سو چالیس سال پہلے لکھے گئے مذکورہ بالا اصول کے روشن الفاظ تجربات کی کسوٹی پر سو فیصد صحیح اور کھرے ثابت ہوئے ہیں۔ مدرسوں کی تاریخ پر نظر اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں انہی مدارس کا فیض زیادہ پھیلا ہے اور پھیل رہا ہے جو ''بے سروسامانی'' کے امتیاز سے آراستہ ہیں، جن کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر ہے کہ کل مدرسہ کیسے چلے گا؟ اس کے لئے اہل مدرسہ نہ صرف در در کی خاک چھانتے ہیں بلکہ دل برداشتہ ہوکر کبھی بارگاہ ایزدی میں مجسم سوال بن جاتے

ہیں، یہی رجوع الی اللہ- جواثر ہے بے سروسامانی کا - دراصل مدارس کی ترقی کا راز سربستہ ہے۔ اس کے برخلاف جو مدارس ''بے سروسامان'' نہیں بلکہ ''باسروسامان'' ہیں، یعنی ان کی آمدنی کا ذریعہ یقینی ہے اور نقد محنت پر موقوف نہیں ہے وہ یا تو زیادہ دن تک چل نہیں پاتے اور اگر چلتے بھی ہیں تو اکثر ان کا فیض عام نہیں ہو پاتا۔

سرکاری امداد کے مضر اثرات

بالخصوص مدارس کے لئے ''سرکاری پیسہ'' نہایت مضر ہے۔ یہ پیسہ جب اور جہاں پہنچتا ہے اپنے مہلک اثرات سے پورے ماحول کو پراگندہ کردیتا ہے، یہ پیسہ مدارس کی روح کو کھینچ لیتا ہے، اور دینی اداروں کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیتا ہے۔ ملک میں صوبائی سطح پر قائم ''مدرسہ بورڈوں'' کے ذریعہ آج جس فراوانی کے ساتھ ملحقہ مدارس پر روپیہ خرچ کیا جارہا ہے اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ مدرسہ کے نام پر ''سہولت پسندی کے مراکز'' جابجا قائم کردئے جائیں، افسوس ہے کہ بعض صوبے تو پہلے ہی اس فریب میں مبتلا ہوکر اپنے علمی سوتوں کو خشک کر چکے ہیں، اور اب یوپی میں بھی شدت کے ساتھ مدارس کے الحاق کے لئے حکومتی سطح پر تحریکیں چلائی جارہی ہیں، اور ایک عام رجحان یہ بنایا جارہا ہے کہ '' آخر سرکاری امداد لینے میں حرج کیا ہے؟ اور مدارس والے سرکاری پیسہ سے اتنا پرہیز کیوں کرتے ہیں؟'' تو اس بارے میں حکومت کی بدنیتی اور مدارس کے اثرات کو تباہ کرنے کی وجوہات کے علاوہ ہم اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں برملا یہ کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس سرکاری امداد سے خود اس سے متعلقہ علماء کا کردار خطرہ میں پڑ گیا ہے کیوں کہ اس پیسہ کے جو کم از کم ظاہری اثرات رونما ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) **بے برکتی**: اس پیسہ کو حاصل کرنے والے لوگ عموماً اپنی آمدنی پر قانع نہیں رہتے، اور ظاہراً گرانقدر تنخواہوں کے باوجود کشادگی کی نعمت سے محروم رہتے ہیں۔

(۲) **جذبۂ خدمت کا فقدان** : سرکاری تنخواہ پانے والے اکثر حضرات تنخواہ ہی کو اصل مقصود بنا لیتے ہیں اور دینی خدمت کا جذبہ رفتہ رفتہ ان کے دل سے نکل جاتا ہے، اور اس کی علامت یہ ہوتی

ہے کہ دوسری جگہ خواہ کتنی ہی دینی ضرورت ہو وہ اپنی موجودہ تنخواہ چھوڑ کر کہیں جانے پر تیار نہیں ہوتے۔

(۳) **فرض کی ادائیگی میں کوتاھی** : جب براہ راست حکومت سے تنخواہ ملتی ہے تو عموماً استاد کا مزاج محض ڈیوٹی بجالانے کا بن جاتا ہے، خواہ طلبہ سمجھیں یا نہ سمجھیں، یاد کریں یا نہ کریں، اس سے استاد کو کوئی غرض نہیں رہتی۔

(۴) **سستی اور جمود** : سرکاری تنخواہ کی لت سے آدمی فطری طور پر سست ہو جاتا ہے اب نہ وہ مطالعہ کے لئے محنت کی ضرورت سمجھتا ہے اور نہ ادارہ کی ترقی کے لئے سر کھپاتا ہے کیوں کہ سمجھتا ہے کہ محنت سے کیا فائدہ تنخواہ تو مجھے ملنی ہی ملنی ہے۔

(۵) **علم کا ضیاع** : اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ سرکاری روپیہ سے علم دین کی روشنی مدہم پڑ جاتی ہے اور اس کا فیضان رک جاتا ہے۔ بڑے بڑے باصلاحیت اور ذہین علماء جن سے ان کے اساتذہ نے نیک توقعات وابستہ کر رکھی تھیں مگر سرکاری اداروں میں ملازم ہو کر وہ ایسے بجھ کر رہ گئے کہ آج انہیں کوئی جانتا بھی نہیں اور جنہیں عالم میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنا چاہئے تھا اس روپیہ نے ان کی رونق کو گہن لگا دیا۔ العیاذ باللہ۔

یہ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا خرابیاں ان مدارس سے وابستہ بعض باہمت مخلص حضرات میں نہ پائی جاتی ہوں، لیکن عام طور پر جو ابتلاء ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض غیر سرکاری مدارس سے متعلق لوگ بھی مذکورہ خرابیوں سے دوچار ہوں مگر ان جیسے لوگوں کا تناسب الحمدللہ دوسروں سے کم ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسی خرابیوں سے بچنا ہر شخص کا دینی فریضہ ہے، خواہ اس کا تعلق کسی طرح کے بھی مدارس سے ہو، علماء کو بہر صورت حرص و طمع اور مالی بے احتیاطیوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کے بغیر ان کا وقار برقرار نہیں رہ سکتا ہے۔

سرکاری امدادی اسکیموں کے مفاسد

حکومت کی طرف سے دینی مدارس کو لبھانے کے لیے وقتاً فوقتاً نت نئی اسکیمیں جاری کی جاتی رہتی ہیں اور بہت سے ناعاقبت اندیش ذمہ داران مدارس محض ظاہری اور وقتی نفع کے خاطر ان

اسکیموں کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ اور پھر وہ ایسی کوتاہیوں اور بد دیانتیوں میں ملوث ہوتے ہیں جو دینی خدام کے ہرگز شایان شان نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند اسکیمیں اور اس کے مفاسد ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں:

(۱) **پرائمری درجات کے بچوں کو وظیفہ**: گذشتہ چند سالوں میں حکومت نے بہت زور وشور سے یہ اعلان کیا کہ وہ اقلیتی اداروں میں تعلیم پانے والے بچوں کو وظیفہ دینا چاہتی ہے، چناں چہ بہت سے اہل مدارس کی رال ان وظائف پر ٹپک گئی، اور بڑی بڑی رشوتیں دے کر یہ وظیفہ منظور کرایا اور عموماً اس میں یہ دھاندلی کی گئی کہ فرضی طور پر طلبہ کی تعداد زیادہ بتائی اور اس بنیاد پر زائد وظائف لے کر افسران کی ملی بھگت سے روپئے خرد برد کردئے گئے۔ افسوس ہے کہ یہ کام ایسے ہاتھوں سے انجام پایا جنھیں بہرصورت اپنے مقام تقدس کا خیال رکھنا ضروری تھا، مگر انہوں نے نہ صرف اپنی عزت کو داغ دار کیا بلکہ دینی تقدس کو بھی سخت نقصان پہنچایا، پھر بعض جگہ اس وظیفہ اسکیم کا دوسرا مضر پہلو یہ سامنے آیا کہ جو مدارس وظیفہ لے کر بلاکم وکاست ہر طالب علم کو اس کا مقررہ حصہ دے رہے تھے اور افسران کو کچھ نہیں دیتے تھے ان کے خلاف افسران نے یہ سازش رچی کہ کسی معمولی طالب علم سے وظیفہ نہ ملنے کی تحریری شکایت لے کر کے مدرسہ میں تفتیش کا جواز حاصل کرلیا۔ اور تعداد طلبہ میں کچھ کمی بیشی کا بہانا بنا کر پورے مدرسہ پر یہ جرمانہ لگایا کہ اب تک جتنا وظیفہ وصول ہوا ہے وہ سب واپس کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ دینی ودنیوی مصیبتیں اسی وظیفہ اسکیم کے خراب اثرات پر مبنی ہیں۔

(۲) **مدارس میں ماسٹروں کی تنخواہوں کا نظم**: اسی طرح اب حکومت نے یہ مہم چلا رکھی ہے کہ ہر مدرسہ میں عصری تعلیم کے لئے ایک دو استاد حکومتی خرچ پر رکھے جائیں جن کی تنخواہ حکومت براہ راست ادا کرے گی۔ یہ تجویز دیکھنے میں بڑی خوبصورت اور پرکشش ہے چناں چہ بعض علاقوں میں اس پرکشش اسکیم کو اپنے حق میں منظور کرانے کے لئے مدارس کی گویا ہوڑ لگی ہوئی ہے اور بہت سے ذمہ داران مدارس اور تقرری کے متوقع امیدوار ماسٹر، اس اسکیم کے مستحق بننے کے لئے جوڑ توڑ کررہے ہیں، حالاں کہ یہ حکومت کی طرف سے مدارس میں دخل

اندازی کا ایک چور دروازہ ہے جس پر اگر ابھی مضبوطی سے بند نہ لگایا گیا تو کل جب اس کا ہولناک نتیجہ سامنے آئے گا اور خون کے آنسو رونا پڑے گا، ماسٹروں کو ماہانہ چند ٹکے دیکر حکومت دراصل مدارس میں مداخلت کا راستہ صاف کرنا چاہتی ہے اور پھر ضمنی طور پر یہ طریقہ مدارس کے روح کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے، اس لئے کہ جو جدید تعلیم یافتہ ماسٹر رکھا جائے گا اس کی وضع قطع پر پابندی لگانا دشوار ہوگا اور پھر اس کے غلط اثرات جو سامنے آئیں گے وہ اہل نظر پر مخفی نہیں، اسی طرح اس تنخواہ دار ملازم کو کسی غلطی سے ادارہ سے علاحدہ کرنا بڑی جوکھم کا کام ہوگا کیوں کہ وہ سرکاری ملازم کی حیثیت سے قانونی اعتبار سے اپنے کو برتر سمجھے گا اور کسی کو خاطر میں نہیں لائے گا وغیرہ وغیرہ، اس طرح کے مفاسد کو نظر انداز کر کے اسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ بھی کسی مخلص خادم دین کے ذہن میں نہیں آسکتا۔

(۳) **تعمیری امداد** : حکومت اقلیتی دینی مدارس میں اپنے خرچ پر کمرے اور درسگاہیں تعمیر کرانے کی پیش کش بھی کرتی ہے یہ بھی متعدد مفاسد پر مشتمل ہے اور مدارس میں مداخلت کرنے کا بہانا ہے، ایک معتبر ذمہ دار مدرسہ نے احقر سے بتایا کہ تعمیر مدرسہ کے لئے اقلیتی بہبود کے محکمہ سے جو فارم خانہ پوری کے لئے جاری کیا جاتا ہے اس میں ایک شق یہ بھی ہے کہ جتنے رقبہ زمین پر سرکاری خرچ سے عمارت بنے گی وہ عمارت اور زمین سرکاری قبضہ میں چلی جائے گی، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور تصرف کیا ہوسکتا ہے کہ مدرسہ کی ملکیت یا وقف کی زمین سرکاری تعمیر کی وجہ سے ادارہ کے تصرف سے نکل جائے، علاوہ ازیں اس بڑی رقم کی منظوری اور حصول میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور متعلقہ افسران کو جس طرح دل کھول کر رشوتیں دی جاتی ہیں وہ بھی حد درجہ قابل مذمت ہیں جو علماء کے شان پر بٹہ لگانے والی ہیں۔

آخر ہمارا ضمیر کہاں ہے؟

مذکورہ بالا حقیقی مفاسد مشاہدہ میں آنے کے بعد کوئی بھی باضمیر عالم اور خادم دین اپنی

اداروں میں ایک لمحہ کے لئے بھی سرکاری تعاون قبول کرنے کو روانہیں رکھ سکتا، آج جولوگ سرکاری امداد کے حصول میں سرگرداں ہیں انہیں تنہائی میں اپنے ضمیر کا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ان کا ضمیر اس بددیانتی پر- جو سرکاری امداد کا لازمی حصہ ہے- مطمئن ہے؟ اور کیا وہ امداد لیکر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں چلارہے ہیں؟ اگر ہم نسبت قاسمی کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتے ہیں تو کیا اس کا تقاضہ یہی ہے، کہ ہم اپنے بزرگوں کی روش سے ہٹ کر چند ٹکوں کے خاطر اپنی نسبت قاسمیہ کو داغدار کردیں؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارا ضمیر زندہ اور مستعد ہوگا اور دین کی مخلصانہ خدمت کا مبارک جذبہ ہمارے دلوں میں موجزن ہوگا تو ہم نہ صرف یہ کہ نئی اسکیموں کے دام سے اپنے کو بچائیں گے بلکہ جو ادارے سرکاری امداد لیتے آرہے ہیں ان کو بھی یہی مشورہ دیں گے کہ خدارا وہ اپنے اوپر اور اپنے ادارہ پر رحم کریں اور سرکاری امداد واپس کر کے توکل علی اللہ کے سرمایہ کو حرز جان بنائیں، تاکہ علم کا فیضان پورے جوش وخروش اور آب وتاب کے ساتھ جاری رہے اور دینی مدارس سے علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چاردانگ عالم کو روشن کرتے رہیں، گذشتہ سال رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس کے موقع پر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے تمام ملک کے اندار ان مدارس کو ایک تحریر ارسال فرمائی تھی جس میں بطور خاص سرکاری امداد لینے سے مکمل پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی تھی، اس لئے اگر مدارس واقعتاً اپنی بقا چاہتے ہیں تو انہیں حکومتی امداد لینے کا ارادہ قطعاً ترک کر دینا چاہئے اور حالات کتنے ہی ناگفتہ بھی کیوں نہ ہو جائیں اپنی آزادی میں خلل پیدا کرنے والی کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، ہمارا جذبہ بقول علامہ اقبالؒ یہ ہونا چاہئے:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ☆ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدارس کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے، ذمہ داران کو حرص وطمع سے بچائے اور صحیح فکر اور عقل سلیم سے نوازے۔ آمین۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۰۳ء)

نوٹ : یہ مضمون یہاں معمولی حذف وترمیم کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے، قبل ازیں یہ ملک کے دیگر

رسائل میں بھی شائع ہو چکا ہے، اوراس کی اشاعت پر بہت سے حضرات نے زبانی اورتحریری طور پر اس کی بھرپور تائید کی، اور بعض ایسے حضرات جو سرکاری امداد کے اداروں سے وابستہ رہے ہیں انہوں نے بھی مندرجہ حقائق کی تصدیق کی، تاہم ہمارے بعض احباب کواس سے ناگواری ہوئی اور انہوں نے خامہ فرسائی بھی فرمائی۔ اس لئے یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف خطرات سے آگاہی کے لئے اکثر اداروں کے تکلیف دہ احوال کو سامنے رکھ کر لکھا گیا تھا۔ اس کے مخاطب وہ ادارے ہرگز نہیں ہیں جہاں امانت ودیانت کے ساتھ تعلیم وتربیت کا نظم ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے اداروں کی تعداد بہت اقل قلیل ہے، ورنہ اس سرکاری چکر سے وابستگی کے بعد دینی اوراخلاقی حدود پر برقرار رکھنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ خود اپنے ضمیر کا محاسبہ کرسکتے ہیں۔ احقر کا مقصد کسی کی تحقیر وتنقیص ہرگز نہیں بلکہ خطرہ سے آگاہ کرنا ہے۔ جو لوگ اس خطرہ کو واقعی محسوس کریں وہ سوچ لیں، ورنہ کوئی شکوہ نہیں۔ (مرتب)

○○

جمعیۃ علماء ہند
وہ ہند میں سرمایہ ملت کی نگہبان

گذشتہ دنوں ایک غیر مسلم کمپنی کے اردو اخبار (جو دراصل ایک خاص سیاسی پارٹی کا ترجمان ہے) نے ہفتوں تک جمعیۃ علماء ہند اور اس کے قائدین کے خلاف لعن طعن کا بازار گرم رکھا، بہت سے شکست خوردہ لوگوں کو بھی اچھا موقع ہاتھ آ گیا اور انھوں نے بھی زبانی، یا تحریری خوب دل کے پھپھولے پھوڑے، اور مذکورہ اخبار نے ان ہرزہ سرائیوں کو بہت نمایاں کر کے شائع کیا، جب کہ حقیقت پر مبنی سنجیدہ مضامین اور مراسلوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کر کے خود اپنے ہی طرز عمل سے صحافتی دیانت داری کو داغدار کر دیا، اس موقع پر درج ذیل تحریر لکھی گئی تھی۔ (مرتب)

لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان قیادت سے محروم ہیں مگر میرے خیال میں یہ بات حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس دینی وملی قیادت پہلے بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے، اور قیادت نہ ہونے کا ''راگ'' وہی لوگ الاپتے ہیں جو ''اس موجودہ قیادت'' کو اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھتے ہیں اس لئے وہ منصوبہ بند طریقہ پر ''قیادت'' کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مگر یہ سطحی کوششیں پہلے بھی رائیگاں ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی رائیگاں ہوتی رہیں گی، انشاء اللہ۔ تاریخ بار بار اس حقیقت کو ثابت کر چکی ہے کہ آج بھی قوم کا اعتماد اپنے علماء پر سب سے زیادہ ہے، اور جب بھی قوم وملت پر نازک وقت پڑتا ہے تو نگاہیں صرف اور صرف علماء کرام کی قیادت کی طرف اٹھتی ہیں اور قوم ان کے اشارے اور قیادت کی منتظر رہتی ہے اور پھر علماء کی آواز ملت کے ہر فرد کی آواز بن جاتی ہے۔ آج کی تاریخ میں علماء کی ان آوازوں میں بین القومی اور ملکی سطح پر جو آواز

سب سے مضبوط اور منظّم ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کی آواز ہے۔ جس کا نظام کشمیر سے لے کر کیرالہ تک اور بمبئی سے لے کر منی پور تک پھیلا ہوا ہے اور جس کے اراکین ملک کے شہروں اور دیہاتوں تک میں موجود اور متحرک ہیں۔ یہ آواز تاریخ کے ہر دور میں اپنی قیادت کے معیار پر کھری اتری ہے۔ جس کی روشن خدمات کے نقوش ملک کی ہر مسجد، ہر مدرسہ بلکہ ذرہ ذرہ پر نقش ہیں۔ اس عظیم تاریخی اور مضبوط قیادت کے رہتے ہوئے یہ کہنا کہ ''مسلمانوں کے پاس قیادت نہیں'' اسے سوائے کور چشمی کے اور کیا قرار دیا جاسکتا ہے۔

واقعی قیادت کی پہچان

آج کا دور بین الاقوامی طور پر جھوٹ کے فروغ کا دور ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ''بریف کیس میں بند'' یا ''ایک کمرے تک محدود'' یا علاقائی جماعتوں کو بے تکلف ''کل ہند'' بلکہ کہیں کہیں تو ''عالمی'' تک کا لقب دے دیا جاتا ہے۔ اور اس کے جھوٹ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہیں دوسرا المیہ یہ ہے کہ چند طالع آزما قائدین قوم کے جذبات سے خطرناک طریقہ سے کھلواڑ کر کے اپنی قیادت کو چمکاتے ہیں اور خوف خدا اور فکر آخرت دل سے نکال دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اب قائد اسے سمجھا جاتا ہے جو قوم کے جذباتی مزاج کے مطابق بات کرے اس کے برخلاف جو قیادت تخریب کے بجائے تعمیر اور جوش کے بجائے ہوشمندی کا ثبوت دیتی ہے تو اس کے خلاف لعن وطعن کا محاذ کھول دیا جاتا ہے حالاں کہ تجربہ کی روشنی میں صحیح اور واقعی قیادت کی پہچان کے لئے درج ذیل حقائق کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

(۱) اول یہ کہ دیکھا جائے کہ اس قیادت کا دائرۂ کار اور اثر ونفوذ کس قدر ہے؟ جتنا زیادہ بڑا دائرۂ کار ہوگا اتنی ہی وہ قیادت مؤثر ہوگی۔

(۲) دوسرے یہ جائزہ لیا جائے کہ اس قیادت کا طرز عمل اور منصوبہ تعمیری ہے یا تخریبی؟ اگر تخریبی ہے تو وہ قیادت ہرگز مخلص قرار نہیں دی جاسکتی۔ مخلص قیادت کا تعمیری فکر والا ہونا

لازم ہے۔

(۳) پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ قیادت قوم پر اثر انداز ہوتی ہے یا قوم اس قیادت پر اثر انداز ہوتی ہے؟ جو قیادت قوم پر اپنا اثر نہ بنا سکے بلکہ نازک معاملات میں عوامی جذبات سے مغلوب ہوجائے اور محض عوامی ناراضگی کے خوف سے غلط فیصلہ پر مجبور ہوجائے تو وہ قیادت ہرگز ہرگز مخلص قیادت نہیں کہلائی جاسکتی۔ مخلص قیادت وہ ہوتی ہے جو عوام کی خوشنودی کے بجائے ان کی خیر خواہی پر اپنی پالیسی کی بنیاد قائم کرتی ہے۔ خواہ اسے اس کی بنا پر کتنے ہی ناگوار حالات کا سامنا کرنا پڑے۔

(۴) یہ دیکھا جائے کہ کب کس قیادت کے فیصلے قوم وملت کے حق میں مفید ثابت ہوئے؟ اور کس قیادت کی حرکتوں نے قوم کو نقصان پہنچایا؟۔

مذکورہ امور کا جائزہ لینے سے حقیقت پوری طرح واضح ہوسکتی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند ہی کیوں؟

گذشتہ ۹۰ رسال کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کی قیادت کے مطلوبہ معیار پر نظریاتی اور عملی طور پر اگر کوئی جماعت پوری اترتی ہے تو وہ ''جمعیۃ علماء ہند'' ہے۔ جس کے شاندار ماضی اور حال کے مقابلہ میں دوسرے ''راہ رو'' اور ان کی خدمات ناقابل یقین حد تک مختصر نظر آتی ہیں۔ عوامی اثر ورسوخ، تنظیمی پھیلاؤ، تعمیری نظریات، عملی جدوجہد اور اصابت رائے کے اعتبار سے جمعیۃ کے کردار کو کبھی بھی اور کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو لوگ اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں قوم خود انہیں کو دیر سویر نظر انداز کردیتی ہے جمعیۃ کی قیادت کے امتیازات کیا ہیں؟ ان کا کچھ اندازہ درج ذیل اشارات سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) **عوامی رابطہ**: جمعیۃ علماء ہند کا تنظیمی نظام بہت مضبوط اور جمہوری ہے۔ ہر دو سال میں ملکی سطح پر تنظیم کی باقاعدہ ممبر سازی ہوتی ہے۔ مقامی وضلعی وصوبائی جمعیتوں کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ ہر عمل کا دستور اور ضابطہ مقرر ہے، جس کی روشنی میں جماعت کا نظام کم وبیش ملک کے اکثر

صوبوں میں قائم اور متحرک ہے۔ جمعیۃ کے اراکین (جن میں بڑی تعداد میں علماء اور سماجی ورکر شامل ہیں) کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عوامی خدمت اور اصلاحی جدوجہد کے لئے وقت فارغ کریں۔ اور مقامی ملی معاملات سے راست طور پر جڑے رہیں۔ اسی عوامی رابطے کی بدولت آج جمعیۃ کی جڑیں معاشرہ میں گہرا اثر ونفوذ قائم کرگئی ہیں۔ اس ہمہ گیری میں ''جمعیۃ علماء ہند'' اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس کے برخلاف جمعیۃ کے متوازی جو جماعتیں بنائی گئیں وہ جلد ہی تاریخ کے صفحات میں گم ہوگئیں۔ اس لئے کہ ان کو فعال افراد مہیا نہ ہوسکے اور ان کی قیادت قربانی کے وقت اپنی ذمہ داری نہیں نبھاسکی۔

(۲) **جمعیۃ علماء ہند اور تعمیر ملت** :جمعیۃ علماء ہند روز اول سے تعمیری جدوجہد میں مصروف رہی ہے۔ آزادی کا پرآشوب دور ہو یا آزادی کے بعد کے یاس انگیز حالات ہوں، ہمیشہ جمعیۃ نے ملت کی تعمیری ضروریات کی تکمیل پر بھرپور توجہ دی ہے۔ پورے ملک میں مکاتب ومدارس کا جال پھیلانے، عصری تعلیم کے اسباب مہیا کرانے اور اقتصادی ترقی کے لئے غیر سودی مالیاتی ادارے قائم کرنے میں جمعیۃ کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور آج بھی ملک کے طول وعرض میں بڑے عظیم تعمیری، تعلیمی اور سماجی منصوبوں پر ''جمعیۃ علماء'' کام کررہی ہے، جن کی وضاحت باعث طوالت ہے۔ جمعیۃ علماء نے ہمیشہ بقائے باہم کے اصول پر کام کیا ہے۔ اس نے ملک میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کے درمیان اتحاد وہم آہنگی پیدا کرنے کی جدوجہد کی اور کسی موقع پر کسی طرح کی فرقہ پرستی کا ساتھ نہیں دیا، اس نے جس طرح ہندو جارح فرقہ پرستی کی لعنت کا ہر سطح پر ڈٹ کر مقابلہ کیا، اسی طرح اس ملک میں مسلم فرقہ پرستی کو بھی خود قوم مسلم کے لئے سم قاتل قرار دیا، اور اس کے خلاف سینہ سپر رہی۔ اور اس معاملہ میں کبھی نہ تو سودا کیا اور نہ ہی جذباتی عوام کی ناعاقبت اندیش حرکتوں سے متاثر ہوئی۔ جمعیۃ کے قائدین نے کبھی بھی مظلوم مسلمانوں کی لاشوں یا ڈھائی ہوئی مسجدوں کے ملبہ پر اپنی قیادت نہیں چمکائی بلکہ وہ ہمیشہ ہوشمندی کے ساتھ صحیح رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔ اور ملت میں تخریب کی ہر کوشش سے اپنے کو الگ رکھا۔

(۳) **جمعیۃ کی بے مثال استقامت**: جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں بے شمار ایسے لمحات آئے کہ بڑے بڑے حوصلہ مند بھی حوصلہ کھو بیٹھے اور وقت کی رفتار میں بہہ کر ''لمحوں کی خطا'' کے مرتکب ہو گئے لیکن ''جمعیۃ علماء ہند'' کی قیادت ہمیشہ ایسے موقعوں پر استقامت کی پہاڑ بن گئی، کیا آج کوئی تصور کر سکتا ہے اس وقت کا عالم جب پورے ملک کے مسلمان پر ''مسلم لیگ'' کا جنون چڑھا ہوا تھا اور گلی کوچے میں ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کے نعرے لگ رہے تھے۔ مسلمان اپنے جذبات کے جنون میں ایسے مدہوش تھے کہ انھیں پتہ ہی نہیں رہا تھا کہ کون سی قیادت ان کی ہم درد ہے اور کون سی تباہ کار؟ اس وقت اگر جمعیۃ کی قیادت جرأت وہمت کی تاریخ نہ رقم کرتی اور وقت کے دھارے کو بدلنے کے لئے میدان میں نہ آتی، تو آج بظاہر اسباب اس ملک میں مسلمانوں کا سر اٹھا کر جینا ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہوتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جمعیۃ کی بے لوث قیادت نے اس وقت انگاروں پر چل کر اور جان پر کھیل کر ملت کو بچانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ اس عظیم احسان کو ملت کبھی بھلا نہیں سکتی۔ اسی طرح بابری مسجد تحریک کے موقع پر جب بہت سے موقع پرست جذباتی قائدین نے میدان میں اتر کر مسجد کو اپنی سیاست کا محور بنا لیا تھا۔ اور پوری قوم جذبات کی رو میں بہہ رہی تھی لوگوں نے بہت چاہا کہ جمعیۃ علماء بھی اس سلسلہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے لیکن جمعیۃ علماء کی قیادت کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ ''بابری مسجد کی لڑائی سڑکوں پر نہیں بلکہ عدالت میں لڑنی چاہئے۔ اور عدالت میں یہ لڑائی جمعیۃ علماء لڑ رہی ہے'' اس وقت جمعیۃ کا یہ جواب بہت کڑوا لگتا تھا لیکن جب بے جا جذباتیت کی بنا پر بالآخر بابری مسجد شہید ہو گئی تو سب جذباتی قائدین بھی اسی بات پر آ گئے جہاں جمعیۃ علماء پہلے دن سے قائم تھی۔ جمعیۃ علماء الحمد اللہ آج بھی مضبوط انداز میں بابری مسجد کا مقدمہ لڑ رہی ہے۔ یہی حال جمعیۃ علماء کا فسادات کے موقعوں پر رہا۔ راوڑ کیلا، جبل پور سے لے کر گجرات تک فسادات کی تاریخ میں ریلیف، اور باز آبادکاری کے سلسلہ میں ''جمعیۃ علماء'' کا کردار آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء کی خدمات کا دسواں حصہ بھی کسی اور تنظیم نے سرانجام نہیں دیا بلند وبانگ دعوے اور اسٹیج پر جذباتی اشتعال انگیز تقریریں کر کے قوم کو آگ میں جھونک

دینے کا کھیل کھیلنے والے بہت ہیں، لیکن زمین پر کام کرنے کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو بسا اوقات ''جمعیۃ علماء'' تن تنہا کھڑی نظر آتی ہے۔ابھی کل کی بات ہے جب گجرات جل رہا تھا، دلّی میں سجے سجائے کمروں میں بیٹھ کر بیانات تو بہت سے لوگ دے رہے تھے، لیکن گجرات کی آگ وخون کی ہولی کے درمیان جان ہتھیلی پر رکھ کر خدمت کرنے والے رضا کار جمعیۃ علماء سے وابستہ تھے، جو گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ جا کر مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھ رہے تھے۔ پھر گجرات کے فسادات سے جو مایوسی کی لہر پورے ملک کے مسلمانوں میں پھیلی تھی اور ایک دہشت کا ماحول قائم کیا جارہا تھا، تو جمعیۃ علماء نے ۲ر مئی ۲۰۰۲ء کو دہلی میں زبردست ''بھارت بچاؤ'' ریلی کا انعقاد کر کے مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کرنے کا ایک اہم اقدام کیا تھا۔ پھر اسی برس دہلی میں ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' چلا کر پوری قوم میں ایک حرکت پیدا کر دی تھی۔اسی طرح اس سے قبل مدارس ومساجد کے خلاف سیاہ بل پر احتجاج کرتے ہوئے ''جمعیۃ علماء'' نے اپنی طاقت کا لوہا منوالیا تھا۔ وغیرہ۔

(۴) **''جمعیۃ علماء ہند'' کی ہمہ گیری** : جمعیۃ علماء نے اپنے روز قیام سے آج تک پورے ملک کے حالات پر نظر رکھی ہے۔اس کی سوچ کا دائرہ کسی خاص علاقہ تک محدود نہیں ہے۔اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے فیصلے ہمہ گیری لئے ہوئے ہوتے ہیں۔اور مسلمانوں کے متعلق ہر موضوع کو شامل ہوتے ہیں، خواہ وہ مذہبی ہوں، تعلیمی یا سماجی ہوں یا ان کا تعلق سیاسی حالات سے ہو۔ اور تمام اہم فیصلے اجتماعی طور پر قوم وملت کے مفاد میں لئے جاتے ہیں، اور یہ روایت آج بھی قائم ہے۔جس کا اندازہ مجلس عاملہ کی تجاویز اور کارروائیوں سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔کوشش کی جاتی ہے کہ یہ فیصلے اعتدال پر مبنی ہوں اور ان سے قوم کو نقصان نہ پہنچے، اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جہاں دونوں طرف کچھ نہ کچھ مشکل ہو تو بڑی مشکل کے دفعیہ کے لئے ہلکی مشکل برداشت کی جاتی ہے جیسا کہ شریعت اسلامی کا اصول بھی یہی ہے۔ عام طور پر جمعیۃ کے سیاسی فیصلے اسی اصول پر مبنی رہے ہیں۔ اس لئے انہیں حالات کے اعتبار سے غلط نہیں کہا جاسکتا، آج محض کسی خاص جماعت کو کوسنے سے کام نہیں چل سکتا بلکہ ضروری ہے کہ ہم درمیان کا ایسا راستہ نکالیں کہ ''سانپ

بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' ورنہ محض کوسنا اور لعن طعن کرنا مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

جمعیۃ علماء تنقید سے بالاتر نہیں

مذکورہ تفصیلات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جمعیۃ کے قائدین نعوذ باللہ تنقید سے بالاتر ہیں۔ اور یہ کہ ان کے کسی فیصلے پر قلم نہیں رکھا جاسکتا ہے ایسا دعوی موجودہ زمانے میں کسی کے بارے میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ برائے اصلاح ہو۔ اگر کوئی شخص جمعیۃ کی کسی پالیسی سے اختلاف رکھتا ہے تو وہ دلائل کی روشنی میں مہذب انداز میں جمعیۃ کے ذمہ داروں کے سامنے اپنی بات پیش کردے۔ اور جمعیۃ کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ وہ اسکی رائے پر غور کریں اور اگر مناسب رائے ہو تو اسے قبول کرنے میں دریغ نہ کریں۔ اور قوم میں ہمیشہ اپنا اعتماد بحال رکھنے کی کوشش کرتے رہیں، اور کوئی ایسا فعل نہ کریں جس سے غیروں کو کیچڑ اچھالنے کا موقع حاصل ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ اب تنقید اصولوں پر نہیں بلکہ ذاتیات کے دائرے میں آجاتی ہے۔ اور فوراً ہی پگڑیاں اچھالنے کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے اور اخبارات کے صفحات سیاہ کرنے شروع کردئے جاتے ہیں اور ہر قلم پکڑنے والا مراسلے اور مضامین لکھ کر بہتی دریا میں ہاتھ دھولیتا ہے اور جمعیۃ کی پالیسی کے ایسے معانی اور مطالب نکالے جاتے ہیں جو جمعیۃ کے ارباب حل وعقد کے خواب وخیال میں بھی کبھی نہیں آتے تو ظاہر ہے کہ یہ ''بے جا تنقید'' نہ جماعت کے لئے مفید ہے اور نہ خود لکھنے والوں کے لئے۔ ایسی تنقیدوں سے دور ہی رہنا قوم وملت کے مفاد میں ہے۔ جمعیۃ علماء کا وقار اس وقت پوری قوم کا وقار بن گیا ہے ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس وقار کو بلند کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کریں ذاتی انا کو چھوڑ کر جماعت کی خدمات کا اعتراف کریں اور اس کی ترقی میں حصہ لیں۔ اسی میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ اللہ تعالی ہماری اجتماعیت کو برقرار رکھے اور ہر سطح پر غلط فیصلوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۳ء)

○○

علماءِ حق اور تحفظِ شریعت

دین کے تحفظ کے لئے

''مولویت'' کیوں ضروری ہے؟

آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں امت کو آگاہ فرما دیا تھا کہ ''خبردار! میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے بیڈ پر تکیہ لگائے بیٹھا رہے اور جب اس کے سامنے امر و نہی کے بارے میں میری کوئی حدیث پہنچے تو وہ یہ تبصرہ کرے کہ میں اور کچھ نہیں جانتا ہمیں تو جو اللہ کی کتاب میں ملے گا ہم تو صرف اسی کی پیروی کریں گے''۔ (ابن ماجہ شریف ۳)

پیغمبر علیہ السلام کی اس تنبیہ کے باوجود مذکورہ نظریہ اور عمل والے لوگ پہلے بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ زمانہ اور حالات کے اعتبار سے ایسے لوگوں کی شناخت الگ الگ ناموں اور جماعتوں سے ہوتی رہی لیکن یہ خطرناک اور مہلک نظریہ بہر حال موجود رہا، آج بھی یہ طبقہ ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔ اور چوں کہ علماء حقانی — جن پر شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے — وہ ہر موقع پر اس طبقہ سے برسر پیکار رہتے ہیں اس لئے اس طبقہ کو سب سے زیادہ چڑ اور بغض علماء برحق سے ہے، جس کا اظہار اس کی طرف سے نجی مجلسوں، اخباری بیانات اور تحریروں میں ہوتا رہتا ہے۔

ابھی چند روز قبل مدیر ''ندائے شاہی'' کے نام دہلی سے چند مضامین برائے اشاعت موصول ہوئے جن میں امت کے عالمی حالات کو مدنظر رکھ کر یہ راگ الاپا گیا ہے کہ ''آج امت کی تباہی کی بنیاد یہ ہے کہ دین کی تشریح پر ''مولویت'' نے اجارہ داری کرلی ہے اور عام مسلمانوں کا

راست رابطہ وحیٔ ربانی سے کاٹ دیا گیا ہے، جب تک اس ''مولویت'' کو درمیان سے ہٹا کر براہ راست وحیٔ ربانی سے ہر فرد کا رابطہ نہ ہوگا اس وقت تک امت کو فلاح نہیں مل سکے گی''۔ (مفہوم)

یہ مضامین کسی ''راشد شاز'' صاحب کے نام سے جاری ہوئے ہیں جنہوں نے بڑی قوت کے ساتھ اپنے آپ کو امت کا سب سے بڑا مخلص ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ انٹرنیٹ پر ''فیوچراز اسلام'' کے نام سے اردو، عربی اور انگریزی میں ایک دو ماہی بین الاقوامی مجلّہ نکالا جائے جس میں تمام عالم کے دانشوروں کو اپنی آراء کے اظہار کا کھلا موقع دیا جائے۔ گویا کہ بین الاقوامی طور پر یہ کوشش کی جائے کہ کس طرح دین سے ''مولویت'' کو کاٹ کر الگ کیا جائے تا کہ دین کا (بقول آں موصوف) بھلا ہو سکے، یہ مضامین اور ان میں کی گئی ہرزہ سرائی (بلکہ ''بکواس'') ہرگز اس لائق نہ تھی کہ انہیں ''ندائے شاہی'' کے صفحات میں بحث کا موضوع بنایا جائے لیکن چوں کہ یہ نظریات صرف صاحب مضمون تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ آج پورے عالم میں اسلام کو ''ماڈرنائیز'' کرنے کی سازش چل رہی ہے۔ اور تمام اسلام دشمن طاقتیں اس مشن پر کام کررہی ہیں کہ کسی طرح مسلمان کا رابطہ مولویوں سے کاٹ دیا جائے اور ہر گھر میں ایک مجتہد کھڑا کر کے دین کو کھیل تماشہ بنا دیا جائے، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس نظریہ کی زہرناکی سے ناواقف مسلم عوام کو آگاہ کیا جائے تا کہ گمراہی اور تشکیک کے دروازے بند ہوسکیں۔

بیمار ذہنیت

اولاً ''راشد شاز'' صاحب کے مضامین کے کچھ تراشے ملاحظہ کریں، تا کہ ان کی ذہنیت کا اندازہ ہوسکے :

○ موصوف لکھتے ہیں: ''حقیقت گو کہ انتہائی تلخ ہے، ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ آج امت مسلمہ اپنے فکری زوال اور عملی انتشار کی وجہ سے خیر امت کے منصب جلیل سے معزول ہو چکی ہے''۔

○ ایک جگہ یوں گویا ہوتے ہیں: ''شاید ہی کوئی ایسا دور گزرا ہو جب ہمارے اندر اصلاح احوال کے لئے دین کی طرف واپسی کا نعرہ نہ لگایا گیا ہو یا قرآن کے نسخۂ شفا کے استعمال کا مشورہ نہ

دیا گیا ہوالبتہ عملی طور پر ہوا یہی ہے کہ دین کی طرف ہماری واپسی بڑی حد تک فقہی رسوم کی بازیافت سے عبارت رہی۔ وحیٔ ربانی پر انسانی تعبیرات نے اقتباسات کی جو دبیز دھند طاری کر رکھی تھی اس کے اسرار و عواقب کا صحیح اندازہ لگانے میں ہم سے سخت غلطی ہوتی رہی''۔

○ اس کے بعد فقہی اختلافات کو امت میں تصادم کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:
''عملاً ہوا یہ کہ احیائے امت کے اس فقہی، مسلکی اور گروہی منہج نے گروہی تصادم کی راہ ہموار کی'' پھر فرماتے ہیں: ''ہمارے اسلامی ادارے، دینی علوم کی درس گاہیں، غور و فکر کے موقر حلقے چوں کہ اسلام کی مخصوص فقہی یا فکری تعبیر کے رہین منت ہیں اس لئے ان کے لئے اپنے فقہی دائرۂ فکر سے باہر آ کر خالص وحی کی روشنی میں موجودہ صورت حال کا محاکمہ کرنا مشکل ہو رہا ہے، عالم اسلام کے مختلف خطوں میں مختلف فقہی انداز فکر نے جس طرح دینی فکر پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کی اس کے نتیجہ میں آج خود اہل اسلام باہم برسر پیکار نظر آتے ہیں''۔

○ آگے چل کر علماء و فقہاء پر پھبتیاں کسنے کا یہ انداز ملاحظہ فرمائیں: ''جہاں ''قال فلان''، و''روی فلان'' پر معاملات فیصل کرنے کا رواج ہو وہاں مسئلہ وحی ربانی کی روشنی میں اپنے دل و دماغ کو متحرک کرنے کی دعوت خواہ کتنی ہی معقول ہو، اجنبی ضرور لگے گی''۔

○ آگے گل افشانی کرتے ہیں: ''...... اس لئے اس نکتہ کا ادراک مشکل نہیں کہ جس طرح قرآن مجید خدا اور بندے کے مابین کسی ربائیت یا پاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے اسی طرح وہ مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے۔ نہ تو تشریح و تعبیر پر کسی کی اجارہ داری ہے اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پر شبہ وارد کرے''۔

○ اس کے بعد مولویت کے خطرے سے خبردار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''انسانی گردنوں کو اصر و اغلال سے نجات دلانے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی سعی بلیغ پر ربائیت پاپائیت اور مولویت پھر سے اپنی کمندیں ڈال دے گی''۔

○ اور ایک دوسرے مضمون میں اپنا مافی الضمیر اس طرح ادا کرتے ہیں: ''آخر کیا وجہ ہے

کہ قرآن مجید کی موجودگی کے باوجود مسلمانوں کے تمام ہی گروہ یا فکری حلقے اپنی دینی مشن متحرک رکھنے کے لئے اپنے اکابرین کی کتابوں پر انحصار لازم خیال کرتے ہیں، قرآن مجید کی موجودگی کے باوجود بھی کیا اس بات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ کسی فقیہ، مفسر، یا امام یا اہل دل کی کتابوں کو فہم دین میں سند کا مرتبہ حاصل ہو''؟

کیا پتہ چلا ؟

مذکورہ تراشوں سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صاحب مضمون فقہ اسلامی اور اس سے وابستہ علماء اور مولویوں سے بدترین قسم کا بغض وعناد رکھتے ہیں اور آج امت کی بزعم خود ''خیر امت کے منصب سے معزولی'' اور اختلاف وانتشار کا اصل ذمہ دار اُن علماء ومفتیان کو مانتے ہیں جو امت کے مسائل کا حل آج تک فقہ اسلامی کی روشنی میں کرتے آئے ہیں، موصوف کے بقول اسلام کی نظر میں مولویت اسی طرح شجر ممنوعہ ہے جیسے ربائیت اور پاپائیت منع ہے۔ مضمون نگار صاحب کی رائے میں امت کی تمام تر تباہیوں کا حل یہ ہے کہ امت کا ہر فرد براہ راست وحیٔ ربانی (قرآن کریم) سے رابطہ کرے اور کسی فقیہ، مفسر اور امام کی بات نہ مانے بلکہ خود جو سمجھ میں آئے وہی عمل کیا کرے۔

خودرائی خطرناک مرض ہے

جس طرح کتے کے کاٹے مریض کا حال ہوتا ہے کہ وہ بیماری کی وجہ سے پانی سے دور بھاگتا ہے، تا آنکہ پیاسا ہی مرجاتا ہے۔ اسی طرح اہل بدعت اور خودرائی کے بیمار یہ جدت پسند، علماء حق اور علم صحیح سے دور بھاگتے ہیں اور بالآخر فہم سلیم سے محروم ہو کر اپنا دین وایمان تباہ کر بیٹھتے ہیں یہ بات خود ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔ تفصیلی روایت یہ ہے :

عَنْ أَبِيْ عَامِرِ الْهَوْزَنِي عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِی سُفْيَانَ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ قَامَ فَقَالَ : اَلَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِيْنَا

حضرت ابو عامر ہوزنی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان تشریف

فَقَالَ: اَلَا اِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَاَنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ، ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ، وَزَادَ عَمْرُو بْنُ يَحْيٰ وَعَمْرٌو فِيْ حَدِيْثِهِمَا وَاِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَجَارىٰ بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارىٰ الْكَلْبُ لِصَاحِبِهٖ لَايَبْقىٰ مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصَلٌ اِلَّادَخَلَهٗ .

(ابوداؤد شریف مع بذل المجهود مصری ۱۸/ ۱۱۸)

لائے اور یہ خطاب فرمایا: کہ سن لو! تم سے پہلے اہل کتاب ۷۲/ فرقوں میں بٹے تھے اور یہ امت ۷۳/فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے ۷۲/فرقے جہنم میں اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا جو اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر ہوگا (یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نمونہ پر ہوگا) اسی روایت میں عمرو بن یحیی اور عمرو نے یہ بھی اضافہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں خواہشات (بدعات وخودرائی) کا زہر اس طرح سرایت کرجائے گا جیسے کتے کے کاٹے کی بیماری کا زہر آدمی میں سرایت کرجاتا ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں بچتا جہاں وہ زہر نہ پہنچے۔

اس ارشاد نبوی سے صاف معلوم ہوگیا کہ فرقہ ناجیہ وہی ہے جس پر امت کی اکثریت متفق ہو مثلاً ائمۂ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اور ان کے متبعین، کہ صدیوں سے امت کی اکثریت انہی طریقوں سے وابستہ ہے اور ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ حق سمجھا جاتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کی تکفیر وتفسیق نہیں کرتا اور یہ سب طریقے فرقہ ناجیہ میں شامل ہیں۔

اسی طرح ناجیہ ہونے کیلئے شرط ہے کہ وہ بدعات سے دور اور خودرائی سے نفور ہو، ورنہ محض اہل سنت والجماعت نام رکھنے سے کوئی جماعت اہل سنت نہیں کہی جاسکتی، بلکہ سنت والجماعت کے مطابق عقیدہ اور عمل لازم ہے۔

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو جاہل لوگ خواہشات نفس مثلاً بدعات (کیوں کہ ہر

بدعت نفسانیت پر ہی مبنی ہوتی ہے) اور خود رائی (یعنی اہل علم ، اور علماء راسخین پر اعتماد کئے بغیر اپنے کو دین کی تشریح کا حقدار سمجھنا) میں مبتلا ہیں وہ دراصل ایک زہریلے مرض کے مریض ہیں ، اور انکی طرف سے علماء حق اور شرعی احکام و مسائل کے خلاف جو ہتک آمیز حقارت آمیز اور اشتعال انگیز باتیں سامنے آتی رہتی ہیں وہ دراصل اسی بیماری کا اثر ہے ۔ جس طرح کتے کے کاٹے ہوئے مریض سے ہیجان انگیز حرکتیں صادر ہوتی ہیں اور وہ لوگوں پر پاگلوں کی طرح چڑھ دوڑتا ہے ، اور پانی سے ، جس میں اس کی زندگی ہے دور بھاگتا ہے ، اسی طرح یہ خواہشات کے غلام ، علماء حق کی صحیح رہنمائی پر مطمئن ہونے کے بجائے ہذیان میں مبتلا ہوکر اول فول بکواس شروع کردیتے ہیں ، جس کا آئے دن مظاہرہ اخبارات کے صفحات پر ہوتا رہتا ہے کہ کبھی طلاق کا شوشہ چھوڑ کر اور کبھی خواتین کے حقوق کا بہانا بنا کر زہریلے انداز میں ہر کس و ناکس رائے زنی شروع کردیتا ہے ، اور جہالت کے باوجود سمجھتا یہ ہے کہ اس سے بڑا روئے زمین پر کوئی واقف کار نہیں ہے تو یہ سب باتیں بلاشبہ اسی نفسیاتی بیماری کے اثر سے ظاہر ہوتی ہیں ۔

جاہلیت جدیدہ

یہ ممکن ہے کہ کسی علاقہ میں کچھ مولوی نما فتنہ پروروں کی فتنہ انگیزی سے امت آزمائش میں مبتلا ہوگئی ہو ، لیکن بعض ناعاقبت اندیش افراد کی حرکت کی وجہ سے پورے طبقہ ، علماء و مفتیان کو بیک جنبش قلم ناقابل اعتبار قرار دیدینا اور ان کی عظیم الشان دینی و علمی خدمات کو یکلخت کالعدم کردینا پرلے درجہ کی جہالت اور حماقت ہے ۔ کوئی بھی ذی شعور شخص اسے قبول نہیں کرسکتا ، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شہر کے کچھ ڈاکٹروں کی غلط تجویز و تشخیص سامنے آنے پر وہاں کے جاہل عوام یہ فیصلہ کر بیٹھیں کہ آج سے یہاں کسی ڈاکٹر کو نسخہ لکھنے نہیں دیا جائے گا ، بلکہ ہر آدمی خود ہی ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے لئے خود ہی دوا علاج تجویز کرلیا کرے گا ، اور سب ڈاکٹروں سے ان کی ڈگریاں چھین لی جائیں گی اور انہیں ان کے کلینکوں اور اسپتالوں سے بے دخل کردیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اس جاہلانہ تباہ کن تجویز پر ہر عقل مند شخص اپنا سر پیٹ لے گا اور یقین کرلے گا کہ اب

اس بستی والوں کی تباہی یقینی ہے۔اس لئے کہ ہر کس و نا کس نہ تو ڈاکٹری اور طب کی کتابوں کو پڑھ اور سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی وہ خود اپنا علاج تجویز کر سکتا ہے، بعینہٖ یہی معاملہ علماء کے بارے میں بھی ہے کہ اگر بالفرض کوئی ''مولوی'' اپنے منصب کے خلاف کوئی حرکت کر بیٹھے،تو ضرورت ہے کہ اس کی اصلاح وفہمائش کی جائے،لیکن اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ اس کے ردعمل میں آستین چڑھا کر براہ راست وحئ ربانی سے استفادہ کرتے ہوئے ضروری علم کے بغیر حلال وحرام کے بارے میں فتوی دینے کا منصب سنبھال لیا جائے اور ماہر علماء کو پس پشت ڈال کر من مانے انداز میں اجتہاد کی گرم بازاری کی جائے۔ظاہر ہے کہ اگر ایسا کیا جائے گا تو یہ دین مذاق اور کھلواڑ بن کر رہ جائے گا۔اور نفسانی خواہشات دین پر غالب آجائیں گی۔اور دینی انارکی پھیل جائے گی۔اور دراصل ''راشد شاز'' جیسے ''نادانش ورٹولہ'' کا منصوبہ ہی یہ ہے کہ دنیا میں دینی اعتبار سے بدانتظامی اور انارکی پھیلا دی جائے اور دینی اقدار ونظریات کا جنازہ نکال کر انہیں مادی وعقلی موشگافیوں کے گہرے کھڈ میں دفن کر دیا جائے۔ یہ لوگ جو آج امت کے بزعم خود خیر امت کے منصب سے معزول ہونے پر ٹسوے بہا رہے ہیں یہی لوگ درحقیقت امت کے لئے رستے ہوئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے اٹھنے والی بدبو سے آج پورا ماحول پراگندہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ لوگ جاہلیت جدیدہ کے علم بردار اور علم وآگہی اور شعور سے پوری طرح محروم ہیں، علماء کے بغض نے ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی ہیں اور وہ دین وشریعت کے خلاف بکواس کرنے پر اتر آئے ہیں۔

دین کی تشریح کا اختیار کس کو ؟

ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دین اسلام محض ہنسی کھیل اور تماشہ ہے کہ جو شخص چاہے اس کی تشریح کا بیڑا اٹھا لے، اور اپنی لچر تاویلات سے ''وحئ ربانی'' کو تختۂ مشق بنا ڈالے۔تو کوئی بھی انصاف پسند شخص عقلی طور پر بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا، کیوں کہ ہر فن کا ماہر شخص ہی اس فن کے اسرار ورموز سے واقف ہو سکتا ہے۔طب کی کتابوں کی تشریح حکیم اور ڈاکٹر ہی صحیح طرح کر سکتے ہیں۔انجینئرنگ اور سائنس کی تشریحات میں قابل انجینئر اور سائنس داں ہی کی رائے قبول ہوتی

ہے اسی طرح قانون کی وضاحت میں وکیل اور ایڈووکیٹ حضرات کا مشورہ ہی لائق توجہ سمجھا جاتا ہے۔ تو کیا دینی علم جو تمام علوم سے اشرف واعلی ہے اتنا گیا گذرا ہو گیا کہ اس کے لئے کسی مہارت کی ضرورت نہ رہے اور جاہلوں کو اس کی تشریح کا اختیار دے دیا جائے؟ اور کوئی بھی کندۂ ناتراش کھڑے ہو کر قرآن کی تفسیر اور سنت کی تشریح کرنے لگے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، وحیٔ ربانی کی تشریح وتفسیر کا حق صرف اور صرف اسی کو حاصل ہے جو علوم نبوت میں کامل درجہ کی مہارت اور قابلیت رکھتا ہو، تمام نصوص پر اس کی نظر ہو، احادیث شریفہ کے درجات اور ناسخ ومنسوخ کے بارے میں اسے مکمل معلومات حاصل ہوں، اس میں محض عربی زبان دانی بھی کافی نہیں بلکہ ہر نص کے سیاق وسباق اور موقع محل کو جانچنے کی اعلی صلاحیت بھی ناگزیر ہے۔ اسی صلاحیت اور استعداد کا نام فقاہت اور مولویت ہے، اور اس کے بھی الگ الگ مراتب ہیں بعض فقہاء ایسے ہیں جن کو مطلقاً اجتہاد یعنی وحیٔ ربانی اور سنت نبویہ سے براہ راست استنباط احکام کا حق حاصل ہے جیسے ائمۂ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) اور بعض ایسے ہیں جن میں صرف جزئی اجتہاد کی صلاحیت ہے۔ اور اکثر ایسے ہیں جن میں صرف مجتہدین کے اقوال نقل کرنے کی استطاعت ہے۔ اور وہ بڑے فقہاء کے مقابلہ میں کم علمی کی وجہ سے براہ راست اصول ثابتہ قرآن وسنت سے مسائل کے استخراج کی وسعت نہیں رکھتے۔

دین پر اجارہ داری کی بات فضول ہے

تو جب ہر مولوی کو بھی راست طور پر اجتہاد کا حق نہیں ہے تو ہما شما کو یہ حق کیسے مل سکتا ہے؟ اب کوئی بے وقوف یہ کہنے لگے کہ ان ''ماہرین شریعت'' نے دین پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے تو یہ دعوی محض لغو ہوگا اس لئے کہ اجارہ داری تو جب ہوتی جب بعض لوگوں کے علاوہ کسی اور کے لئے دین کا سیکھنا اور دینی علم حاصل کرنا منع کر دیا گیا ہوتا (جیسا کہ بعض مذاہب میں مذہبی تعلیم کو ایک خاص طبقہ تک محدود کر دیا گیا ہے) جب کہ یہاں حال یہ ہے کہ ہمارے علماء دین سیکھنے سے منع تو کیا کرتے خود لوگوں کو دین سیکھنے کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ خوشامد کر کر کے لوگوں کو دینی علم سکھاتے

ہیں اور اپنی عزت نفس کو بالائے طاق رکھ کر دینی تعلیم کے لئے گھر گھر، محلّہ محلّہ، بستی بستی چندے کرتے ہیں اور امت کو مفت دینی علم سکھانے کا موقع فراہم کرتے ہیں، اور اس علم کی تعلیم میں امیر غریب، کالے گورے، یا کسی طرح کے سماجی فرق وامتیاز کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا، بلکہ سب کو یکساں انداز میں دینی تعلیم دی جاتی ہے، تو پھر اجارہ داری کے کیا معنی؟ آج جو لوگ مولویت سے بغض رکھتے ہیں ان کے لئے بھی علمی درس گاہوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ شوق سے خود آئیں یا اپنے بچوں کو بھیجیں اور خود اپنی محنت سے دین حاصل کریں، ان کے لئے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ علم کچھ بھی نہ ہو اور کام وہ کرنا چاہیں جو ایک عالم دین کی ذمہ داری ہے، تو یہ بات عقل وانصاف کی رو سے بعید ہے۔

چندسال قبل احقر کا ایک قریبی شہر میں اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں جانا ہوا، پروگرام کے بعد شہر کے کچھ ''ماڈرن'' حضرات بھی جمع ہوگئے اور اصلاح معاشرہ پر بات ہونے لگی۔ تجاویز آنے لگیں، یہ ہونا چاہئے، وہ ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ، احقر نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے دائرے میں رہ کر کام کررہے ہیں، آپ لوگ بھی اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں نبھائیں، اور اپنے حلقۂ اثر میں کام کریں۔ تو ان میں سے ایک صاحب بولے: کہ ''ہم کیا کام کریں مسجدوں کے ممبروں پر تو آپ حضرات (علماء ومولوی) قابض ہیں''۔ میں نے عرض کیا ''کہ آپ کو ممبر پر آنے سے کون روکتا ہے لیکن آپ پہلے اس ممبر پر بیٹھنے کے لئے اپنی صورت اور سیرت تو بنائیں اور اتنا علم تو حاصل کریں کہ امت آپ کا ممبر پر بیٹھنا قبول کرلے۔ علماء نے آپ کو ممبروں پر آنے سے نہیں روکا بلکہ خود آپ نے علم دین سے محروم ہوکر اپنے کو ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے کے قابل نہیں چھوڑا، قصور علماء کا نہیں بلکہ خود آپ کا ہے''۔ آج ان ماڈرن لوگوں کا حال یہ ہے کہ چہرہ انگریزیت زدہ، لباس انگریزوں جیسا، گھر کا ماحول انگریزیت کے زہر میں بجھا ہوا، علم ومطالعہ کی حدود اربعہ انگریز مستشرقین یا ان سے مرعوب جدت پسند مصنفین کی پر از تلبیس تصنیفات یا اخبارات کے سطحی مضامین تک محدود، مگر خواہش اور تمنا یہ ہے کہ دینی علم سے جہالت کے باوجود

امت انہیں امامت اور افتاء کے منصب کے لئے قبول کرلے، تو جب تک دین کے محافظ علماء حق موجود ہیں ایسا ہرگز ہونے نہیں دیا جائے گا۔ اور خدانخواستہ جب اور جہاں ایسے نا اہل جاہلوں کو دینی امامت کا منصب ملے گا وہاں سے دین داری کا جنازہ نکل جائے گا۔

وحیٔ ربانی کو سمجھنے کے لازمی ذرائع

قرآن مقدس اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مطلوبہ ذرائع کے بغیر اس کو پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا۔ اگر قرآن کریم ایسی عام فہم چیز ہوتی تو اسے دنیا میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے بغیر ہی بھیج دینا کافی ہوتا، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کوئی بھی طریقہ اپنا سکتے تھے۔ اس کے برخلاف قرآن مقدس کے ساتھ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو بطور شارح کے بھیجا گیا اور تیئیس سال میں موقع محل اور ضرورت کے اعتبار سے وقفہ وقفہ سے اس کا نزول ہوا، تاکہ اس کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہوجائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلاَلٍ مُبِيْنٍ. (آل عمران آیت :١٦٤)

اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی، اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات، اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَقُرْاٰناً فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَاَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلاً. (سورۂ بنی اسرائیل:١٠٦)

اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کرکے کہ پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا۔

معلوم ہوا کہ قرآن کی تشریح کے لئے پہلے مرحلے میں سنت نبوی کا علم ضروری ہے، اور قرآن کی کوئی ایسی تفسیر قطعاً معتبر نہیں جو سنت نبوی سے متصادم ہو۔

اس کے بعد قرآن وسنت کی تشریح میں اس جماعت کے اقوال وافعال کا اعتبار ہے جس نے اپنی آنکھوں سے وحی کے نزول کا مشاہدہ کیا، جن کے کانوں نے ترجمان وحی حضرت شارع علیہ السلام کی زبان مقدس سے نکلنے والی تشریحات سننے کی سعادت حاصل کی۔ اور جن کے دل ودماغ صحبت نبویؐ سے لذت آشنا اور معارف نبوی سے معمور تھے۔ یہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، جن کو قرآن مقدس میں ایمانی صفات کا معیار، نمونہ اور آئیڈیل قرار دیا گیا ہے۔ اور جن کے لئے اللہ رب العالمین کی طرف سے دائمی خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے جن کے مقام ومرتبہ کے سلسلے میں تمام ہی اہل ایمان کا اتفاق ہے کہ ''اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ'' یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں۔ ہر راوی حدیث کے بارے میں تحقیق وتفتیش ہوسکتی ہے لیکن جب سند صحابی تک پہنچ جائے تو اب ان کا نام ہی سند ہے، مزید کسی تحقیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس جماعت کا تعارف کراتے ہوئے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قیمتی ترین مشورہ، حق وصداقت پر مبنی اور سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تؤمن عليه الفتنة اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، اَبَرَّهَا قُلُوْباً وَاَعْمَقَهَا عِلْمًا وَاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ. ولِاِقَامَةِ دِيْنِهِ، فَاَعْرِفُوْلَهُمْ

جسے اقتدا کرنی ہو وہ گذرے ہوئے لوگوں کی پیروی کرے، اس لئے کہ زندہ شخص فتنہ سے محفوظ نہیں ہے وہ (قابل اقتداء حضرات) آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جو اس امت کے افضل ترین حضرات تھے۔ جن کے دل پاکیزہ تر، جن کا علم سب سے گہرا اور تکلفات میں سب سے کم تھے۔ اللہ تعالی نے ان حضرات کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت

فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلَى اٰثَارِهِمْ، وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ بِاَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ ، فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدىٰ الْمُسْتَقِيْمِ.

(مشکاۃ شریف ۱/۳۲)

اور اپنے دین کی بقا کے لئے منتخب کرلیا تھا۔لہٰذا ان کا مرتبہ پہچان لو اور ان کے نقش قدم پر چلو، اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق وعادات کو مضبوطی سے اپنائے رہو، اس لئے کہ وہ سیدھے راستہ پر تھے۔

لہٰذا قرآن وسنت کی تشریح کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کھلی ہوئی کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔جن کو سامنے رکھے بغیر قرآن وحدیث کو سمجھنا ناممکن ہے۔اور جو شخص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء کو درکنار کر کے وحیٔ ربانی یا کلام نبوت کی وضاحت کرے گا وہ یقیناً گمراہ ہو جائے گا۔خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستہ سے ہٹ جانے والوں کے لئے سخت ترین وعید ارشاد فرمائی ہے۔ارشاد ربانی ہے :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ، وَسَاءَتْ مَصِيْرًا.

(النساء)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی ، جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ، اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف،تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی ، اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں، اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

اس آیت مبارکہ میں ’’مسلمانوں کے راستہ‘‘ کے اولین مصداق حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں لہٰذا ان کی رائے سے باہر جانے کی کسی مسلمان کو اجازت نہیں ہے۔اسی وجہ سے تمام معتبر ائمہ علماء اور فقہاء نے اس کا خیال رکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف پائے جائیں تو یہ تو ممکن ہے کہ اصول وقرائن دیکھ کر ان میں سے ایک رائے اپنالی جائے، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجموعی آراء سے الگ کسی نئی رائے کو قبول کیا جائے۔کیوں کہ حق انہی آراء میں منحصر ہے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔

مسائل کے استنباط میں امام اعظمؒ کا دستور

امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ — جن پر نص کے مقابلہ میں اپنی رائے اپنانے کا بہتان لگایا جاتا ہے — کی فقہ بھی بلاشبہ قرآن وسنت اور اقوال صحابہؓ کے اردگرد ہی گھومتی ہے اور حضرت الامامؒ اصول شریعت سے ایک انچ بھی باہر نہیں جاتے آپ خود استنباط مسائل کے متعلق اپنا طریقہ اور دستور اس طرح بیان فرماتے ہیں :

''میں (سب سے پہلے) کتاب اللہ کو اختیار کرتا ہوں، اگر اس میں مسئلہ نہ پاؤں تو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت (احادیث طیبہ) کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور اگر کتاب اللہ اور سنت نبوی دونوں میں (فیصلہ کن) حکم معلوم نہ ہو سکے تو پھر آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو اختیار کرتا ہوں، اور (غور فکر کے بعد) ان میں سے جس کا قول چاہے لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہے چھوڑ دیتا ہوں، اور میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو درکنار کر کے کسی اور کے قول کو اہمیت نہیں دیتا، اور جب معاملہ (صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے ہو کر) ابراہیم نخعیؒ امام شعبیؒ، امام ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، حضرت عطاءؒ، سعید المسیبؒ اور متعدد افراد کے نام گنائے ان تک بات پہنچ جائے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد سے مسائل کا حکم معلوم کیا ہے۔ تو میں بھی اسی طرح خود اجتہاد کرتا ہوں جیسے ان حضرات نے اجتہاد کیا (یعنی میں تابعین کی رائے کا پابند نہیں ہوں)''۔ (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، بحوالہ الفقہ الحنفی وادلتہ ۱/۲۲)

تقریباً یہی دستور اور شرائط دیگر معتبر ائمہ کرام کے یہاں بھی ملحوظ ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی امام، عالم یا مفتی اور فقیہ کسی نص حتی کہ قول صحابی کے مقابلہ میں بھی اپنی رائے سے اجتہاد کر کے خواہ مخواہ حکم بیان نہیں کرتا، اور جہاں نص صحیح، صریح، غیر متعارض واقعۃً موجود ہو وہاں اجتہاد کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر بھلا یہ کیسے کہنا ممکن ہے کہ مولویوں نے نعوذ باللہ ''وحیٔ ربانی پر ذاتی تشریحات کے تلبیسی پردے ڈال رکھے ہیں'' اور ''انہوں نے دین کو کیپچر کر کے

اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی ہے'' یہ سب الزامات محض جھوٹ ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

شریعت میں علماءِ حق کا مقام

''راشد شاز'' جیسے جدت طرازوں کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم اور دین اسلام یہود و نصاریٰ کے ''راہبوں اور پوپوں'' کی طرح ''مولویت'' نام کے کسی ادارے کا منکر ہے، تو آیئے ملاحظہ کریں کہ وحیٔ ربانی میں علماء کرام کے بارے میں کیا فرمایا گیا ہے، اور اسلام کی نظر میں علوم دینیہ کے حاملین کا کیا مقام ہے؟ اس سلسلہ کی چند آیات مبارکہ درج ذیل ہیں:

(۱) حکمت (علم دین) خیر کثیر ہے: ارشاد خداوندی ہے: **یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْراً کَثِیْراً.** (البقرۃ ۲۶۹) (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سمجھ عنایت فرماتا ہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی) مشہور مفسر حضرت مجاہد اور ضحاک وغیرہ نے یہاں حکمت سے فقہ اور علم دین مراد لیا ہے۔

(۲) علم دین میں رسوخ رکھنے والے علماء قابل تعریف ہیں: ارشاد ہے: **هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ مِنْهُ آیٰتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ، فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأوِیْلِهٖ، وَمَا یَعْلَمُ تَأوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ، وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ، کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ.** (آل عمران ۷) (وہی ہے جس نے اتاری آپ پر کتاب اس میں بعض آیتیں محکم ہیں یعنی ان کے معنی واضح ہیں وہ اصل کتاب ہیں، اور دوسری متشابہ آیتیں ہیں، جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں ہیں، سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی، گمراہی پھیلانے کی غرض سے، اور تاویل تلاش کرنے کی وجہ سے، اور ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں، اور سمجھانے

سے وہی سمجھتے ہیں جنہیں عقل ہے) واضح رہے کہ رسوخ فی العلم ہی کا نام تفقہ فی الدین ہے۔

(۳) اللہ کی وحدانیت کی شہادت دینے میں اہل علم کا تذکرہ فرشتوں کے ساتھ کیا گیا: ارشاد ہے : شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُوْ الْعِلْمِ قَائِماً بِالْقِسْطِ. (آل عمران ۱۸) (اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، وہی حاکم انصاف کا ہے) اہل علم اپنے علم کے ذریعہ ہی اللہ تعالی کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں، اسی سے معلوم ہوگیا کہ ان کے علم کا تعلق امور دینیہ سے ہے نہ کہ امور دنیویہ سے۔

(۴) حضرات انبیاء علیہم السلام نے امت کو علم دین سیکھنے کا حکم دیا: ارشاد خداوندی ہے : مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَاداً لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰه وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. (آل عمران ۷۹) (کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت، اور پیغمبر بنائے، پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہوجاؤ اللہ کو چھوڑ کر، لیکن یوں کہے: کہ تم اللہ والے ہوجاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے) یہ انبیائے سابقین کا معمول بتایا گیا اور موجودہ دور میں یہ مقصد قرآن کریم کے علم کے ذریعہ حاصل کیا جائے گا۔

(۵) اہل علم کی اطاعت کا حکم : اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء ۵۹) (اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں) یہاں حاکموں سے مراد امراء، علماء، مفتیان اور قضاۃ ہیں جو علم دین کی روشنی میں لوگوں پر حکومت کرتے ہیں، اور جو حاکم شریعت کے خلاف حکم دے اس کی اطاعت لازم نہیں ہے۔" لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" (مشکاۃ شریف ۳۲۱/۲) اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

(٦) تفقہ حاصل کرنے کا تاکیدی حکم : ایک موقع پر ارشاد فرمایا : وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (التوبہ ۱۲۲) (اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سب کے سب، سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تا کہ دین میں سمجھ پیدا کریں، اور تا کہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ ان کی طرف لوٹ کر آئیں، تا کہ وہ بچتے رہیں) اس آیت سے صاف طور پر دینی علم کے حصول کے لئے سفر کرنے اور دین میں تفقہ اور گیرائی پیدا کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اور موجودہ دور میں تمام دینی مدارس جہاں علم دین اور فقہ کی تعلیم ہوتی ہے وہ سب اسی قرآنی ہدایت کی تعمیل کی صورتیں ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر علیہ السلام کی ذات بجائے خود مدرسہ تھی، آپ ﷺ کی مجلس مبارکہ علم کا سرچشمہ تھی، اور سفر و حضر ہر حال میں آپ ﷺ کا علمی فیضان جاری رہتا تھا۔ آپ کے بعد یہ کیفیت تو باقی نہیں رہی لیکن تفقہ حاصل کرنے کا حکم اپنی جگہ تا قیامت برقرار ہے، اور اس کی آسان ترین شکل موجودہ دور میں مدارس دینیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مدارس کو انبیاء کی علمی وراثت کی بقا و اشاعت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

(۷) دینی مسائل جانکار علماء سے پوچھنے کا حکم: ارشاد فرمایا گیا: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النحل/۴۳) (سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں) یعنی مسائل دینیہ میں اپنی رائے زنی کرنے کے بجائے واقف کار علماء سے معلومات حاصل کرو۔

(۸) علماء حق خشیت ایزدی کی صفت سے متصف ہیں: ارشاد فرمایا گیا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر/ ۲۸) (اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جن کو سمجھ ہے) یعنی جتنا علم دین میں اضافہ ہوگا اتنا ہی خشیت میں بھی اضافہ ہوگا، اور جس علم سے خشیت پیدا نہ ہو وہ علم کہلائے جانے کے لائق نہیں، اسی طرح جو عالم خشیت خداوندی سے مالا مال نہ ہو وہ فی الحقیقت عالم کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

(۹) عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے: ارشاد خداوندی ہے: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ، قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ

يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوْا الْاَلْبَابِ. (الزمر/ ۹) (بھلاایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں، سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا، خطرہ رکھتا ہے آخرت کا، اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی، آپ فرما دیجئے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ؟ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہے) یعنی جو لوگ علم وعمل کی دولت سے مالا مال ہیں وہ جاہلوں اور بدعملوں کے برابر درجہ میں رکھے جائیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، علماء عاملین کا مقام ان جاہلوں سے کہیں زیادہ بلند تر ہے، ہر منصف مزاج شخص اس بات سے واقف ہے۔

اسلام کی نظر میں ''علم'' کا مصداق کون سا علم ہے؟

مذکورہ بالا آیات مبارکہ صاف بتا رہی ہیں کہ اسلام کی نظر میں ہر جگہ، ہر علاقہ میں اور ہر زمانہ میں علماء دین کا وجود ایک دینی ضرورت ہے، جس کے بغیر دنیا میں اسلامی معاشرہ کی بقا وتحفظ ناممکن ہے، اور کوئی یہ نہ کہے کہ ان آیات میں علم سے مراد ہر طرح کے علوم ہیں (جیسا کہ آج کل کچھ لوگ عصری علوم کی تائید میں قرآن کریم کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں کسی بھی طرح لفظ علم کا ذکر آیا ہے) اس لئے کہ شریعت کی نظر میں اصطلاحی طور پر علم کا اطلاق صرف اور صرف ایسی معلومات پر کیا جاتا ہے جن سے رب العالمین کی معرفت انسان کو نصیب ہوتی ہے اور حلال وحرام کے بارے میں واقفیت حاصل ہوتی ہے، یہی وہ علم ہے جس کے فضائل بحیثیت علم کے قرآن وسنت میں وارد ہوئے ہیں، اور اس کے حاملین آخرت میں اپنے علم کی بنیاد پر رحمت خداوندی اور انعام خداوندی کے مستحق قرار پائیں گے انشاء اللہ۔ اس کے برخلاف دنیا کے دیگر علوم خواہ وہ کتنے ہی ضروری کیوں نہ ہوں شریعت کی نظر میں وہ ''علم'' نہیں بلکہ ''ذرائع معاش ہیں''، یعنی آخرت میں محض دنیوی علم سیکھنے پر کسی اجر کا وعدہ نہیں ہے، اور نہ اس علم کے سیکھنے کی کوئی اخروی فضیلت ہے، ہاں اگر کوئی ان دنیوی علوم کو دین کی خدمت واشاعت کا ذریعہ بنالے یا ان کے ذریعہ سے خدمت خلق کا فریضہ انجام دے تو ان خدمات کا صلہ انشاءاللہ اسے عطا ہوگا، اس لیے جو لوگ قرآن کریم کی علم کے ذکر والی آیات کو عصری علوم پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ دراصل تحریف

معنوی کے مرتکب ہیں، عصری علوم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور ضرورت ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ انھیں حاصل کریں لیکن ان پر اُن فضائل کو چسپاں کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں جو علم دین کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم کا سیکھنا ہر مومن پر فرض ہے یعنی روزہ، نماز، حلال وحرام اور حدود واحکام کی معرفت حاصل کرنا۔ (الفقیہ والمتفقہ ۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے ارد گرد جمگھٹا لگائے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیسا مجمع ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ''علامہ صاحب'' (بہت جانکاری رکھنے والے) ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ علامہ کا کیا مطلب؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صاحب عرب کے نسب کے بارے میں، عربی زبان وادب کے بارے میں اور شعروشاعری اور اختلاف محاورات کے متعلق لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ھذا علم لا ینفع و جھل لا یضر**. (یعنی یہ ایسا علم ہے جس میں نفع نہیں، اور اس سے جاہل رہنا مضر نہیں) (مختصر جامع بیان العلم ۱۹۲)

مطلب یہ ہے کہ اس علم پر اخروی کامیابی کا مدار نہیں اور نہ اس سے جاہل رہنے پر آخرت میں کچھ نقصان ہے، اس کا جو بھی نفع ہے وہ محض دنیوی ہے۔ حسن ابن الربیعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے پوچھا کہ ارشاد نبوی : **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** (علم کا سیکھنا فرض ہے) اس کا مطلب کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے جواب دیا کہ اس سے وہ دنیوی علوم مراد نہیں جو تم حاصل کرتے ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے جب کوئی شخص کسی دینی معاملہ میں مبتلا ہو تو اس کے بارے میں پہلے جانکار لوگوں سے علم حاصل کرلے (اس کے بعد ہی آگے قدم بڑھائے) (الفقیہ والمتفقہ ۵۲)

اس سے معلوم ہوگیا کہ علم کہلائے جانے کے لائق وہی علم ہے جس سے آدمی اللہ کی خشیت

اورحلال وحرام کی واقفیت حاصل کر سکے، اوراسی علم کے حاملین کے بارے میں آخرت میں اعلی ترین درجات کا وعدہ کیا گیا ہے۔

علماء فرشتوں کے جھرمٹ میں

قرآن کریم کی تعلیم وتعلم میں مشغول علماء اور طلبہ کا مرتبہ کیا ہے؟ اس کا کچھ اندازہ ذیل کی روایت سے لگایا جاسکتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ یَجْتَمِعُوْنَ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ وَیَتَدَارَسُوْنَ بَیْنَھُمْ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَتَنَزَّلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَ اللّٰہَ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ یَسْلُکُ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْماً اِلَّا سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ طَرِیْقاً اِلَی الْجَنَّۃِ، وَمَنْ اَبْطَأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یَسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ. (مشکوۃ ۳۲/۱، مختصر جامع بیان العلم عن ابی ھریرۃ : ۲۸)

جب بھی کچھ لوگ اللہ کے کسی گھر میں جمع ہوکر قرآن کریم سیکھتے ہیں اور آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور رحمت خداوندی انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، اوران پر سکینت کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر خیر اپنے یہاں کے فرشتوں کے سامنے فرماتے ہیں۔ اور جو شخص بھی علم دین سیکھنے کی غرض سے کسی راستہ پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت تک جانے کا راستہ آسان فرمادیں گے، اور جس کا عمل اسے پیچھے کردے تو اس کا محض نسب اسے آگے نہیں کرسکتا، (یعنی نجات کا مدار نسب پر نہیں بلکہ عمل پر ہے)

غور فرمایئے کہ پیغمبر علیہ السلام تو علم دین میں مشغول لوگوں کو اتنی عظیم بشارتیں سنارہے ہیں، اور آج کل کے جدت پسند سرے سے علماء کے مقام کا انکار کرنے کی جسارت کررہے ہیں، **یا للعجب۔**

علم نافع صدقۂ جاریہ ہے

انسان کے مرنے کے بعد عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، لیکن علم نافع ایسی مبارک نعمت ہے کہ اس کا اجروثواب عالم کو مرنے کے بعد برابر ملتا رہتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، اَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ، اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهٗ.

(ابوداؤد ۳۹۸/۲، مختصر جامع بیان العلم : ۲۹)

جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین کاموں کے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) علم نافع (۳) اور ایسی اولاد جو اس کے حق میں دعائے خیر کرے۔

علم دین سے بڑھ کر کوئی علم نافع نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ دنیا کے تمام علوم کا نفع صرف دنیوی زندگی تک محدود رہے جب کہ علم دین کا نفع دائمی ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اَفْضَلُ الْعِلْمِ الَّذِیْ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ النَّاسُ. (الفقیه والمتفقه: ٤٢) یعنی سب سے افضل علم وہ جس کی طرف لوگ محتاج ہوں، اور یہ بات کامل طور پر صرف علم دین ہی میں پائی جاتی ہے، اس لئے کہ اس کے ضروری علم کے بغیر آدمی کی نجات نہیں ہوسکتی۔

فقاہت کی صفت قابل رشک ہے

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَتَیْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلْكَتِهٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ حِكْمَةً فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا.

(مختصر جامع بیان العلم : ۳۱)

حسد (یعنی رشک) صرف دو شخصوں پر جائز ہے، (۱) وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اسے راہ حق میں بے دریغ خرچ کرتا ہو۔ (۲) اور دوسرے وہ خوش نصیب جسے اللہ تعالیٰ علم وحکمت سے نوازے، پھر وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہو۔

اس حدیث میں حکمت سے مراد سنتِ نبوی اور تفقہ فی الدین ہے، اسی بنا پر نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ یُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْراً یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ. جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

(بخاری ۱/۱٦، مختصر جامع بیان العلم ۳۳)

اور ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو تین صفات سے نوازتے ہیں۔ (۱) دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ (۲) دنیا اور اس کی زیب وزینت سے اس کا دل ہٹا دیتے ہیں۔ (۳) اور اس کے عیوب اس کی نظروں کے سامنے کر دیتے ہیں۔ (مختصر جامع بیان العلم ۳۵)

ان ارشادات عالیہ سے معلوم ہوا کہ مولویت، فقاہت اور عالمیت ایک بڑا اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب بندوں ہی کو عطا ہوتا ہے، جن کو یہ اعزاز ملا ہے ان پر اس کی شکر گذاری اور قدر دانی لازم ہے اور جن کو نہیں ملا ان کو رشک کرنے کی ضرورت ہے۔

خلق خدا عالم ربانی کے لئے دعا کرتی ہے

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِکَتَهٗ وَاَهْلُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ حَتَی النَّمْلَةِ فِیْ جُحْرِهَا وَحَتیٰ الْحُوْتُ فِی الْبَحْرِ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ.

بے شک اللہ تعالیٰ، فرشتے اور زمین وآسمان کی تمام مخلوقات حتی کہ اپنے بل میں رہنے والی چیونٹی اور سمندر میں تیرنے والی مچھلی بھی اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔

(مشکوۃ ۱/۳٤، مختصر جامع بیان العلم ٤۲)

کثیر بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں مقیم تھے، تو ایک صاحب مدینہ منورہ سے ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے صرف حدیث کے بارے میں سوال کرنے کے لئے سفر کیا

ہے؟ اور تجارت یا کوئی اور دوسری غرض تمہارے سفر سے نہیں ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا کہ میں نے صرف حدیث ہی کی غرض سے سفر کیا ہے، اس پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو پھر خوش خبری قبول کرو، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَخْرُجُ يَطْلُبُ عِلْماً اِلَّا وَضَعَتْ لَهُ الْمَلٰئِكَةُ اَجْنِحَتَهَا وَسَلَكَ بِهٖ طَرِيْقاً اِلٰى الْجَنَّةِ وَاَنَّهٗ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ، حَتىٰ الْحِيْتَانُ فِي الْبَحْرِ، وَاَنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلىٰ الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، اِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ، اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَاراً وَلَا دِرْهَماً وَلٰكِنْ وَرَّثُوْا الْعِلْمَ، فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. (مشكاة المصابيح ٣٤/١، مختصر جامع بيان العلم ٤٢)

جو شخص بھی طلب علم کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے اعزاز میں پر بچھاتے ہیں اور اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے، اور عالم دین کے لئے تمام زمین وآسمان کی مخلوقات حتی کہ سمندر کی مچھلیاں تک بھی استغفار کرتی ہیں، اور ایک عالم کی فضیلت نرے عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دیگر ستاروں پر، اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اور انبیاء علیہم السلام نے دینار ودرہم وراثت میں نہیں چھوڑے بل کہ انہوں نے علم دین وراثت میں چھوڑا ہے لہذا جسے علم لینا ہے وہ بھرپور حصہ کے ساتھ لے لے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اگر اسلام کی نظر میں علم دین اور اس کے حامل مولویوں کا کوئی مقام نہ ہوتا تو کیا ان کے بارے میں اتنی فضیلت وارد ہوسکتی تھی؟ ہرگز نہیں! واقعہ یہ ہے کہ آج کے ماڈرن لوگ محض اس وجہ سے کہ علماء ان کے فاسد نظریات اور باطل خیالات پر نکیر کرنے سے نہیں چوکتے اسی لئے وہ علماء سے بغض اپنے دل میں بٹھائے رکھتے ہیں۔ اور ان کو بدنام کرنے پر تلے رہتے ہیں ورنہ اگر وہ انصاف کے ساتھ ان نصوص کا مطالعہ کریں تو علماء کے مقام ومرتبہ کے کبھی منکر نہیں ہوسکتے۔

علماء سے بغض موجب ہلاکت ہے

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اُغْدُ عَالِماً، اَوْ مُتَعَلِّماً، اَوْ مُسْتَمِعاً اَوْمُحِباً، وَلَا تَكُنْ الْخَامِسَةَ فَتَهْلِكَ.

(مختصر جامع بیان العلم ۳۹)

یا تو عالم بنو، یا طالب علم بنو، یا علم دین کے سننے والے بنو، یا علم (اور علماء سے) محبت کرنے والے بنو، اور (ان کے علاوہ) پانچویں مت بننا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔

یہ پانچویں موجب ہلاک صفت کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ کا خیال ہے کہ اس سے مراد بدعتی ہونا ہے، اور علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق علماء سے بغض وعداوت ہے، کہ جو آدمی علم دین سے جاہل ہوتا ہے وہ عموماً علماء دین سے بغض ونفرت کرتا ہے تا آں کہ دنیا وآخرت میں تباہی اور بربادی کا مستحق بن جاتا ہے۔

دین کا عروج وزوال

جدت پسندوں کا نظریہ یہ ہے کہ دین کا عروج مادی ترقی اور آزاد خیالی پر ہے، اور ان کی نظر میں دین کا زوال یہ ہے کہ قوم فقہی روایات کی پابند رہے، اور دین میں من مانی اور جدت آرائی سے محفوظ ہو، اسی لیے یہ لوگ جب دیکھو علماء اور مفتیان پر طنز کرتے نظر آتے ہیں، اور ان کی شان میں زبان درازی کرتے نہیں تھکتے، حالاں کہ دین کے عروج وزوال کا تعلق آزاد روی اور فکری آزادی پر نہیں ہے، بلکہ سلف صالحین کی اتباع پر ہے، خود ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان حکمت مآب سے دین کی ترقی اور تنزلی کی علامت واضح طور پر بیان فرمادی ہے، ذرا انصاف کی نگاہ سے اس ارشاد عالی کو ملاحظہ کریں:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لِكُلِّ شَيءٍ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر

اِقْبَالاً وَاِدْبَاراً وَإِنَّ مِنْ اِقْبَالِ الدِّيْنِ مَا بَعَثَنِىَ اللّٰهُ لَهٗ حَتىٰ إِنَّ الْقَبِيْلَةَ لَتَتَفَقَّهُ مِنْ عِنْدِ اَسْرِهَا، أَوْ آخِرِهَا حَتىٰ مَا يَكُوْنُ فِيْهَا إِلَّا الْفَاسِقُ أَوِ الْفَاسِقَانِ، فَهُمَا مَقْهُوْرَانِ، مَقْمُوْعَانِ ذَلِيْلَانِ، إِنْ تَكَلَّمَا أَوْ نَطَقَا قُمِعَا وَقُهِرَا وَاضْطُهِدَا، ثُمَّ ذَكَرَ، إِنَّ مِنْ اِدْبَارِ هٰذَا الدِّيْنِ أَنْ تَجْفُوْ الْقَبِيْلَةُ مِنْ عِنْدِ اَسْرِهَا، حَتىٰ لَا يَبْقىٰ فِيْهَا إِلَّا الْفَقِيْهُ أَوِ الْفَقِيْهَانِ فَهُمَا مَقْهُوْرَانِ، مَقْمُوْعَانِ، ذَلِيْلَانِ، إِنْ تَكَلَّمَا أَوْ نَطَقَا قُمِعَا وَقُهِرَا وَاضْطُهِدَا، وَقِيْلَ أَتَطْغِيَانِ عَلَيْنَا، أَتَطْغِيَانِ عَلَيْنَا، حَتىٰ تُشْرَبَ الْخَمْرُ فِىْ نَادِيْهِمْ وَمَجَالِسِهِمْ وَاَسْوَاقِهِمْ.

چیز کا ایک عروج ہوتا ہے، اور ایک تنزل، اور اس دین کا عروج وہ علم ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے یہاں تک کہ پورے کا پورا قبیلہ شروع سے اخیر تک دین کی سمجھ حاصل کرے گا سوائے دو ایک فاسق لوگوں کے جو پٹے پٹائے اور ذلیل ہوں گے، اگر وہ کوئی غلط بات کریں گے بھی تو انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کر دیا جائیگا، اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس دین کے زوال میں سے یہ ہے کہ پورے کا پورا قبیلہ شروع سے آخر تک علم دین سے محروم ہوگا، سوائے ایک دو فقیہ کے کہ وہ بھی پٹے پٹائے اور ذلیل ہو کر رہیں گے، اگر وہ کوئی حق بات کریں گے، تو انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا جائیگا، اور لوگ کہیں گے، کہ کیا تم ہم پر دباؤ بنا رہے ہو؟ کیا تم سرکشی کر رہے ہو؟ یہاں تک کہ اس قبیلہ کی پارٹیوں، مجلسوں اور بازاروں میں برسر عام شراب پی جایا کرے گی۔

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی/ ۵۰)

اور اسی معنی کی ایک دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو:

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْراً اَكْثَرَ فُقَهَاءَ هُمْ وَقَلَّلَ جُهلَاءَ هم

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ خیر کا ارادہ

حَتّٰى إِذَا تَكَلَّمَ الْعَالِمُ وَجَدَ اَعْوَاناً وَإِذَا تَـكَلَّمَ الْجَاهِلُ قُهِرَ وَإِذَا أَرَادَ اللّٰـهُ بِقَوْمٍ شَراًّ أَكْثَرَ جُهلَاءَ هُمْ وَقَلَّلَ فُقَهَاءَ هُمْ حَتّٰى إِذَا تَكَلَّمَ الْجَاهِلُ وَجَدَ اَعْوَاناً وَإِذَا تَكَلَّمَ الْفَقِيْهُ قُهِرَ.

(الفقيه المتفقه/ ۵۰)

فرماتے ہیں تو ان میں دین کی سمجھ رکھنے والوں کی کثرت فرمادیتے ہیں، اور جاہلوں کی تعداد کم فرمادیتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی عالم گفتگو کرتا ہے، تو اسے بہت سے تائید کرنے والے مددگار مل جاتے ہیں، اوراس کے برخلاف جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں دین سے جاہلوں کی کثرت اور علماء کی قلت فرمادیتے ہیں، حتی کہ اگر جاہل کوئی بات کہتا ہے، تو وہ اپنے تائید کرنے والے پالیتا ہے، اور جب عالم اور فقیہ بات کرتا ہے، تو اسے ڈانٹا اور ڈپٹا جاتا ہے۔

آج غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دین کے زوال کی یہ علامت بکثرت پائی جاتی ہے، اور آنحضرت ﷺ کی بیان کردہ کیفیت موجودہ صورت حال پر پوری طرح منطبق ہے۔ جہاں کوئی شخص دین کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر ذرا روشن خیالی اور روشن فکری کی بات کرے تو اس کے سیکڑوں معاونین نکل آتے ہیں اور اس کی جاہلانہ بات کی تائید میں اخبارات کے صفحات سیاہ ہونے شروع ہوجاتے ہیں اور اس کے برخلاف اگر کوئی مفتی کسی سلگتے ہوئے مسئلہ پر شریعت کا صحیح موقف بیان کردے تو ''راشد شاز'' جیسے دسیوں نام نہاد دانشور اس عالم کے خلاف طنز و تشنیع کا بازار گرم کردیتے ہیں، آئے دن اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، کبھی تین طلاق کا مسئلہ تو کبھی خاندانی منصوبہ بندی اور کبھی ٹیلی ویژن پر دینی پروگراموں کا معاملہ، ایسے سبھی مسائل میں بحث جاہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے اور علم ہو یا نہ ہو ہر ایک لچر مراسلے اور مضامین لکھ کر بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لیتا ہے، اور ہر ایک کی کوشش کا واحد نقطۂ فکر یہی ہوتا ہے کہ کس طرح قوم کا اعتماد علماء فقہاء سے ختم کیا جائے؟ اور علماء کو

درمیان سے ہٹا کر دین کی من مانی تشریح کا راستہ ہموار کیا جائے؟

''راشد شاز'' جیسے علماء وفقہاء سے بغض رکھنے والے لوگ ذرا آئینہ اٹھائیں اور خود اپنے دانشور طبقہ کی معاشرتی زندگی اور ذاتی رہن سہن کا انصاف سے جائزہ لیں، تو معلوم ہوگا کہ اختلافی فقہی مسائل تو دور رہے ان کی زندگی ایسے منکرات میں لت پت ہے جن کی حرمت قرآن وسنت میں منصوص، شراب نوشی، سودخوری، رشوت خوری میں عام ابتلا ہے اور بے پردگی تو پوچھنا ہی کیا؟ یہ ''تعلیم یافتہ'' عورتیں ایسے ہیجان انگیز لباس میں رہتی ہیں کہ شاید یورپ کی خواتین بھی انہیں دیکھ کر شرما جائیں اور حیرت ہے کہ آج انہی واہیات باتوں کو ''معیار عزت'' اور ''خاندانی اسٹینڈرڈ'' سمجھا جاتا ہے، اور ان باتوں پر نکیر کرنے والوں پر ناک بھنویں چڑھ جاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ''راشد شاز'' صاحب جیسے لوگوں کو یہ توفیق تو ہوتی نہیں کہ وہ اپنے ہم جنسوں کی ان نازیبا حرکتوں پر نکیر کریں لیکن وہ اپنی ساری صلاحیت مولویوں پر لعن طعن میں صرف کر رہے ہیں، حیرت ہے کہ آپ دنیا پر دین نافذ کرنے کی بات کر رہے ہیں اور اس بات پر ٹسوے بہا رہے ہیں کہ نعوذ باللہ امت ''خیرامت کے منصب'' سے معزول ہو چکی ہے، تو پہلے خود اپنے طبقہ کی ذاتی زندگی، معاملات اور معاشرت میں ہی دین نافذ کرلیں اس کے بعد ہی دوسروں کو الزام دیجئے گا!

علماء حق آخری زمانہ تک موجود رہیں گے

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جدت پسند ٹولہ خواہ کتنی ہی کوشش کرلے وہ علماء حق کو بالکل مٹا نہیں سکتا، ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَوَّامَةً عَلٰی اَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھَا مَنْ خَالَفَھَا. (ابن ماجه شريف ٢/عن ابی هريرة)	میری امت میں برابر ایک جماعت حق پر مضبوطی سے قائم رہے گی جس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَالْفِقْهُ	علم سیکھنے سے آتا ہے اور فقہ تفقہ سے حاصل ہوتی

بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ وَلَنْ تَزَالَ مِنْ أُمَّتِىْ عَلٰى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى النَّاسِ لاَ يُبَالُوْنَ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلاَ مَنْ نَاوَءَ هُمْ حَتّٰى يَأْتِىَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ.

(الفقيه والمتفقه/٦)

ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ سے نواز دیتے ہیں، اور اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے (صحیح معنی میں) اس سے ڈرنے والے ہیں، اور میری امت میں برابر کچھ لوگ حق پر ثابت قدم اور لوگوں پر غالب رہیں گے جو اپنے مخالفین اور دشمنی کرنے والوں کی مطلق پرواہ نہ کریں گے، تا آنکہ اللہ کا حکم (قیامت کا قریبی زمانہ) ان کے غالب ہونے کی حالت میں نہ آجائے (یعنی اخیر تک یہ جماعت اپنے دلائل کی قوت کے اعتبار سے اہل باطل پر غالب رہے گی)

نیز ایک روایت میں اس جماعت کی اہم ذمہ داریاں گنواتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوْلَهُ يَنْفَوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ.

(مشكوة شريف)

اس علم دین کے حامل بعد میں آنے والوں میں سے وہ معتبر حضرات ہوں گے، جو (۱) غلو پسندوں کی لفظی ومعنوی تحریفات (۲) باطل پسندوں کی فریب کاریوں (۳) اور جاہلوں کی فاسد تاویلات، کو مٹا دیں گے۔

ارشادات بالا کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ علماء حق کی ایک جماعت قیامت کے قریب تک موجود رہے گی، جو تمام عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ کی تردید کا فرض انجام دیتی رہے گی، اور مخالفین لاکھ کوششیں اور جتن کرنے کے باوجود اس جماعت حقہ کو مٹانے میں کامیاب نہ ہو پائیں گے، لہذا ارشد شاز جیسے لوگ کتنا ہی منہ بھر بھر علماء کو کوستے رہیں یا ان کا اثر مٹانے کی کوشش کرتے

رہیں، انشاء اللہ امت کا غالب طبقہ ان کی ہرزہ سرائیوں سے ہرگز متاثر نہ ہوگا، اور علماء حق اپنا منصبی فرض بتوفیق خداوندی انجام دیتے رہیں گے۔

مولویت نہ رہی تو دین ہی نہ رہے گا

آج جو لوگ مولویت کو مٹانے پر تلے ہیں انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس دن مولویت یعنی حاملین علوم نبوت ختم ہو جائیں گے، اس دن دین کا بھی زوال ہو جائے گا، دراصل علم دین کی بقا کا دارومدار ہی علماء دین پر ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، فَإِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِماً اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْساً جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا. (ابن ماجه شريف ٦)

اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح ختم نہیں فرمائیں گے، کہ لوگوں کے دلوں سے اسے کھینچ لیں بلکہ علم کا زوال علماء کی وفات سے ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ کسی عالم کو باقی نہیں چھوڑیں گے، تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے، چناں چہ ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے، اور وہ بلا علم فتوے جاری کریں گے، پس خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

جو بات اس حدیث میں ارشاد فرمائی گئی اس کے آثار اب ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں، بہت سے اخبارات اور ٹیلی ویژن کے چینلوں اور انٹرنیٹ کی ویب سائٹوں پر ایسے مفتی وجود میں آ گئے ہیں، جو اصول شریعت سے ہٹ کر اپنی رائے سے فتوے جاری کرتے ہیں اور لوگ ان کی باتوں پر آنکھ بند کر کے اپنی آخرت اور دین کو تباہ کر رہے ہیں، یہ صورت خوش آئند نہیں کہی جا سکتی، دین اس آزادروی کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا، اس کے لیے سلف صالحین پر اعتماد اور ان کی آراء سے واقفیت اور استفادہ لازم ہے، اس کے بغیر علمی رسوخ تک رسائی نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو فکری گمراہی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مولویت اور پاپائیت میں فرق

جب کسی مسئلہ میں علماء حق شریعت کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور وہ رائے جدت پسند طبقہ کے حلق سے نیچے نہیں اترتی تو وہ لوگ جھنجلا کر علماء پر یہ الزام لگانے لگتے ہیں کہ ''آج کل کے علماء بھی یہود و نصاری کے ''احبار و رہبان'' کی طرح دین کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں اور انہوں نے دین کو (نعوذ باللہ) مسخ کر دیا ہے''، حالاں کہ علماء حق کے بارے میں یہ الزام محض الزام ہے، اس میں رائی کے دانہ کے برابر بھی سچائی نہیں ہے۔ علماء حقانی کا موازنہ یہود و نصاری کے بد دیانت پوپوں اور پادریوں سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

دونوں کی حالت اور کیفیت میں اصولی اور بنیادی فرق یہ ہے کہ توریت وانجیل کی بعینہ حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تھا بلکہ اس مذہب کے علماء واحبار کو ہی ان کا نگراں بنا دیا تھا۔ (المائدۃ: ۴۴) جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی لالچ میں پڑ کر ان ذمہ دار ''احبار و رہبان'' نے سرے سے کتابیں ہی بدل ڈالیں، اور اپنے عوام کو گمراہ کر ڈالا، اور یہ وبا ایسی عام ہوئی کہ کوئی یہ بتانے والا ہی نہ رہا کہ کیا اصل تھا اور کیا بدل دیا گیا؟ بلکہ وہی بدلی ہوئی بات لوگوں میں رائج ہو گئی، قرآن کریم میں فرمایا گیا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيْهِمْ، ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً، فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ، وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ. (البقرۃ ۷۹)

خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے، پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے، تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مال، سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے، اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقاً يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ

اور ان میں سے ایک فریق ہے کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب، تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ، وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَيَـقُـوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (آل عمران ۷۸)

ہے، اور وہ نہیں کتاب میں، اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا کہا ہے، اور وہ نہیں اللہ کا کہا ہوا، اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

ایک طرف ان ''احبار ورہبان'' کی گمراہ کن حرکتیں تھیں دوسری طرف عوام الناس کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے مذہبی رہنماؤں کی اندھی تقلید کر رکھی تھی، اور (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو نظر انداز کر کے وہ اپنے احبار کی اتباع کرتے تھے، اسی کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ، وَمَـامِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا إِلٰهاً وَاحِداً، لَا إِلٰـهَ إِلَّا هُـوَ، سُبْـحَـانَـهُ عَمَّـا يُشْرِكُوْنَ. (التوبة)

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھیرا لیا، اور مسیح بن مریم کو بھی، اور ان کو حکم یہی ہوا تھا صرف ایک معبود ہی کی بندگی کریں، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہ پاک ہے ان کے شرک بتلانے سے۔ کہ

اسی طرح ان ''احبار ورہبان'' نے اپنی شریعت کے حکم کو پس پشت ڈال کر سودی لین دین کی اجازت دیدی تھی حالاں کہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ (النساء:۱۶۱) اور زنا کی سزا ان کی شریعت میں سنگ سار کرنے کی تھی لیکن ان کے پادریوں اور احبار نے سرمایہ داروں کے دباؤ میں آ کر اسے تبدیل کر کے محض چہرہ سیاہ کر کے شہر میں گھمانے تک محدود کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس ایک یہودی مرد و عورت لائے گئے جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا، تو پیغمبر علیہ السلام یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا کہ تمہاری کتاب توریت میں زنا کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایسے بدکاروں کا چہرہ سیاہ کر کے انہیں کسی سواری پر آگے پیچھے کر کے بٹھا دیتے ہیں اور پھر انہیں شہر میں گھما دیا جاتا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو توریت لے کر آؤ،

چنانچہ توریت لائی گئی اورانہوں نے پڑھنا شروع کیا، پڑھتے پڑھتے جب آیت رجم (وہ آیت جس میں زانیوں کوسنگ سار کرنے کا حکم تھا) پر پہنچے تو جونو جوان توریت پڑھ رہا تھا اس نے اس جگہ ہاتھ رکھ لیا اوراس کے آگے پیچھے سے پڑھنے لگا، نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے (جوتوریت کے زبردست عالم تھے) انھوں نے پیغمبر علیہ السلام کو متوجہ کیا کہ آپ اسے حکم دیجئے کہ وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر پڑھے اب جو پڑھا تو اس میں آیت رجم موجود تھی، چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ان دونوں بد کاروں کوسنگ سار کرنے کا حکم دیدیا۔ (مسلم شریف ۲/۶۹)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی عالم سے اللہ کی قسم دے کر یہ پوچھا کہ کیا واقعی چہرہ سیاہ کرنے وغیرہ کا حکم توریت میں ہے؟ تو اس یہودی عالم نے جواب دیا کہ اگر آپ ﷺ نے مجھے قسم نہ دی ہوتی تو میں آپ ﷺ کو باخبر نہ کرتا، بات اصل میں یہ ہے کہ توریت میں تو رجم ہی کا حکم ہے لیکن جب ہمارے شریف (اور سرمایہ دار) گھرانوں میں زنا کی کثرت ہونے لگی تو ہم اگر کسی شریف شخص کو پکڑتے تو اسے (رشوت وغیرہ لے کر) چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور غریب شخص ہاتھ پڑ جاتا تو اس پر حد جاری کر دیتے (پھر جب اس کی وجہ سے آپس میں انتشار ہوا) تو ہم نے کہا کہ آؤ سب مل کر کسی ایسی سزا پر متفق ہو جائیں جسے امیر غریب سب پر جاری کر سکیں، چنانچہ ہم نے رجم کے بجائے چہرہ سیاہ کرنے اور کوڑا مارنے کی سزا تجویز کر لی۔ (مسلم شریف ۲/۷۰)

یہی حال آج کے یہود ونصاریٰ کا بھی ہے کہ ان کو کچھ پتہ نہیں کہ اصل توریت وانجیل کیا تھی اور اب کیا ہوگئی؟ ان پر تو کلیسائی یا رِبّی نظام مسلط ہے، جیسا کلیسا نے کہدیا اور جو فرمان رِبّی نے جاری کر دیا بس وہی مذہب بن گیا چناں چہ آج یورپ میں حرام خوری اور اباحیت پسندی کا جو سیلاب بہہ رہا ہے وہ کسی طرح بھی یہودیت اور عیسائیت کے اصل مذہب سے میل نہیں کھاتا مگر کلیسا برسرِ عام اس کو ''کلین چٹ'' دے رہا ہے اور اسے روکنا تو کجا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔

قرآن کریم اور اس کی تعلیمات تحریف سے محفوظ ہیں

اس کے برخلاف اللہ کی آخری کتاب ''قرآن کریم'' کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ارشاد باری ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ. (الحجر)

ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

لہٰذا کسی عالم کی کیا مجال کہ وہ قرآن یا اس کا کوئی حکم بدل ڈالے؟ اور اگر کوئی ایسی جسارت کرے گا تو علماءِ حق کی جماعت کھڑی ہو جائے گی اور وہ امت کو اصل قرآن دکھا کر باور کرا دے گی کہ اصل یہ ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تحریف ہے، اور کسی باطل کو قیامت تک یہ جرأت نہ ہو سکے گی کہ وہ قرآن مقدس میں ادنیٰ سی بھی تحریف اور تبدیلی کر کے پوری امت کو گمراہ کر دے، پس جب قرآن محفوظ ہے اور اس کے معانی اور اس کی تعلیمات کی حفاظت کا پختہ انتظام ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی نام نہاد مذہبی عالم یہود ونصاریٰ کے ''احبار ورہبان'' کی طرح شریعت کو بدلنے میں کامیاب ہو جائے؟ لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہو کہ موجودہ علماء نے ''احبار ورہبان'' کی طرح شریعت کو اپنے تابع بنالیا ہے، وہ دراصل قرآن کریم کی حفاظت کے عقیدہ کا انکار کر رہا ہے، اسے علماءِ حق کو طعنہ دینے کے بجائے خود اپنے ایمان کو بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔

علماء پر اعتماد کیوں؟

آج امت کا اپنے علماء پر جو اعتماد ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ ہم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو چھوڑ کر ان علماء ہی کو اپنا مقتدا بنالیا ہے جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے ''احبار ورہبان'' کو درجہ دے رکھا تھا، بلکہ علماء پر اعتماد کی بنیاد صرف یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ چناں چہ اگر کسی عالم کے بارے میں امت کو پتہ چل جائے کہ وہ قرآن کریم کے خلاف کوئی حکم دیتا ہے یا معتبر نصوص کے خلاف فتوے دیتا ہے تو خواہ کتنا ہی بڑا اور مقبول عالم ہو

منٹوں میں اس کا اعتماد متزلزل ہو جائے گا۔اور کوئی اس کی بات سننے کو روادار نہ ہوگا۔ابھی چند سال قبل مصر کے بعض روشن خیال مفتیوں نے بنک کے سود کو تجارت کا ایک حصہ قرار دے کر اس کے جواز کا فتوی دیدیا تھا تو ساری دنیا کے علماء و مفتیان اور دین دار عوام نے ان کی بات کو سرے سے رد کر دیا، اور قرآن وسنت کی واضح نصوص کے مقابلہ میں ان کی رائے کو قطعاً اہمیت نہیں دی یہی حال شریعت کے دیگر احکام کا ہے جو چیز قرآن وسنت میں حلال ہے اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا اور جو حرام ہے کوئی اسے حلال قرار نہیں دے سکتا، اور اگر کوئی تحلیل وتحریم کی ناروا جسارت کرے گا تو امت اس کو قطعاً قبول نہیں کرے گی۔امت محمدیہ علماء کی پیروی ان کی ذاتی شخصیت کی بنیاد پر نہیں کرتی بلکہ صرف اس حیثیت سے کرتی ہے کہ وہ قرآن وسنت کے ترجمان ہیں، اس کے علاوہ ان کا کوئی مقام نہیں، جب کہ یہود ونصاری کو اپنی اصل کتاب کا چوں کہ پتہ نہیں اس لئے وہ آنکھ بند کر کے اپنے ''احبار ورہبان'' کی اندھی تقلید کیا کرتے ہیں، اس بنیادی فرق کو جو سمجھے گا وہ کبھی بھی علماء حق اور ''احبار ورہبان'' کو ایک درجہ میں نہیں رکھ سکتا۔

دین میں تحریف کی کوششیں کامیاب کیوں نہیں ہوئیں؟

ایسا نہیں ہے کہ اسلام میں اور قرآن میں تحریف کی کوششیں نہ کی گئی ہوں، بلکہ شروع سے لے کر آج تک اس بارے میں دشمنان اسلام نے اتنی تگ ودو کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ نہ ہوتا تو یہ دین اور یہ کتاب کب کی مٹ گئی ہوتی، منافق اعظم عبداللہ ابن سبا نے اپنے حوالیوں موالیوں کے ساتھ دین کی تحریف میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، پھر روافض اور فرقۂ باطنیہ نے لفظی اور معنوی تحریفات کا طومار باندھ دیا اور آیات قرآنیہ کو ایسے معانی پر محمول کیا کہ عقلیں دنگ رہ گئیں، اور اب اخیر زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تو تحریف کے سارے پرانے ریکارڈ توڑ ڈالے، اس کی تحریفات کے نمونے ''روحانی خزائن'' اور ''تذکرہ'' نامی کتابوں میں سیکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں، مگر الحمدللہ یہ سب کاوشیں رائیگاں ہوئیں اور برابر ہوتی رہیں گی، ان پھونکوں سے اللہ کا یہ روشن چراغ بجھایا نہیں جا سکے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ جب اور جہاں تحریف دین کی کوئی تحریک اٹھے گی وہاں علماء حق کی ایک ٹیم کھڑی کردی جائے گی جو تحریفات کے سارے تار و پود بکھیر کر حق کو آشکارا کرنے اور باطل کو سرنگوں کرنے کا منصبی فریضہ انجام دے گی، پوری اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو نظر آئے گا، کہ جب بھی اسلام کی شناخت مٹانے کی آوازیں اٹھیں تو دردمند علماء حق سینہ سپر ہوکر میدان میں آگئے، اور باطل کے امڈتے ہوئے سیلاب کے سامنے انھوں نے سد سکندری بن کر بتوفیق خداوندی دین کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر اکابرِ دیوبند تک ایسی پرعزیمت شخصیات کا ایک تسلسل ہے جن کا زریں کردار اسلامی تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے نقش ہے، اور یقین جانئے کہ ان باعزیمت علماء کا امت پر یہ اتنا بڑا احسان ہے جس کا بدلہ دنیا میں نہیں چکایا جاسکتا، مگر برا ہوا بغض عناد کا! کہ آج راشد شاز جیسے جدت پسند انہی پرخلوص خدام دین کو دین کی تنزلی کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں، اور امت کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ مولویت کے ادارے کو ختم کرکے براہ راست وحی سے رابطہ قائم کرلیں، سوال یہ ہے کہ امت کا رابطہ وحی سے کٹا ہی کب تھا جو اب قائم کرنے کا مشورہ دیا جائے؟ کیا علماء کا واسطہ وحی ربانی کے رابطہ سے ہٹ کر ہے؟ کیا علماء نعوذ باللہ امت کو وحی کے علاوہ کسی اور راستہ پر لے جانا چاہتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ علماء کا تو مشن ہی امت کو وحی سے مربوط کرنے کا ہے، ان کی ساری جد جہد کا محور ہی یہ ہے کہ امت کا کوئی فرد وحی مقدس اور اس کے علوم سے محروم نہ رہے، اور علم دین ہر مسلمان کے رگ وپے میں سما دیا جائے، اس لئے ضرورت ہے کہ بدگمانیوں کو دور کیا جائے، اور انصاف کے ساتھ حق کو قبول کرنے کا حوصلہ دل میں پیدا کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم اور توفیق خیر سے نوازیں۔ آمین۔

امت میں اختلاف کی نوعیت

عام طور پر جدت پسند لوگ امت کے اختلاف پر بہت چیں بجبیں رہتے ہیں، اور اتحاد کے لیے بہت بے چین دکھائی دیتے ہیں، اور اس اختلاف کو مطلقاً امت کی ساری بے وقعتی کی بنیاد قرار دیتے ہیں، حالانکہ تمام اختلافات کو ایک نظر سے دیکھنا اور سب کی نوعیت کو یکساں قرار دینا قرین

انصاف نہیں ہے، شریعت میں نہ مطلقاً اختلاف ناپسند ہے، اور نہ علی الاطلاق اتحاد مطلوب ہے، بلکہ دونوں کی کچھ حدود ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔

غور کیا جائے تو دنیا میں مذہبی اعتبار سے جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کو پانچ قسموں میں منحصر کیا جاسکتا ہے:

(۱) توحید وشرک کا اختلاف

اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کرتا ہے جب کہ مشرکین خواہ وہ بت پرست ہوں یا آتش پرست ہوں یا کسی بھی مخلوق کے پجاری ہوں وہ اس سے اختلاف کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اختلاف سخت مذموم اور اسلام کی نظر میں ناقابل برداشت ہے، دنیا میں ایک عرصہ تک تمام انسان عقیدۂ وحدانیت پر قائم تھے، شرک و بت پرستی کا وجود بعد میں ہوا جو کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ موہوم خیالات اور من گھڑت عقیدوں پر مبنی ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. (البقرۃ: ۲۱۳)

سب لوگ ایک ہی دین پر تھے، پھر اللہ نے پیغمبر بھیجے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، اور اتاری ان کے ساتھ سچی کتاب کہ فیصلہ کریں لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں۔

(۲) کفر واسلام کا اختلاف

اسلام (یعنی وہ شریعت جو حضرت خاتم النبیین سیدنا ومولانا ﷺ لے کر آئے) پر چل کر ہی انسانیت کو نجات مل سکتی ہے، لہذا جو شخص یا جو جماعت اسلام کو نہ مانے وہ اصطلاحی اعتبار سے کافر یعنی منکر ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (آل عمران: ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا، تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں خراب ہے۔

اب بعض کفار تو وہ ہیں جو سرے سے اسلام ہی کے منکر ہیں جیسے یہود ونصاریٰ وغیرہ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اگرچہ زبانی طور پر اسلام کے دعوے دار ہیں مگر اسلام کے بعض متواتر عقیدوں پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے وہ بھی کفار کے زمرہ میں داخل ہیں، جیسے قادیانی، بہائی، آغا خانی، منکرین حدیث اور شیعہ امامیہ وغیرہ، تو ان فرقوں کا اسلامی عقائد سے انحراف اتنا معمولی نہیں ہے جسے صرف نظر کردیا جائے، بلکہ ان کی تردید اور ان کی گمراہیوں کو واضح کرنا ضروری ہے، تاکہ خالی الذہن عوام ان کے فریب میں گرفتار نہ ہوں۔

(۳) سنت وبدعت کا اختلاف

جو دینی عمل نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو وہ شریعت میں سنت کہلاتا ہے، اس کے برخلاف جو اعمال دین سمجھ کر انجام دیئے جائیں مگر ان کا ثبوت کسی بھی درجہ میں قرون اول میں نہ ہو، اور نہ ہی سلف صالحین نے انھیں اپنایا ہو، تو اس طرح کے اعمال بدعت کہلاتے ہیں، اور نبی اکرم ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے، عموماً آپ ﷺ خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے:

اِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ.

نئی بدعتوں سے بچتے رہو، اس لیے کہ (دین میں) ہرنئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(مشکوۃ شریف ۱/ ۳۰)

اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (متفق علیہ، مشکوۃ شریف ۱/ ۲۷)

جو شخص ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو، تو اسے رد کردیا جائے گا۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ سنت پر مضبوطی سے عمل کیا جائے گا، اور ہر وہ بدعتی فرقہ جو اپنی بدعتوں کی وجہ سے سنت سے اختلاف کررہا ہو اس کی رعایت نہیں کی جائے گی، موجودہ دور میں اہل بدعت اپنے عقائد محرفہ (مثلاً عقیدۂ علم غیب وحاضر وناظر وغیرہ) اور اعمال بدعیہ (جیسے بزرگوں کے مزارات پر عرس وقوالی وغیرہ) کی بنا پر یقیناً قابل مذمت ہیں، ان سے اختلاف کرنا مذموم نہیں

بلکہ حکم شریعت کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ اگر بدعت کو برسرعام پھیلنے دیا جائے گا تو شریعت کی اصل صورت مسخ ہو جائے گی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، ''جس شخص نے کسی بدعتی شخص کی (اس کی بدعت کی بنا پر) تعظیم کی تو اس نے اسلام کی عمارت ڈھانے میں مدد کی ہے''۔ (مشکوۃ شریف ۱/۳۱)

(۴) سوادامت سے اختلاف

شریعت اسلامیہ کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ یہ امت قیامت تک پوری کی پوری کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ اَجَارَکُمْ اَنْ تَجْتَمِعُوْا عَلٰی ضَلَالَةٍ کُلُّکُمْ اَوْ اَنْ یَّظْهَرَ اَهْلُ الْبَاطِلِ عَلٰی اَهْلِ الْحَقِّ.

(الفقیہ و المتفقہ /۱۸۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بات سے محفوظ فرما رکھا ہے کہ تم سب کے سب کسی گمراہی پر متفق ہو جاؤ، یا یہ کہ اہل باطل اہل حق پر غلبہ حاصل کرلیں۔

اسی بناء پر اجماع امت اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک مستقل دلیل کی حیثیت حاصل ہے، لہذا جو فرقہ اور جماعت شرعی اعمال میں کسی ایسی بات سے انحراف کرے جس پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور امت کی اکثریت متفق رہی ہو، وہ حق پر نہیں کہلائی جاسکتی، حق پر رہنے کے لیے اجماعی مسائل کو ماننا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں اس طرح رہنمائی فرمائی:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَةٍ، فَاِذَا رَأَیْتُمْ الْاِخْتِلَافَ فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ. (الفقیہ و المتفقہ/ ۱۸۷)

میری امت کسی گمراہی پر متفق نہ ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (اکثریت) کی پیروی کرو۔

اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا :

اِنَّ یَدَ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَالشَّیْطَانُ مَعَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ یَرْکُضُ. (الفقیہ و المتفقہ/ ۱۸۸)

بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت (امت کی اکثریت) پر ہوتا ہے، اور شیطان جماعت کی رائے سے اختلاف کرنے والوں کے ساتھ کودتا پھرتا ہے۔

آج کل کا فرقۂ غیر مقلدین (جو اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے حالاں کہ ان کا رسلف کی وجہ سے اسے ''خلفی'' کہنا بجا ہے) بہت سے شرعی مسائل میں اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کا منکر ہے، (مثلاً تراویح کی رکعات اور تین طلاق وغیرہ) بریں بنا اس کا یہ اختلاف اور امت کی مجموعی رائے سے انحراف اس قابل نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جائے، بلکہ ان کے غلط موقف کو آشکارا کرنا عین تقاضۂ ایمان ہے۔

(۵) اجتہادی اختلاف

شریعت میں بہت سے ایسے معاملات بھی پائے جاتے ہیں جن میں دلائل کے تعارض کی وجہ سے یا اصل نصوص میں صریح حکم نہ ملنے کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے، پھر جب مختلف مجتہدین اپنی فہم وفراست اور علمی مہارت کے ذریعہ اجتہاد کرتے ہیں تو ان کے درمیان رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے، تو اجتہادی مسائل میں یہ اختلاف شریعت کی نظر میں برا نہیں ہے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو دور نبوت میں غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر پیش آیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ کوئی شخص عصر کی نماز بنوقریظہ کی بستیوں تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے قافلے روانہ ہوئے اور عصر کا وقت تنگ ہونے لگا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ظاہری حکم کے موافق برابر چلتے رہے اور وقت گذرنے کے بعد بنوقریظہ میں پہنچ کر ہی نماز ادا کی، جب کہ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام کے حکم کو تعجیل پر محمول کیا، اور وقت کے اندر اندر بیچ راستہ میں رک کر نماز ادا کرلی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر نکیر نہیں کی۔ (بخاری شریف ۲/۵۹۱)

بعینہٖ یہی صورت مجتہدین کے آپسی اختلافات کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے ''صواب محتمل خطا ہے''، یعنی صحیح ہے مگر اس میں غلطی کا بھی احتمال ہے لیکن ایک مجتہد کے ماننے والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مجتہد کے مستنبط مسائل کی بالکل تغلیط کریں، مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ) میں مسائل کا اختلاف اسی نوعیت کا ہے، کہ ان میں ہر مذہب حق ہے اور قابل اتباع ہے، یہ اختلاف حق وباطل کا نہیں، بلکہ علم وفہم اور استنباط کا ہے۔

اختلاف ختم کرنے کی ضرورت

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اختلاف کی مذکورہ پانچ قسموں میں سے پہلی چار قسموں میں اختلاف اصولی ہے، اور اصل سے اختلاف کرنے والے قابل مذمت ہیں، جب کہ آخری قسم کا اختلاف محض جزئی ہے اس میں اختلاف کرنے والا کوئی فریق بھی قابل طعن نہیں ہے، اب جو شخص ان سب اختلافات کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر علماء حق (جو فرق باطلہ کی ضلالتوں کو اجاگر کرکے دین کے تحفظ کا فریضہ انجام دیتے ہیں) کو اختلاف کی جڑ قرار دے وہ یا تو حقیقت سے ناواقف ہے، یا پھر خود کسی فرقۂ ضالہ میں شامل ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ امت سے ''اختلاف مذموم'' ختم کیا جائے، یعنی شرک کرنے والے شرک کو چھوڑ کر پکے موحد بن جائیں، اور کفریہ عقائد رکھنے والے کفر چھوڑ کر اسلام کے دامن میں آجائیں اور بدعت کے مرتکب اپنی بدعتوں سے توبہ کرکے سنت پر کاربند ہوجائیں، اور اجماعی مسائل میں اختلاف کرنے والے اجماع کی طرف لوٹ آئیں، اسکی ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کا دروازہ بند کردیا جائے، کیوں کہ یہ اختلاف امت کے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے جیسا کہ بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (کشف الخفاء، ۱/۵۷، المقاصد الحسنۃ/۴۶)

تو اس فروعی اختلاف کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اصولی اختلاف ختم کرنے پر محنت ہونی چاہیے، اور محنت اسی ایک نکتہ پر ہو کہ جو فرقہ قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قریب تر ہو اسی کو معیار بنا کر بعد میں پیدا ہونے والے فرقے اپنی رسومات اور عقائد کو ترک کردیں، جبھی اختلاف ختم ہوسکتا ہے۔

اہل حق کو جانچنے کا معیار

اس مرحلہ پر ممکن ہے کہ ہر فرقہ یہ دعویٰ کرے کہ میں ہی حق کا معیار بننے کے لائق ہوں، اور دوسرے سب گمراہ ہیں، تو اس بارے میں محض زبانی جمع خرچ کافی نہیں، بلکہ دو کسوٹیوں پر جو فرقہ پورا اترے گا وہی اہل حق کہلائے جانے کا مستحق ہوگا:

(۱) اس فرقہ کے عقائد قرآن کریم کے موافق ہوں: ارشاد خداوندی ہے، ”وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا“۔ (آل عمران:۱۰۳) (اور اللہ کی رسی (قرآن کریم) کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور پھوٹ نہ ڈالو) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل حق کو جانچنے کا اولین معیار یہ ہے کہ وہ قرآن کریم میں بیان کردہ عقائد پر ثابت قدم ہوں، اور قرآن کریم سے ثابت شدہ کسی بات کے منکر نہ ہوں، ورنہ وہ ہرگز اہل حق میں نہیں کہلائے جاسکتے۔

(۲) اس کے عقائد واعمال، سنت اور حیات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق ہوں: چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے اور ان میں صرف ایک فرقہ کے جنتی ہونے کا تذکرہ کیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کہ نجات پانے والی جماعت کون سی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ“ یعنی جماعت ناجیہ صرف وہ جماعت ہے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلنے والی ہو۔ (ترمذی شریف ۹۳/۲)

ان دونوں معیاروں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فرقۂ ناجیہ کے مصداق وہی حضرات ہو سکتے ہیں، جو پکے موحد ہوں، فکری اور عمل بدعات سے نفور ہوں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے متبع ہوں، اور دین میں آزاد خیالی اور خود رائی سے دور ہوں، (اگرچہ ان کے فقہی مذاہب الگ الگ ہوں) ان باتوں کے بغیر حقانیت کا دعویٰ محض فریب ہوگا، اس میں کچھ صداقت نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رشد وہدایت سے نواز کر فرقۂ ناجیہ اور جماعت اہل حق میں مرتے دم تک شامل رکھے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۴ء)

○○

خدارا
فقہ اسلامی کو تختہ مشق نہ بنائیں!

بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ جہاں ذرا سا قلم پکڑنے کا سلیقہ آیا فوراً اپنے کو ہر معاملہ میں رائے زنی اور شوشہ آفرینی کا حقدار سمجھنے لگتے ہیں خواہ اس معاملہ میں صحیح معلومات ہوں یا نہ ہوں بس صفحات سیاہ کرنے سے مطلب! اس کا ایک نمونہ وہ مضمون ہے جو ''راشٹریہ سہارا'' (۸/جون ۲۰۰۳ء) کے فکر ونظر میں ''عبدالرحمٰن حمزہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں اسلامی قانون اور عصری تقاضوں کو موضوع بحث بناتے ہوئے حج کے متعلق چند مسائل پر مضمون نگار نے رائے زنی کر کے اپنی کم علمی، کم فہمی اور خود رائی کا ثبوت دیا ہے اور خواہ مخواہ عام علماء اور مفتیان عظام کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ چونکہ یہ مضمون غلط فکر پر مبنی ہے اور اس میں اٹھائے گئے مسائل کو پڑھ کر عام حجاج کرام تشویش اور شکوک میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لئے اختصار کے ساتھ اصل مسائل کی وضاحت اور مضمون نگار کی لاعلمی کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اعمالِ حج میں ترتیب کا مسئلہ

حج کے تین اعمال (رمی، قربانی اور حلق) کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ترتیب واجب ہے۔ امام صاحبؒ اس بارے میں قرآن کریم کی آیت ''وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّه'' (البقرة: ۱۹۶) اور پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے استدلال فرماتے ہیں، اس کے

برخلاف حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں ہے بلکہ صرف مسنون ہے، اگر یہ کسی وجہ سے برقرار نہ رہے تو دم لازم نہیں ہے، حنفیہ کی تمام فقہی کتابوں میں اس مسئلہ میں فتوی امام صاحب کے قول پر دیا گیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے کسی مقلد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بلاوجہ اور بلا عذر اس فتوے کے خلاف پر عمل کرے، البتہ موجودہ زمانہ کی دشواریوں کو دیکھتے ہوئے شدید عذر کی صورت میں صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش دی گئی ہے، چناں چہ جمعیۃ علماء ہند کے قائم کردہ ادارہ ''المباحث الفقهیه'' کے چھٹے فقہی اجتماع منعقدہ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ میں یہ تجویز منظور کی گئی ''متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظمؒ کے قول پر۔ جو مفتی بہ ہے۔ ترتیب لازم ہے، اس کے ترک میں دم لازم ہوجاتا ہے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اس کے ترک سے دم لازم نہیں، آج کل حجاج ازدحام اور دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے''۔ (ندائے شاہی حج و زیارت نمبر صفحہ ۱۷۵)

واضح رہے کہ یہ گنجائش صرف اعذار کی صورت میں ہے، اصل مسئلہ یعنی ترتیب کا وجوب اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس لئے اولاً پوری کوشش کی جائے کہ ترتیب قائم رہے خواہ اس کے لئے کچھ دِقت اٹھانی پڑے لیکن اگر کسی شخص کے ساتھ ایسی صورت پیش آگئی کہ ترتیب قائم رکھنا سخت مشکل ہوگیا تو صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہوگی، یہ ہے مسئلہ کی اصل نوعیت ! اس میں مضمون نگار صاحب نے دو جگہ غلطی کی ہے :

(۱) مضمون میں رمی، ذبح اور حلق کے ساتھ طواف زیارت کو بھی ترتیب میں شامل کردیا ہے۔ حالانکہ طواف زیارت بالاتفاق اس ترتیب سے خارج ہے اس کے مذکورہ اعمال سے پہلے یا بعد میں ہونے سے کوئی دم وغیرہ لازم نہیں آتا۔

(۲) مضمون نگار صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا حوالہ دے کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ دیگر مفتیان اس مسئلہ سے بے خبر اور اس کے بارے میں سخت متشدد ہیں حالانکہ یہ بات نہیں ہے، جس کا اندازہ درج بالا تجویز سے لگایا جاسکتا ہے۔

بینک کے ذریعہ قربانی کرانے کا معاملہ

مضمون نگار صاحب نے حج کے موقع پر سعودی حکومت کی طرف سے قائم بنک کے توسط سے قربانی کے نظام کی بہت تحسین کی ہے حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام فقہی اعتبار سے حنفیہ کے لئے سخت محل اشکال ہے اور کسی حال میں اس کی حوصلہ افزائی اور تائید نہیں کی جا سکتی، اس نظام پر عمل کرنے میں خاص طور پر درج ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱) بنک کے ذریعہ قربانی میں ترک ترتیب یقینی ہے کیوں کہ لاکھوں لوگوں کو بنک کی رسیدوں میں قربانی کا ایک ہی وقت لکھ کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اتنی بڑی تعداد میں بیک وقت قربانیاں ہونا محال ہے۔

(۲) حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق ایک غیر معذور شخص (جو اپنی طاقت اور قوت کے اعتبار سے خود بروقت قربانی کر سکتا ہے) بینک کے نظام کے ذریعہ جان بوجھ کر ترک ترتیب کا مرتکب ہوتا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔

(۳) بعض حضرات نے تحقیق کر کے بتایا کہ بینک والے چار دن (۱۳/ذی الحجہ) بلکہ اس سے آگے تک بھی حج کی قربانی کرتے رہتے ہیں جب کہ حنفیہ کے نزدیک قربانی کا وقت صرف تین دن (۱۲/ذی الحجہ تک) ہے اس سے تاخیر کرنے سے مستقل دم واجب ہو جاتا ہے۔

(۴) بینک کے نظام کی وجہ سے حاجیوں کو خواہ مخواہ قربانی مہنگی خریدنی پڑتی ہے اگر جانوروں کا کھلا بازار ہو تو متوسط درجہ کا جانور دو ڈھائی سو ریال میں مل سکتا ہے جب کہ اس نظام میں عموماً ساڑھے تین سو ریال ایک جانور کے لئے جاتے ہیں، اور اس میں جانور کی قیمت کے ساتھ قربان گاہ کا خرچہ، گوشت کو کولڈ اسٹور میں رکھنے کا خرچہ، پھر اسے غریب ممالک تک پہنچانے کا خرچہ بھی جبراً شامل ہوتا ہے، تو یہ بات غور کرنے کی ہے کہ دوسری جگہ گوشت پہنچانے وغیرہ کا خرچ حاجیوں سے کیوں وصول کیا جاتا ہے؟ جب کہ اس کا حج کے خرچ سے کوئی تعلق نہیں، حاجی کا ذمہ تو صرف جانور ذبح کرنے سے بری ہو جاتا ہے گوشت کہیں

بھی جائے حاجی کو اس سے کوئی مطلب نہیں، اگر سعودی حکومت کو گوشت کار آمد بنانے کا شوق ہے تو اسے خود اپنے خرچ پر کولڈ اسٹور میں رکھنے اور بھیجنے کا انتظام کرنا چاہئے اس کا خرچ حاجیوں سے جبراً لینے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

(۵) اعتراض سے بچنے کے لئے بینک کے ذریعہ قربانی کرنے میں ایک شق یہ بھی رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی چاہے تو ٹوکن خرید کر خود اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کر کے ادارے کے حوالہ کر دے۔ احقر نے حج ۱۴۲۰ھ میں خود اس ٹوکن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس سے جو تلخ تجربہ ہوا اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اس سے فائدہ اٹھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم چند ساتھیوں نے خود قربانی کرنے کے لئے ٹوکن خریدے لیکن جب رمی کرنے کے بعد قربان گاہ "**المعیصیم**" پہنچے جو منیٰ سے کئی کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے تو یہ منظر دیکھا کہ ٹوکن والی قربان گاہ میں ہزاروں کا مجمع داخلہ کا منتظر ہے اور قربان گاہ یہ کہہ کر بند کر دی گئی ہے کہ زیادہ تعداد میں قربانی ہونے کی وجہ سے گنجائش نہیں رہی، اس لئے صفائی کے بعد ہی کھل پائے گی۔ تقریباً تین چار گھنٹے مسلسل انتظار کے بعد جب قربان گاہ کا دروازہ کھلا تو وہ افراتفری مچی جو نا قابل بیان تھی، اور اندر جا کر بمشکل تمام قربانی کا کام انجام دیا جا سکا، ظاہر ہے کوئی کمزور ناتواں، یا نا تجربہ کار شخص اس سے ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکتا، ایک تو نئی قربان گاہ اتنی دور بنا دی ہے کہ وہاں جانا ہی خود ایک کارے دارد ہے، دوسرے سخت ازدحام کی وجہ سے ٹوکن خرید کر ذبح کرنا نہایت مشکل ہے۔ ۱۴۱۹ھ تک حجاج خود اپنے ہاتھ سے جانور خرید کر بآسانی قربانی کر کے اپنے اپنے خیموں میں لوٹ آتے تھے اور مسئلہ کے اعتبار سے کسی کو کوئی اشکال نہ ہوتا تھا، لیکن سعودی حکومت نے صفائی ستھرائی کا بہانہ بنا کر اس سادہ عمل کو اپنے خود ساختہ نظام کی وجہ سے مشکل ترین بنا دیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کچھ جدت پسند لوگ آنکھ بند کر کے اس نظام کی تائید کرتے ہوں لیکن ہمیں ایسا لگتا ہے کہ اس کے پیچھے سعودی سرمایہ داروں اور ان غیر ملکی کمپنیوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے کروڑوں

ڈالر کا ٹھیکہ لے کر نئ قربانی گاہوں اور عظیم الشان کولڈ اسٹوروں کو تعمیر کیا ہے، حجاج کرام کا چوں کہ بہت بڑا سرمایہ قربانی میں لگتا ہے اس لئے اس کو زبردست نفع بخش کاروبار سمجھتے ہوئے "بنك الراجحي" کے ذریعے ایک کمپنی کی شکل دے دی گئی ہے، تاکہ ساری آمدنی سرمایہ داروں تک سمٹتی رہے اور حجاج سے اچھی طرح پیسہ کھینچا جاتا رہے، اسی طرح غیر ملکی کمپنیوں نے صفائی ستھرائی اور گوشت کو کار آمد بنانے کا سنہرا خواب دکھا کر نئ قربانی گاہیں تعمیر کیں۔ اور پھر ان کی دیکھ ریکھ اور چلانے کے ٹھیکے حاصل کئے، اسی وجہ سے سعودی حکومت کا پورا زور اسی پر ہے کہ کوئی شخص الگ قربانی نہ کرے بلکہ سب بینک کی رسید خرید کر سرمایہ داروں (جن میں اکثر شہزادے شریک ہیں) کو فائدہ پہنچائیں اور قربانی کا ایک پیسہ بھی اِدھر اُدھر نہ پہنچنے پائے۔

افسوس ہے کہ سعودی حکومت جس نے واقعۃً حرمین شریفین کی بے مثال خدمت کی ہے وہ اب گذشتہ چند سالوں سے حج وعمرہ کی مشکلات کو ختم کرنے کے نام پر خود ہی مشکلات کو جنم دے رہی ہے، اور جیسے جیسے سعودی عرب کی اقتصادیات کمزور پڑتی جارہی ہیں اسی تناسب سے وہاں کے حکام کی نیتوں میں فتور بڑھتا جارہا ہے، اور ہر سال مختلف نظاموں اور رہائش وغیرہ کی پابندیوں کے ذریعے حجاج ومعتمرین کو لوٹنے کھسوٹنے کا عمل جاری ہے، اس نظام کی جکڑ بندیاں اتنی سخت ہیں کہ حاجی اب ایک قیدی کی شکل میں سفرِ حج کے مراحل سے گذرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حج کی مشکلات پر صبر کرنا چاہئے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حکومت کو حاجی کے استحصال اور اس پر بے جا پابندیوں کے لئے کھلی چھوٹ دیدی جائے۔ سعودی حکومت دعوی تو یہ کرتی ہے کہ وہ حاجی سے کوئی پیسہ نہیں لیتی لیکن دیگر اداروں اور نیم سرکاری کمپنیوں کے ذریعے سے ہر حاجی سے معقول رقم لی جاتی ہے، اور اب جو عمرہ کی نئ پالیسی آئی ہے اس نے تو سعودی حکومت کی بدنیتی اور حرص وطمع کو صاف واضح کر دیا ہے اب یہ حکومت نہ جانے کن بددین مشیروں کے مشورہ پر حج وعمرہ کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کررہی ہے یہ چیزیں حکومت کی نیک نامی کو توبٹہ لگا ہی رہی ہیں، ساتھ میں ہمیں خطرہ ہے کہ عشاق خداوندی کو زیارت سے محروم کرنے کی وجہ سے کہیں یہ حکومت ہی زوال کا

شکار نہ ہوجائے۔ بہر حال ان باتوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن بتلانا یہ ہے کہ مذکورہ مضمون نگار صاحب نے قربانی کے بارے میں بینک کے نظام کی جو تائید کی ہے وہ اصل صورتِ حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ سب مسلمان اس نظام کے مفاسد کو ظاہر کر کے حکومت سعودیہ سے مطالبہ کریں کہ وہ صدیوں سے رائج سادہ طریق کار کو باقی رکھے اور قربانی کے بہانے حاجیوں کو تنگ کرنا چھوڑ دے۔

رمی کرنے کا وقت

مذکورہ مضمون میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ سعودی حکومت کے اعلان کے ذریعہ رمی کرنے کے وقت میں اضافہ کردیا گیا ہے چناں چہ مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں :

''ان بدلتے ہوئے حالات میں سعودی حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً احکام میں تبدیلی کے اعلانات کے مطابق ہی عمل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، مثلاً پہلے رمی کا وقت زوال تک تھا بعد میں مجمع کے کثرت کی پیش نظر اس کا وقت بڑھا دیا گیا اس سال مزید اس کی توسیع کا اعلان کیا گیا ہے، کیونکہ فقہی کتابوں میں لکھے ہوئے وقت کے اندر لاکھوں لوگوں کا رمی کرنا تقریباً ناممکن ہوگیا''۔

اس انکشاف کا ایک ایک لفظ مضمون نگار کے مطالعہ کی سطحیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے اس لئے کہ اولاً تو رمی کا وقت نصوص شریعہ سے ثابت ہے جس کو کوئی حکومت بدل نہیں سکتی، لہٰذا اس بارے میں سعودی حکومت کی طرف سے کسی تبدیلی کا حوالہ دینا ہی محض غلط ہے، دوسرے مضمون نگار کے اطلاع کے لئے عرض ہے کہ فقہاء نے تمام کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے کہ پہلے دن کی رمی میں صبح صادق سے سورج نکلنے تک بلا عذر مکروہ وقت ہے، اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے زوال تک مستحب وقت ہے اور زوال سے لے کر سورج غروب ہونے تک جائز وقت ہے اور غروب آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک کا وقت مکروہ ہے لیکن عورتوں اور کمزوروں وغیرہ کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ (فتح القدیر ۲/۵۰۱، شامی زکریا ۲/۵۳۴، غنیۃ الناسک ۱۷۰، بدائع زکریا ۲/۳۲۴، معلم الحجاج ۱۷۰)

تو معلوم ہوا کہ یہ وقت میں وسعت، اصل مسئلہ کے اعتبار سے پہلے ہی سے موجود ہے کسی کو اس میں تبدیلی کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ حاجت۔ اور جسے اصل مسئلہ ہی کا پتہ نہ ہو تو اس کی جہالت کا کوئی علاج نہیں۔

عورتوں کے لئے رمی میں اپنا وکیل بنانا کب جائز ہے؟

مضمون نگار صاحب نے ایک شگوفہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ حکومت سعودیہ نے عورتوں کے لئے رمی میں اپنا وکیل بنانے کی مطلق اجازت دے دی ہے چناں چہ فرماتے ہیں :

''مجمع کی کثرت کے پیش نظر ہی حکومت سعودیہ نے اس سال رمی کے لئے عورتوں کو اپنا وکیل مقرر کرنے کی اجازت بھی دی ہے''۔

غالباً مضمون نگار صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر عورت کے لئے گنجائش ہے کہ وہ رمی میں اپنا نائب بنا دے خواہ وہ معذور ہو یا نہ ہو، حالاں کہ یہ بات مسئلہ کی رو سے قطعاً غلط ہے اور ہمارے علم میں سعودی حکومت نے بھی ایسی مطلق اجازت کا کوئی اعلان نہیں کیا ہے اگر بالفرض اعلان کیا بھی ہو تو ہمارے نزدیک ایسے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں اور اصل حکم اس میں یہ ہے کہ اگر عورت یا کوئی بھی کمزور شخص اتنا معذور ہو کہ وہ رات میں بھی جا کر رمی نہ کر سکے تو ایسے معذوروں اور کمزوروں کے لئے گنجائش ہے کہ وہ رمی میں اپنا نائب بنا دیں، لیکن جو عورت یا مرد کسی بھی وقت رمی کرنے پر قادر ہو اس کے لئے نائب بنانے کی نہ اجازت ہے اور نہ اعتبار، جو بلا عذر معقول نائب کے ذریعہ رمی کرائے گا اس کی رمی معتبر نہ ہوگی اور ترک رمی کا جرمانہ اس پر لازم ہوگا۔

(غنیۃ الناسک/۱۸۸، بدائع زکریا ۲/۳۲۳، ایضاح المناسک/۱۵۹)

آج کل اس مسئلے میں حجاج بہت کوتاہی کرتے ہیں ذرا ذرا سی باتوں کا بہانہ بنا کر رمی میں اپنا نائب بنا دیتے ہیں، انھیں مذکورہ مسئلہ کا حکم اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے۔

عرف کب اور کہاں معتبر ہے؟

آگے چل کر مضمون نگار صاحب اپنی جدت طرازی کے لئے ایسی دلیل لائے ہیں جس کا

زیر بحث مسائل سے کوئی جوڑ ہی نہیں۔ موصوف نے مسائل حج میں تبدیلی کے لئے علامہ شامیؒ کے مشہور رسالہ ''نشر العرف'' کا ایک اقتباس پیش کیا ہے، جس میں عرف کی وجہ سے احکام میں تبدیلی کی وضاحت کی گئی ہے، لیکن اس کے اخیر میں خود علامہ شامیؒ نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ عرف کی وجہ سے تبدیلی صرف ایسے ہی مسائل میں ہوسکتی ہے جن کا ذکر نصوص شرعیہ میں نہ ہو۔ بلکہ جن کا مدار عرف وعادت پر ہو جیسے لوگوں کا رہن سہن، زبان وعادات وغیرہ، لیکن جو مسائل قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں ان میں بالاتفاق عرف کو کوئی دخل نہیں، بالخصوص تمام اسلامی عبادات اوران کے مسائل سب قرآن وسنت کے ارد گرد گھومتے ہیں اور حج سے متعلق مسائل بھی اسی دائرہ میں آتے ہیں، لہذا ان میں عرف کے اعتبار کا کوئی مطلب ہی نہیں جو شخص حج کے مسائل میں عرف کو دخل دینے کی بات کہے وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ وہ اسلامی فقہ کے بارے میں قلم اٹھائے یا اپنی رائے کا اظہار کرے۔

طواف زیارت ترک کرنے کا حکم

مضمون کے اخیر میں اپنی لاعلمی کی بنا پر مضمون نگار صاحب نے حج میں طواف زیارت کے ترک سے متعلق ایک مسئلہ پر رائے زنی کر کے خواہ مخواہ تنقید کا دہانہ کھول دیا ہے۔ موصوف حج کمیٹی کی طرف سے شائع شدہ ''حج گائڈ'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

> ''اگر حاجی سے طواف زیارت چھوٹ جائے، خواہ وہ کسی شرعی مجبوری ہی کی بنا پر ہو تو حج باطل ہو جائے گا اور اس کی جتنی جلد ممکن ہو تلافی کر لینی چاہئے، جب تک یہ رکن ادا نہ ہوگا اس کی بیوی اس پر حرام رہے گی خواہ اس کی مدت کتنی ہی طویل ہو، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کیوں کہ طواف زیارت حج کا رکن ہے اور رکن کے ترک سے حج باطل ہو جائے گا لیکن اس بطلان کو بیوی کی حلت وحرمت سے جوڑنا یہ خلاف عقل بھی ہے اور نا قابل عمل بھی۔ ممکن ہے کہ اس وقت کے حالات میں یہ رائے مناسب رہی ہو، لیکن آج کے اس بدلے ہوئے حالات میں بہر حال اس فتوے پر عمل کرنا ناممکن ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلا:

(۱) سعودی عرب میں مدت مقررہ سے زائد قیام کی اجازت نہیں، لہٰذا حاجی کو اپنے مقررہ فلائٹ سے ہر قیمت پر واپسی آنا ہی ہوگا۔

(۲) حکومت ہند کی طرف سے کسی حاجی کو جو اس سال حج کر چکا ہے اگلے سال ویزا نہ ملنے کا اعلان ہو چکا ہے۔

(۳) ایک غریب آدمی بیت اللہ کے دیدار کے شوق میں اپنی زندگی بھر کی کمائی لگا کر آ گیا ہے اور بیماری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے وہ طواف زیارت کا رکن ادا نہ کر سکا تو ضروری نہیں ہے کہ دوبارہ اس کو اسباب سفر مہیا ہو جائیں تو ایسی صورت میں اس پر بیوی سے علیحدگی کا حکم لگانا نہ شرعاً درست ہونا چاہئے نہ عقلاً، کیوں کہ جب حج ہی باطل ہو گیا تو اس سے متعلق ہر چیز باطل ہو گئی اور حاجی کا اس حج سے کوئی تعلق باقی نہ رہا، صرف اسے پہلی فرصت میں ادا کر لینا چاہئے''۔

مضمون کا یہ جز جہالت، جسارت اور غلط بیانی کا مجموعہ ہے، جہالت اس لئے کہ جس حاجی نے خواہ مرد ہو یا عورت وقوف عرفہ کا فرض ادا کر لیا اس پر بہرحال طواف زیارت لازم ہے۔ طواف زیارت چھوٹنے سے کسی کے یہاں حج باطل نہیں ہوتا، بلکہ وقت کے اندر یا بعد میں پوری عمر میں جب بھی طواف کیا جائے گا اس سے چھوٹے ہوئے فرض کی تلافی ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر طواف زیارت سے پہلے حلق کرا لیا ہو تو شرعاً حلق کرانے سے احرام کی دیگر پابندیاں تو ہٹ جاتی ہیں لیکن عورت کے پاس جانا اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا جب تک کہ حاجی طواف زیارت نہ کر لے۔ امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''رمی اور حلق کے بعد عورتوں کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے''۔ (سنن کبریٰ للبیھقی ۵/۲۲۲) اور یہی مسئلہ حنفیہ کی تمام فقہی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ (دیکھئے المناسك للملا علی القاری ۲۳۱/ غنیة الناسك ۱۷۶/، المغنی للحج والعمرہ ۳۰۳/ رد المحتار للشامی زکریا ۵۳۸/۳ وغیرہ)

اس واضح شرعی مسئلہ سے صرف نظر کرتے ہوئے مضمون نگار صاحب نے کتنی بڑی جسارت کی کہ اسے خلاف عقل اور خلاف شرع قرار دے دیا ہے۔ واضح رہے کہ جب کوئی مسئلہ قرآن وحدیث وآثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوتو پھر چاہے وہ کسی کی گدی میں آئے یا نہ آئے اس کو تسلیم کرنا لازم ہے۔اور مضمون نگار صاحب جیسے لوگوں کی عقل نارسا اس کی حکمت تک پہنچے یا نہ پہنچے، اس کے بارے میں خود رائی اور سطحی قسم کے تبصروں کی کوئی گنجائش نہیں۔ مذکورہ مسئلہ سے متعلق مضمون نگار صاحب کی یہ بے محل جسارت انتہائی قابل مذمت ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں فقہی اصول وقواعد کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

پھر مذکورہ عبارت خود اپنے اندر کئی غلط بیانیوں کو لیے ہوئے ہے۔ مثلاً:

(۱) حج گائڈ میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ طواف زیارت چھوٹنے سے حج باطل ہو جاتا ہے۔ اس میں اور دیگر کتابوں میں یہی لکھا گیا ہے کہ طواف زیارت کرنا ضروری ہے اور جب تک اسے نہ کیا جائے عورت حلال نہیں ہوتی۔

(۲) سعودی عرب میں مقررہ مدت سے زائد قیام کا امکان موجود رہتا ہے بشرطیکہ آدمی جانکار ہو اور اپنا عذر بیان کر کے مزید قیام کی شرائط پوری کر دے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ سعودی عرب میں مزید قیام کی گنجائش نہیں۔

(۳) موصوف نے لکھا ہے کہ حکومت ہند نے اس سال حج کرنے والوں کو اگلے سال ویزا نہ دینے کا اعلان کیا ہے، یہ بات بھی قطعاً غلط ہے۔ حکومت ہند نے ایسا کوئی اعلان نہیں کیا ہے۔ یہ اعلان سعودی حکومت کی طرف سے ہے اور خاص حالات میں اس اعلان کے باوجود اگلے سال حج کو جانے کے لئے راستے کھلے ہوئے ہیں۔

(۴) موصوف نے غریب حاجی کی غربت کا بہانہ بنا کر مذکورہ مسئلہ پر اعتراض کیا ہے۔ حالاں کہ موصوف کے بزعم خود اس کا حج باطل قرار دینے سے بھی اس حاجی سے فریضۂ حج ساقط نہیں ہو جاتا، تو کیا اس وقت اس کی غربت کا خیال نہیں ہوگا ؟

علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کوئی عورت (اپنی ماہواری کے خاص حالات کی وجہ سے) واپسی کی تاریخ تک طواف زیارت نہ کر سکے اور مزید رکنے کی بھی کوئی شکل نہ ہو تو اس سخت مجبوری کی حالت میں فقہاء حنفیہ نے طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے گنجائش کی شکل رکھی ہے جس کی صورت و شرائط مستند عالم و مفتی سے پوچھ لینی چاہئیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ علماء و مفتیان حالات سے ناواقف اور ناتجربہ کار ہیں، محض خود فریبی اور اپنی جہالت کے اعتراف کے مرادف ہے۔

روایتی علماء ہی شریعت کے محافظ ہیں

زیر بحث مضمون کے درمیان میں مضمون نگار نے مغربیت زدہ اور غیروں سے حد درجہ مرعوب نام نہاد دانشوروں کی تائید کرتے ہوئے بڑے خوبصورت انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے یہ راگ الاپا ہے کہ نعوذ باللہ شریعت کی فہم کا شعور مضمون نگار کے محبوب ''جدت پسندوں'' کے سوا کسی میں نہیں پایا جاتا۔ اولاً موصوف کا تجزیہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''آج امت مسلمہ میں فکری اعتبار سے تین طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو دینی تقاضوں اور ان کی اہمیت سے ناواقفیت یا مذہب بے زاری کی وجہ سے شریعت کی عمارت ہی کو ڈھا دینا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان روایتی علماء کا ہے جو عصری علوم اور عصری تقاضوں سے ناواقفیت کی بنا پر ہر اصلاحی کوشش کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور مسائل فقہیہ یہاں تک کہ مجتہد فیہ مسائل میں بھی زمانے کے تقاضوں کے مطابق کسی بھی قسم کی تبدیلی کو مسترد کر دیتے ہیں، حالاں کہ ان کے اس جمود کی وجہ سے دین کی عمارت مسلسل کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک اعتدال پسند طبقہ بھی ہے، جو امت مسلمہ کے مسلسل انحطاط اور زوال سے کبیدہ خاطر ہے، اور یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ خیر الامم کے خطاب سے نوازے جانے کے باوجود آخر وہ کون سے اسباب ہیں جو ہمیں مسلسل زوال کی طرف دھکیل رہے ہیں، یہ طبقہ شریعت اور دین کی عمارت کی حفاظت کو مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے، لیکن وہ یہ بھی محسوس

کرتا ہے کہ اس عمارت میں امتداد زمانہ کے فطری قانون کے تحت جہاں جہاں کم زوری آ گئی ہے اس کی اصلاح ضروری ہے اور اگر کسی بوسیدہ اینٹ، کم زور شہتیر یا دیمک زدہ دروازہ کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے تو اسے فوری طور پر تبدیل کیا جانا چاہئے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ کہیں کچھ عرصہ بعد ہمارے ساتھ بھی وہی حالات نہ پیش آ جائیں جو یورپ میں اہل کلیسا کو پیش آئے، اور جس کے نتیجہ میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی پوری ایک نسل دین سے بے زار اور منحرف ہو گئی''۔

اس تجزیہ میں موصوف نے روایتی علماء (بالفاظ دیگر فقہ وفتاوی کی خدمت میں مشغول علماء ومفتیان کرام) کے جمود کو دین کی کم زوری کا ذمہ دار قرار دیا ہے، اور اپنے زعم میں اعتدال پسند علماء (بالفاظ دیگر خودرو، جدت پسند اور روشن خیال دانشور اور ہمارے مضمون نگار عبدالرحمٰن حمزہ صاحب جیسے لوگوں) کی ان کوششوں کی تحسین کی ہے جو وہ شریعت کی تبدیلی کے سلسلہ میں کرتے رہتے ہیں، مگر موصوف کی یہ رائے تاریخ کا سفید جھوٹ ہے اور صورت واقعہ سے دانستہ چشم پوشی کی روشن مثال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ علماء جن کو آج جمود کا الزام دیا جا رہا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو ان نام نہاد اعتدال پسندوں کے ہاتھوں کب کا دین اور فقہ اسلامی کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا ! اور یہ دین بھی سطحی آراء وافکار کا ملغوبہ بن جاتا اور قدم قدم پر وہ زلات نظر آتیں جو اس مضمون میں مضمون نگار کی طرف سے پائی گئی ہیں۔ یہ کوئی نئی صورت حال نہیں ہے، زیادہ تر دانشوران ملت کا دین کے بارے میں مبلغ علم محض سطحی اور ناقص ہے۔ (الا ماشاء اللہ) انہیں اعتدال پسند کہنا ہی سرے سے غلط ہے انہیں ''مغرب سے مرعوب لوگوں کا ٹولہ'' کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ یہ لوگ دراصل فقہ اسلامی سے تعلق وغیرہ کی آڑ میں فقہاء اسلام کے شاندار کارناموں کو سبوتاژ کر کے اسلامی فقہ کا جنازہ نکالنا چاہتے ہیں، اور ہر معاملہ کو محض دنیوی مفاد اور سہولت پسندی کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، انہیں تو بس گنجائش چاہئے، خواہ شریعت کے اصول سے گنجائش ملے نہ ملے، مگر کہیں سے دور کی کوڑی لا کر انہیں گنجائش نکالنے کا شوق ہے جبکہ ان کے علم کا حال یہ ہے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ناسخ

منسوخ، عرف، قیاس، مفہوم وغیرہ اصطلاحات کا انہیں کچھ اتہ پتہ نہیں، ان کا سارا مطالعہ اردو یا انگریزی کی منقولہ سطحی کتابوں یا چند ایک رسائل میں طبع شدہ صحافتی مضامین تک محدود ہے، اوراوپر سے نیچے تک سطحیت ہی سطحیت سے سابقہ ہے، مگر ستم یہ ہے کہ اس کم مائیگی کے باوجود دعوی ہے فقہ کی کمزوری کو سدھارنے کا! ایسے لوگ اولاً آئینہ میں اپنی صورت دیکھ لیں، اس کے بعد فقہ کے مسائل پر بحث کرنے کے بارے میں سوچیں! جیسے کسی جھولے چھاپ ڈاکٹر کو یہ حق نہیں کہ وہ نسخہ لکھ کر علاج کرے اور ماہر سند یافتہ اور تجربہ کار ڈاکٹروں پر طعن کرے، اسی طرح ان نام نہاد اعتدال پسندوں کو بھی ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ فقہی مسائل پر رائے زنی کریں، ہم ایسے لوگوں سے بس اتنا ہی عرض کریں گے کہ آپ کی دانشوری بگھارنے کے لئے دنیا میں اور بہت سے موضوعات پڑے ہوئے ہیں انکے بارے میں تحقیقات وتدقیقات کر کے اپنا شوق پورا فرماتے رہیں مگر خدارا فقہ اسلامی پر رحم کریں اور اسے اپنی زور آزمائی کے لئے تختۂ مشق نہ بنائیں، یہ ملت آج خطرناک مسائل وحالات سے دوچار ہے، کہیں آپ کی ستم ظریفی سے مزید مبتلائے مسائل نہ ہو جائے، اللہ تعالی ہمارے سب بھائیوں کو عقل سلیم اور فکر صحیح سے نوازے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۳ء)

○○

علماء کرام کے لئے کچھ کارآمد باتیں

مشہور مصنف امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی اندلسیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے علم دین کی اہمیت اور علماء کے فضائل اور ان کی ذمہ داریوں سے متعلق ایک جامع ترین کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ایک شاہکار کتاب قرار دی گئی ہے، بعد میں بیروت (لبنان) کے ایک عالم جلیل شیخ احمد بن عمر المحمصانی (المتوفی ۱۳۴۹ھ) نے اس وقیع کتاب کو مختصر کرنے کا کام انجام دیا، موصوف نے غیر ضروری اسانید اور مکررات کو حذف کر کے کتاب سے استفادہ کو آسان بنا دیا۔ احقر کو اس کتاب کے مطالعہ کی سعادت ملی تو مطالعہ کے دوران کچھ مفید باتیں احقر نے نوٹ کرلیں۔ اور آسانی کے لئے عنوانات لگا دیئے اور کہیں کہیں کچھ تشریح بھی کر دی، امید ہے کہ ان قیمتی جواہر پاروں سے قارئین کو فائدہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں:

علم کا خلاصہ

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ لوگوں کے علم کا خلاصہ سب کا سب صرف چار باتوں میں ہے: (۱) یہ کہ آدمی اپنے رب کو پہچانے۔ (۲) یہ کہ آدمی یہ جانے کہ رب العالمین نے اس کے ساتھ کیا کیا احسانات فرمائے ہیں؟ (۳) یہ جانے کہ رب اس سے کیا چاہتا ہے؟ (۴) اور یہ کہ یہ پہچانے کہ کن باتوں سے وہ رب کی نافرمانی سے نکل سکتا ہے؟ (مختصر جامع بیان العلوم ۲۷، ۲۸)

مطلب یہ ہے کہ جو علم مذکورہ چار باتوں کی طرف انسان کی رہنمائی کرے اور ان پر عمل

کرنے کی طرف راغب کرے وہی علم دراصل نفع بخش ہے۔اور جس علم سے یہ باتیں حاصل نہ ہوں وہ علم کہلائے جانے کے لائق نہیں۔

علم کیسے حاصل ہوگا؟

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ علم اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ کچھ نہ کچھ فقر وفاقہ اور تنگ دستی کا ذائقہ نہ چکھ لے۔(مختصر جامع بیان العلوم ۸۸)

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو شخص علم دین مالی وسعت اور اپنے اعزاز کے ساتھ حاصل کرے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا، اس کے برخلاف جو شخص ذلت وعاجزی، تنگ دستی اور علم کے اکرام کے ساتھ اسے حاصل کرے گا وہی کامیاب ہوگا۔(مختصر جامع بیان العلوم ۸۹)

تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ناز ونعم اور فارغ البالی میں علم دین پڑھنے والے طلبہ عموماً علمی گیرائی حاصل نہیں کر پاتے، کیوں کہ مالی وسعت کی وجہ سے ان کی توجہات علم سے زیادہ آسائش وزیبائش کی طرف لگی رہتی ہیں۔اس لئے مال دار گھرانہ کے طلبہ کے سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں ان کے پاس جیب خرچ کی زیادہ رقم نہ رہنے دیں۔

صبر، زہد اور تواضع کی حقیقت

ابراہیم ابن اشعث کہتے ہیں کہ میں نے مشہور عارف باللہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مصیبت پر صبر کا مطلب کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ:''صبر کا مطلب یہ ہے کہ تم ان مصیبتوں کو کسی سے بیان نہ کرو''، پھر میں نے ''زہد'' کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ:''زہد قناعت کا نام ہے اور یہی اصل میں غنیٰ ہے''،اس کے بعد میں نے ''ورع'' کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ:''گناہوں اور محرمات سے بچنے کا نام ورع ہے''،اسی طرح میں نے جب تواضع کی حقیقت کے بارے میں معلوم کیا تو حضرت نے فرمایا کہ:''تواضع یہ ہے کہ تم حق بات سامنے آنے پر سر تسلیم خم کردو اگرچہ اس حق بات کا بیان کرنے والا شخص لوگوں میں سب

سے بڑا جاہل کیوں نہ ہو؟ (یعنی یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے بلکہ اس کی کہی ہوئی بات پر دھیان دو اگر وہ حق ہو تو اسے قبول کرنے میں تامل نہ کرو، یہی تواضع ہے) (مختصر جامع بیان العلم ۹۴)

تین نصیحتیں

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! لوگوں کو دکھلانے، ان سے جھگڑا کرنے یا فخر ومباہات کے لئے کبھی علم مت حاصل کرنا، اور تین باتوں کی وجہ سے کبھی علم کی تحصیل میں کوتاہی مت کرنا۔ (۱) ناواقف رہنے کا شوق۔ (۲) علم سے بے رغبتی۔ (۳) اور علم سیکھنے سے شرم۔ (مختصر جامع بیان العلم ۹۷)

یعنی مذکورہ تین باتوں کی وجہ سے علم حاصل کرنا مت چھوڑنا۔

علم کے ساتھ حلم کی اہمیت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یقین (کامل) سے کم کوئی چیز نہیں اتاری، اور لوگوں میں سب سے زیادہ کم ''صفت حلم'' تقسیم فرمائی ہے اور کوئی چیز دوسری چیز سے مل کر اتنی مزین اور خوبصورت نہیں ہوتی جتنی صفت علم حلم کے ساتھ مل کر مزین ہوتی ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۱۴)

یعنی جس شخص میں کمالِ علم کے ساتھ بردباری اور ناگوار باتوں پر تحمل کی صفت بھی پائی جائے تو اس کی عزت وشرافت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

عالم کامل کی تین پہچان

علماء سے یہ بات منقول ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنی میں عالم کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے جب تک کہ اس میں تین صفات نہ پائی جائیں: (۱) علم میں اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے۔ (۲) اپنے سے برتر سے حسد نہ رکھے۔ (۳) اور اپنے علم پر کوئی قیمت نہ لے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۱۹)

منصف مزاجی

علامہ ابن عبدالبر قرطبیؒ نے فرمایا کہ: ''علم کے آداب و برکات میں سے یہ بات ہے کہ آدمی منصف مزاج ہو، کیوں کہ جو شخص منصف نہ ہو تو نہ تو وہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے سمجھایا جا سکتا ہے۔(مختصر جامع بیان العلم ۱۱۹)

امام محمد بن عمر واقدیؒ فرماتے ہیں کہ میں خود امام مالکؒ سے سنا کہ: ''جب عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور حج کے لئے آئے تو انہوں نے مجھے بلاکر یہ پیش کش کی کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں آپ کی تالیف ''موطا'' کے مختلف نسخے تیار کرا کے اس کا ایک ایک نسخہ عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں بھجوادوں اور وہاں کے لوگوں کو اس کا پابند بناؤں کہ وہ ہر معاملہ میں اسی کتاب کا اتباع کریں اور اس کے خلاف جو آراء و اقوال ہیں انہیں ترک کر دیں، اس لئے کہ اس کتاب میں تمام باتیں اہل مدینہ سے مروی ہیں جو نہایت درجہ قابل اعتبار ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس پیش کش پر میں نے جواب دیا کہ ''امیر المؤمنین! آپ اس کا ہرگز ارادہ نہ فرمائیں اس لئے کہ مختلف علاقوں میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر معتبر علماء کے اقوال و آراء پہلے ہی پہنچ چکے ہیں اور ہر علاقہ کے لوگ عرصۂ دراز سے ان پر عمل کرتے آرہے ہیں، اب انہیں ان کے عقیدہ سے ہٹانا بہت مشکل ہوگا، اس لئے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے، جس رائے پر وہ عمل کرتے آرہے ہیں انہیں اسی پر عمل کرنے دیجئے''۔ یہ سن کر خلیفہ منصور نے کہا کہ قسم بخدا! اگر آپ میری پیش کش قبول کر لیتے تو میں اس کی تعمیل کر دیتا، اس واقعہ سے امام مالکؒ کے انصاف پسندی کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(مختصر جامع بیان العلوم ۱۲۱)

جھک بازی سے پرہیز

امام مالکؒ کا مقولہ ہے کہ ''جھک بازی سے دل سخت ہو جاتے ہیں اور اس سے کینہ کی پرورش ہوتی ہے''۔(مختصر جامع بیان العلم ۱۲۳)

یعنی خواہ مخواہ بحث بازی اور کٹھ حجتی سے پرہیز کرنا چاہیئے، جس بات کو حق سمجھے اسے ظاہر کردے، لیکن اس پر پیچ نہ کرے۔

چار کاموں سے ناگواری نہیں ہونی چاہیئے

علماء کا مقولہ ہے کہ چار کاموں سے شریف آدمی کبھی اپنی بے عزتی محسوس نہیں کرتا: (۱) اپنے والد کے لئے اپنی مخصوص نشست گاہ سے کھڑے ہونے سے۔ (۲) اپنے مہمان کی خدمت کرنے سے۔ (۳) اپنی سواری (گھوڑے وغیرہ) کی دیکھ ریکھ سے، اگرچہ اس کے خدام موجود ہوں۔ (۴) اور اپنے استاذ کی خدمت گذاری سے، تاکہ اس سے علم حاصل کرسکے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۲۵)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ ارشاد

رجاء بن حیوۃ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے، اور بردباری کے لئے اس کی مشق کرنی پڑتی ہے، اور جو خیر کا طالب اور مشتاق ہوتا ہے اسے خیر عطا ہوتی ہے اور جو برائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اسے برائی سے بچالیا جاتا ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۲۵)

جاہل کی تین علامتیں

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جہالت کی تین علامتیں ہیں: (۱) اپنے کو اچھا سمجھنا۔ (۲) فضول گوئی کرنا۔ (۳) اپنی بیان کردہ نصیحت پر خود عامل نہ ہونا۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۴)

یعنی جس شخص میں مذکورہ تین باتیں پائی جائیں وہ گو کہ عالم کہلاتا ہو، مگر دراصل وہ جاہلانہ باتوں میں مبتلا ہے۔

حبِ جاہ کی نحوست

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ جو شخص بھی "حب جاہ" میں مبتلا ہوگا اس میں درج ذیل برائیاں ضرور پائی جائیں گی: (۱) وہ دوسرے ہم عصر لوگوں سے حسد کرے گا۔ (۲) اس میں سرکشی کے

جذبات پروان چڑھیں گے۔(۳) وہ دوسرے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہے گا۔(۴) اور جب اس کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی جائے گی تو اسے دل سے پسند نہیں کرے گا۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۴)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مرتبہ مسجد سے باہر تشریف لائے تو لوگ آپ کے پیچھے چلنے لگے، یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ ''اس شان کو دیکھ کر کسی کا دل سلامت رہ سکتا ہے''؟ اس کے بعد فرمایا کہ ''اپنے پیچھے جوتوں کی کھسکھساہٹ سننا بے وقوف لوگوں کے دلوں کو فاسد کرنے کا سبب ہے'' (یعنی اس شان کو دیکھ کر احمق لوگ اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں، حالاں کہ یہ بڑائی کی دلیل نہیں ہے) (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۶)

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''کسی کے پیچھے چلنا متبوع (جس کے پیچھے چلا جائے) کے لئے موجب فساد اور تابع (جو پیچھے چلے) کے لئے موجب ذلت ہے''۔
(مختصر جامع بیان العلم ۱۳۶)

قابلِ تکریم حضرات

حضرت ایوب القریہؒ فرماتے ہیں کہ: عزت وتکریم کے قابل تین طرح کے لوگ ہیں: (۱) علماء۔(۲) دوست احباب۔(۳) اصحابِ اقتدار۔ پس جو شخص علماء کی توہین کرے گا وہ اپنے دین کو برباد کرلے گا، اور جو دوست احباب کی تذلیل کرے گا وہ اپنے اخلاق سے محروم ہوجائے گا اور جو حکام وقت کی اہانت کرے گا وہ اپنی دنیا بگاڑ لے گا۔ اور عاقل شخص وہ ہے جو اپنا کچھ بھی بگڑنے نہ دے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۳۸)

علم کی زندگی سوال وجواب میں ہے

داؤد بن الجراح فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ ''عسقلان'' تشریف لائے اور تین دن قیام فرمایا، اس دوران کسی شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ نہیں پوچھا، تو آپ نے خادم سے کہا کہ میرے لئے سواری کرایہ پر حاصل کرو، میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں، اس لئے کہ یہ ایسا شہر ہے

جہاں رہنے سے علم کا جنازہ نکل جائے گا (یعنی جب کوئی مسئلہ پوچھنے والا ہی نہ ہوگا تو علمی ماحول باقی ہی کیسے رہے گا؟) (مختصر جامع بیان العلم ۱۴۷)

دو طبقوں پر اصلاح کا مدار

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت کے دو طبقے اگر سدھر جائیں تو سب لوگ سدھر جائیں گے: (۱) علماء۔ (۲) اصحاب اقتدار۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۵۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علماء کی مثال نمک کے مانند ہے کہ اگر کوئی چیز بگڑ جائے تو نمک کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جاتی ہے لیکن اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو پھر اس کی درستگی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۵۷)

معلوم ہوا کہ امت کی اصلاح کے لئے مذہبی وسیاسی قائدین کا اولاً سدھرنا اور صلاح سے متصف ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر عمومی اصلاح کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

عالمانہ وقار کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر اہل علم اپنے علم کے وقار کو بچا کر رکھیں تو ساری دنیا کی سرداری انہیں اس علم کی وجہ سے نصیب ہوگی، لیکن وہ اہل دنیا سے مال ودولت کے حصول کے لئے اپنے علم کو استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا والوں کی نظر میں ان کا مرتبہ گر جاتا ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۵۹)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''اگر حاملین علوم نبوت علم کے تقاضوں کو بجا لائیں تو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور نیک لوگوں کے محبوب بن جائیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی دھاک بیٹھ جائے، مگر (افسوس ہے کہ) یہ علماء اپنے علم سے دنیا طلب کرتے ہیں جس کی بنا پر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسند قرار پاتے ہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں''۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۶۱)

مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عزت کے قابل وہی عالم سمجھا جاتا ہے جو اپنے علمی وقار کی حفاظت کرے اور اپنے دینی منصب کو مادیت کے اثرات سے داغدار نہ ہونے دے۔

خفیہ شہوت کیا ہے؟

یزید بن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ’’خفیہ شہوت‘‘ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: خفیہ شہوت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کو علم سکھائے پھر یہ تمنا کرے کہ لوگ (زیادہ سے زیادہ) اس کی مجلس میں آکر استفادہ کیا کریں۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۶۲)

سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ: ’’پوشیدہ شہوت‘‘ یہ ہے کہ آدمی اپنی نیکی پر لوگوں سے تعریف کا متمنی رہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۰)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کہیں وعظ وتقریر کے لئے جائیں تو بعد میں یہ سننے کے متمنی رہتے ہیں کہ ’’تقریر کیسی رہی؟‘‘ اور اگر کوئی حوصلہ افزاء تبصرہ کردے تو پھولے نہیں سماتے، ایسے حضرات کو مذکورہ بالا ارشادات بار بار پڑھ کر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔

گناہ! موجب نسیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’میرا خیال یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے عالم کے ذہن سے علمی باتوں کو بھلا دیا جاتا ہے‘‘۔ (یعنی گناہ علم کے بھول جانے کا سبب بنتا ہے، اور تجربہ سے یہ بات بالکل مشاہد ہے) (مختصر جامع بیان العلم ۱۶۸)

دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مجھ سے مانگو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا) پھر کیا بات ہے کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ پانچ کوتاہیوں کی وجہ سے تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں: (۱) تم اللہ تعالی کو پہچاننے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کرتے۔

(۲) قرآن پڑھتے ہومگراس کی ہدایات پرعمل نہیں کرتے۔ (۳) محبت رسول کا دعوی کرتے ہومگر پیغمبر علیہ السلام کی سنتوں کے تارک ہو۔ (۴) تم ویسے تو شیطان کو بہت برا کہتے ہولیکن (جب موقع آتا ہے تو شریعت کے خلاف) اس کی پیروی کرتے ہو۔ (۵) اور پانچویں بات یہ ہے کہ تمہیں اپنے عیوب نظر نہیں آتے اور دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۲)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علماء کو نصیحت

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: ''اے حاملین علوم نبوت! اپنے علم پر عمل کیا کرو، اس لئے کہ اصل میں عالم وہی ہے جو علم سیکھ کر اس پر عامل بھی ہو، اور عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اگرچہ عالم کہلائیں گے مگر علم ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا، ان کی ظاہری زندگی تنہائی کی زندگی کے خلاف ہوگی، اور ان کے علم اور عمل میں تضاد ہوگا، وہ حلقیں لگا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کیا کریں گے (کہ کس سے کتنے لوگ وابستہ ہیں؟) حتی کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے ساتھ بیٹھنے والے پر اس وجہ سے بھی ناراض ہوجایا کرے گا کہ اس نے اس کی مجلس چھوڑ کر دوسرے کی مجالست کیوں اختیار کی؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال بارگاہِ خداوندی میں باریاب نہ ہو پائیں گے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۴)

اس ارشاد عالی کا حاصل یہ ہے کہ علماء کو اپنا حلقہ بڑھانے کی فکر کرنے کے بجائے زیادہ توجہ اپنے عمل کی درستگی اور رضائے خداوندی کی طرف لگانی چاہیے۔

عمل کے بغیر وعظ مؤثر نہیں

مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر عالم اپنی نصیحت پر عامل نہ ہوتو اس کی نصیحت لوگوں کے دلوں سے ایسے گذر جاتی ہے جیسے چکنے پتھر سے بارش کے قطرات پھسل جاتے ہیں (یعنی عمل کے بغیر وعظ میں اثر پیدا نہیں ہوتا) (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۶)

از دل خیزد، بر دل ریزد

حضرت سوارؒ فرماتے ہیں کہ: دلوں کی گہرائی سے نکلنے والی بات دلوں پر دستک دیتی ہے

جب کہ محض زبان سے نکلی ہوئی بات دلوں کے اوپر ہی سے گذر جاتی ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۶)

عالم کے لئے عمل لازم ہے

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم میں لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ عمل میں بھی وہ سب سے ممتاز ہو۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۸)

دنیادار عالم سے امت کو نفع نہیں ہوتا

سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ: ''عالم اس امت کا طبیب (اور ڈاکٹر) ہوتا ہے اور امت کا مرض مال ہے، لہذا اگر خود عالم ہی (ناحق طور پر) مال کھینچنے میں لگ جائے تو وہ خود دوسروں کا علاج کیسے کر سکے گا''؟ (مختصر جامع بیان العلم ۱۸۰)

حلال روزی کی فکر

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آدمی کی سمجھ داری کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے معاشی حالات درست کرنے کی فکر کرے (یعنی حلال ذرائع آمدنی اختیار کرے تاکہ اپنے واجبی حقوق کی ادائیگی اور دینی امور کی انجام دہی میں وہ مال اس کا معاون بن سکے) (مختصر جامع بیان العلم ۱۸۰)

ابن عونؒ کی پسندیدہ باتیں

ابن عونؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے تین باتوں کو پسند کرتا ہوں: (۱) یہ قرآن کریم، کہ اس میں آدمی غور وفکر اور تدبر کرے تو عنقریب ایسے علوم پر آگاہ ہوگا جس کا اسے پہلے سے علم نہیں ہے۔ (۲) پیغمبر علیہ السلام کی سنتیں، جن کی تلاش آدمی مستقل جاری رکھے، اور ان کے متعلق علماء سے پوچھ گچھ کرتا رہے۔ (۳) اور لوگوں سے اچھی باتوں کے علاوہ میل جول نہ رکھے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۹۷)

عارف باللہ شخص کی طرف دل کھنچے چلے جاتے ہیں

حسان بن عطیہؒ نے فرمایا کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی

لوگ اس کے قریب ہوتے جاتے ہیں"۔ (مختصر جامع بیان العلم ۲۱۴)

ایسے اصحابِ معرفت حضرات کا فیض چار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے، اور بے اختیار لوگوں کا رجوع ان کی طرف ہونے لگتا ہے۔

فتوی میں جلد بازی کم علمی کی دلیل ہے

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فتوی دینے میں سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو لوگوں میں سب سے کم علم ہوتا ہے، اور فتوی میں سب سے زیادہ احتیاط وہ شخص کرتا ہے جو علماء کے اختلاف سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۲۱۶)

عیب سے کوئی شخص مبرا نہیں

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "دنیا میں کوئی ایسا عالم اور شریف نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو، مگر بات یہ ہے کہ جس میں خوبیاں عیب کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہیں تو اس کا عیب خوبیوں میں چھپ جاتا ہے، اس کے برخلاف جس میں عیب زیادہ ہوتے ہیں تو اس کی خوبیاں عیوب میں فراموش ہو جاتی ہیں"۔ (مختصر جامع بیان العلم ۲۱۸)

واقعۃً یہ ارشاد صد فیصد برحق ہے۔ کوئی شخص یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ وہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہے اور جو یہ دعوی کرے وہ سچا نہیں ہے، بلکہ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے البتہ یہ کوشش ضرور ہونی چاہئے کہ ہمارے عیوب خوبیوں پر غالب نہ آسکیں، اس کے لئے اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور اللہ تعالی سے توفیق خیر کے طالب رہیں، انشاء اللہ مراد کو پہنچیں گے۔

امام ابو یوسفؒ کے تجربہ کی تین باتیں

امام ابو یوسفؒ کا ارشاد ہے کہ: "جو نادر و نایاب احادیث کی تلاش میں رہے گا اس کی زبان سے جھوٹ ضرور صادر ہوگا، اور جو دین کو علم کلام کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ بدعقیدہ ہو جائے گا، اور جو کیمیا بتانے کے چکر میں پڑ جائے گا وہ مفلس اور قلاش ہو جائے گا"۔ (مختصر جامع بیان العلم ۳۱۸)

ہر مسئلہ کا جواب دینے میں نہ پڑیں

امام مالکؒ فرماتے تھے کہ: ''آدمی سے علم زائل ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھی گئی بات پر رائے زنی اور گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہو''۔ (مختصر جامع بیان العلم ۱۷۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک شخص نے آپ کے پاس آکر عرض کیا کہ میں چھ مہینہ کی مسافت سے سفر کر کے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور مجھے میری بستی والوں نے باصرار آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو پوچھنا ہے پوچھو، چناں چہ اس شخص نے اپنا مسئلہ پیش کیا، تو اسے سن کر امام مالکؒ نے بے تکلف جواب دیا کہ ''اس مسئلہ کا جواب مجھے نہیں آتا'' امام مالکؒ کی طرف سے اس مسئلہ کی لاعلمی کے اظہار پر وہ شخص ہکا بکا اور حیرت زدہ رہ گیا، کیوں کہ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ یہاں تو ہر بات کا علم دستیاب ہے، پھر اس شخص نے اپنے حواس بجا کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! جب میں اپنی بستی میں پہنچوں تو ان سے کیا کہوں؟ تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ جا کر کہہ دینا کہ امام مالک کو یہ مسئلہ اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ۲۲۳)

مسلسل مطالعہ سے حافظہ تیز ہوتا ہے

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ قوت حافظہ تیز ہونے کے لئے کیا تدبیر اپنائی جائے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ''کتابوں کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا جائے (اسی سے حافظہ مضبوط ہوگا)'' (مختصر جامع بیان العلم ۳۹۸)

لہذا جو عالم اپنا علم محفوظ رکھنا چاہتا ہے اسے مطالعہ و مذاکرہ کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ اس کے بغیر اس کا علم محفوظ نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی علمی باتیں اس کے دماغ میں مستحضر رہ سکتی ہیں، اگر مطالعۂ کتب چھوٹ جائے تو دماغ میں محفوظ علوم بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو جاتے ہیں۔ (ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء)

○○

دیدۂ عبرت

بغداد کا سقوط

دیکھو جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

بالآخر سقوط بغداد کا المیہ پیش آ کر رہا۔ صدام حسین کی حکومت امریکی افواج کے فضائی اور زمینی تابڑ توڑ بے رحمانہ حملوں کی تاب نہ لاسکی اور دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ گئی۔ عراق، حملہ آور سامراجی اقوام کی غلامی میں چلا گیا، نہ جانے کتنے بے قصور افراد اس جنگ میں لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں افراد آج بھی ہسپتالوں میں دواؤں کی کم یابی اور نایابی کے باعث اپنے بستروں پر کراہتے ہوئے ملک الموت کی آمد کے منتظر ہیں۔ سقوط بغداد کے بعد عراق کے مختلف شہروں میں ہفتوں تک جو لوٹ مار اور آپسی قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری رہا اس نے انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیا۔ سرکاری عمارتیں لوٹ لی گئیں، قدیم ترین علمی ذخائر پر مشتمل لائبریریاں سپرد آتش کر دی گئیں، ارب ہا ارب روپے کے نوادرات سرکاری میوزیم سے چرا لئے گئے، اور ہر طرف افراتفری پھیلی رہی۔

سچ ہے کہ یہ سب انسانیت سوز حرکتیں امریکی افواج کے نامۂ اعمال ہی میں لکھی جانی چاہئیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ عراق پر یہ حملہ بجائے خود دنیا کی بدترین دہشت گردی کی مثال تھا، اور اس حملہ کے قائدین سب کے سب جنگ اور قتل کے بین الاقوامی مجرم ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان پر بین الاقوامی عدالت میں مقدمہ چلا کر انہیں عبرت ناک سزا دی جائے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس جنگ میں عراقی عوام مظلوم اور امریکی اتحادی افواج بہر حال ظالم تھیں جن کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہی کم ہے۔

صفحۂ عبرت

لیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں حالات کا جائزہ لیتے وقت صرف ظاہر ہی نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ ان باطنی اور اندرونی اسباب کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو در حقیقت اس طرح کے حالات پیدا ہونے کا اصل سبب بنتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل دو آیتیں نہایت واضح اور چشم کشا ہیں :

(۱) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ . (النحل:۱۱۲)

اور بتلائی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک بستی تھی چین امن سے، اس کو فراغت کی روزی ہر جگہ سے میسر آتی تھی، پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی، پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کے تن کے کپڑے ہوگئے بھوک اور ڈر، بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے۔

(۲) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم:۴۱)

پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے، چکھنا چاہئے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تا کہ وہ باز آجائیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ :

الف: دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور احکامات سے روگردانی سے خوف ودہشت (جو عموماً دشمنوں کے مسلط ہونے سے جاں گزیں ہوتا ہے) اور فقر وفاقہ (جو عموماً بدامنی کے زمانہ میں دیکھنے میں آتا ہے) کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔

ب: یہ حالات دراصل ہماری بدعملی ہی کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہوتا کہ بدعمل افراد اور جماعتیں ان حالات سے متنبہ ہوکر اپنی اصلاح کرلیں، اور بدعملی سے پوری طرح باز آجائیں۔

ج: اگر کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنا چاہے تو اس کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی کیجائے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کیا جائے۔اس کے بغیر مسلمان کے لئے کامیابی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا دارالاسباب ہے

بے شک اللہ تعالیٰ کی طاقت سب سے بڑی ہے، وہ چاہے تو سکنڈوں میں تمام ظالموں کو تہس نہس کر کے انکا نام نشان مٹا سکتا ہے، لیکن اس نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے۔ یہاں ہر کام سبب کے تابع ہو کر وجود میں آتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ شافیٔ مطلق ہے وہ چاہے تو بغیر دوا کے مریض کو شفا دے سکتا ہے۔اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، لیکن اس نے دوا کو ذریعۂ شفا بنا دیا ہے۔ جب آدمی دوا کھاتا ہے تو بحکم خداوندی اس کو شفا نصیب ہوتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام خزانوں کا مالک ہے وہ چاہے تو براہ راست آسمان سے رزق کی بارش کرسکتا ہے۔لیکن اس نے آدمی کی محنت اور کمائی کو رزق کا سبب بنا دیا ہے۔ آدمی جب محنت مشقت کرتا ہے تو روزی کے دروازے اس کے لئے کھلتے چلے جاتے ہیں۔اسی طرح کا معاملہ ظالم طاقتوں سے نپٹنے میں بھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ وقت کے فرعونوں کو ہر وقت مٹانے پر پوری طرح قادر ہے اور کبھی کبھی وہ اس کا مظاہرہ فرما بھی دیتا ہے، لیکن اس نے ظالموں سے مقابلہ کے لئے دنیوی اسباب وذرائع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد خداوندی:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ الخ.

(الانفال: ٦٠)

اور تیار کرو ان (دشمنوں) سے لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکو طاقت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر الخ۔

اس آیت میں دشمنوں کے خلاف ہر ممکن تیاری کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں ''قوۃ'' ایسا لفظ ہے جو قیامت تک ایجاد ہونے والے تمام آلات جنگ کو شامل ہے، لہذا مسلم حکومتوں کا یہ فرض ہے

کہ وہ اپنے دشمنوں پر رعب ڈالنے اوران کے شر سے بچنے کے لئے خود حفاظتی تدابیر اختیار کریں اور بدلتے زمانہ کے اعتبار سے جو بھی آلات حرب مہیا ہو سکتے ہوں ان کے حصول میں دریغ نہ کریں۔ ساتھ میں اسلامی تعلیم یہ بھی ہے کہ ان اسباب کو اختیار کر کے ان پر بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔ جو مسلمان صرف دنیوی ذرائع پر بھروسہ کریں گے وہ ہرگز کامیاب نہ ہو پائیں گے۔ چنانچہ غزوۂ حنین کی ابتداء میں پیش آمدہ بدنظمی اور گھبراہٹ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ. (التوبة: ۲۵)

اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے، اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر، پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے، اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے، پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر۔

یہ آیت بتا رہی ہے کہ اسباب اختیار کر کے اس پر مغرور اور مطمئن ہونا ہرگز کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ضروری ہے۔ اس کے بغیر اسباب نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسباب اور دعا، دونوں ضروری ہیں، اگر صرف اسباب ہوں اور دعا ندارد ہو تو بھی مفید نہیں اور اگر صرف دعا ہی دعا ہو اسباب ندارد ہوں تو بھی نتیجہ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے۔ اللہ پر کسی کا دباؤ نہیں ہے کہ بس دعا میں جو زبان سے نکل جائے وہ فوراً وقوع پذیر ہو ہی جائے، اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا خود مالک ہے، وہ حکیم ہے، اس کی حکمت اور مصلحت تک ہماری ناقص عقل رسائی حاصل نہیں کر سکتی، ہماری ذمہ داری بس یہ ہے کہ ہمیں جن کاموں کا جس وقت مکلّف کیا جائے اس کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے انجام بخیر ہونے کی درخواست کریں اور اس سے اپنا رشتہ مضبوط کریں۔

موجودہ دور کے مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ زمینی حقائق سے صرف نظر کر کے کہیں تو اسباب پر اطمینان کر کے خدا کو بھول جاتے ہیں جیسا کہ عراق میں ہوا کہ وہاں اسباب تو کسی نہ کسی درجہ میں تھے مگر رجوع الی اللہ کا فقدان تھا، اور کہیں اسباب سے رخ پھیر کر صرف دعا سے دشمن کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ گذشتہ سال افغانستان میں ہوا کہ وہاں گو کہ رجوع الی اللہ کا جذبہ نمایاں تھا لیکن اسباب کالعدم کے درجہ میں تھے اور بعض جگہوں پر حال یہ ہے کہ نہ اسباب کی طرف نظر ہے اور نہ ہی رجوع الی اللہ کی فکر ہے۔ بلکہ مکمل غفلت اور بے حسی کی زندگی گذر رہی ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں ملت کی عزت وسربلندی کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے ؟۔

مسلم معاشرہ کا حال

آج ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے، مسلم ممالک کی عیش وعشرت کی زندگی اور خواب خرگوشی، اللہ کی نعمتوں کی بے دریغ ناقدری، اقتدار کی ہوس میں قومی وملی مفادات کی پامالی، اور اپنوں سے نزاع اور دشمنوں کی چاپلوسی وغیرہ، ایسے عمومی جرائم ہیں جو یقیناً ناقابل معافی ہیں، جن کی نحوست کا اثر آج تمام عالم اسلام میں دیکھا جاسکتا ہے، مزید برآں یہ کہ ایسے حالات میں جبکہ تمام عالم کے مسلمان عراقی مظلوم عوام کے زخموں کے تصور سے تڑپ رہے تھے اور بارگاہ ایزدی میں الحاح وزاری کے ساتھ دست بدعا تھے عین اسی زمانہ میں دیگر عرب ممالک کے علاوہ خود عراقی ٹیلی ویژن پر (جب تک بھی وہ کام کرتا رہا) خوف خدا اور نصیحت کی باتوں کے بجائے میوزک کی آوازیں اور فلمی اداکاراؤں کے رقص وسرود کے مناظر دکھائے جاتے رہے، اور حد تو یہ ہے کہ جس وقت شہر بغداد پر امریکی بے رحم افوج کی ہولناک بمباری جاری تھی اور اسپتالوں میں پڑے ہوئے ہزاروں جاں بلب زخمیوں کی کراہوں اور معصوم بچوں اور عورتوں کی چیخوں اور سسکیوں سے ماحول کرب ناک تھا، عین اسی وقت بغداد کے بازاروں میں میوزک کی دوکانوں پر خریداروں کی بھیڑ اپنے من پسند گلوکاروں کی کیسٹیں اور کمپیوٹر کی سی ڈیاں خریدنے کے لئے جمع تھی، کیا خدا سے غفلت کا اس سے بڑا نمونہ اور کوئی بھی

ہوسکتا ہے؟ اس کے بعد جب بغداد کا سقوط ہوا تو اسی شہر کے باسیوں کی فوج ظفر موج اپنے ہی شہر کو لوٹنے اور اپنے ہی بھائیوں کی املاک کو تباہ کرنے پر تل گئی اور کئی دنوں تک ان شرپسند عناصر کی گرفت سے کسی بھی شخص کی جان، مال، عزت آبرو کچھ محفوظ نہیں رہی۔ ذرا سوچیں! کیا اس لوٹ مار کی شریعت میں کوئی گنجائش ہے؟ اور کیا جو لوگ ایسے دہشت کے ماحول میں بھی خدا سے غافل رہیں اور شرارتوں میں مشغول رہیں تو کیا وہ خدا کی رحمت اور نصرت کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ آج عالم اسلام کا مسلم معاشرہ فکری اور معاشرتی اعتبار سے پوری طرح مغربیت زدہ ہو چکا ہے۔ لباس، تراش خراش، صورت وسیرت سب انگریزوں کے سانچے میں ڈھل چکی ہے۔ بعض ممالک کا حال تو اتنا بدتر ہے کہ وہاں جاکر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی مسلم ملک ہے یا پیرس کا کوئی فیشن بازار ہے؟ جینس اور ٹی شرٹ کے بے ہودہ لباس میں ملبوس لڑکے لڑکیوں کے ٹولے جا بجا مٹر گشتی کرتے نظر آتے ہیں، خواتین میں بے پردگی عام ہے۔ نماز سے غفلت اور بے کار مشغلوں میں وقت کا ضیاع فیشن بن چکا ہے۔ گھروں میں اسباب عیش وعشرت کی بہتات ہے مگر دین کے لئے قربانی دینے کا حوصلہ کم یاب ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ جو ممالک سالہا سال سے ظالموں کے نرغے میں جی رہے ہیں ان میں بھی بد دینی ایک عام بات ہے۔ فلسطین جہاں ہر روز کچھ نہ کچھ جانبازوں کا جنازہ اٹھاتا ہے اور سیکڑوں نوجوان اس کی شہادت پر ماتم کناں نظر آتے ہیں، مگر وہاں بھی دینی حالات کچھ اچھے نہیں کہے جاسکتے، یہی حال عراقی عوام کا رہا ہے، یقیناً ان ممالک میں بہت سے دردمند اور فکرمند جوانوں کی ایک کھیپ رفتہ رفتہ تیار ہو رہی ہے جو واقعتہً شریعت کے دائرہ میں رہ کر اپنے دین کی سربلندی کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کو تیار ہے اور موقع پڑنے پر وہ لوگ اپنے جوہر دکھاتے بھی ہیں لیکن ابھی ایسے پرعزم اور حوصلہ مند جوانوں کی تعداد اصل آبادی کے تناسب سے بہت کم ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک معاشرہ میں ایسے اہل تقوی کی بہتات نہ ہوگی اس وقت تک اللہ تعالی کی غیبی مدد کی امید رکھنا خود فریبی ہی کہلائے گا۔

اللہ کا وعدہ نافرمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ فرمانبرداروں کیلئے ہے۔ اللہ کی مدد چاہئے تو اس

کوراضی اورخوش کرنا ضروری ہے ورنہ وہ اپنے دستور کے مطابق ایک کے بعد ایک ظالم کو ہم پر مسلط ہونے کے لئے کھلی چھوٹ دیتا رہے گا۔اور ہم مزید رسوائی اور ذلت میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔

اصل مرض کی نشان دہی

امت کی ذلت کے اصل اسباب بیان کرتے ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُوْشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعِيْ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعِيْ الْاَكَلَةُ إِلىٰ قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ. وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الْوَهْنَ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَا الْوَهْنُ، قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

(أبوداؤد شريف ۲/ ۵۹۰)

عنقریب غیر مسلم قومیں تم پر اس طرح پل پڑیں گی جیسے کھانے والے لوگ کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ بات سن کر ایک شخص نے عرض کیا: کہ کیا اس دن ہم لوگ کم تعداد میں ہونگے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ”نہیں! بلکہ تم اس دن بہت کثیر تعداد میں ہوگے۔مگر اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وہن (کمزوری) ڈال دے گا۔ ایک صاحب نے پوچھا: کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ”وہن“ کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ (۱) ”دنیا کی محبت (۲) موت کا ڈر“ (یعنی یہ دونوں صفات امت کی کمزوری کا اصل سبب ہیں)

اگر ہم حالات کا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہوگا کہ آج امت کا عمومی حال پیغمبر علیہ السلام کے مذکورہ بالا ارشاد کے عین مطابق ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہورہی ہے۔آج عموماً مسلمان عیش وعشرت اور دنیوی لذتوں میں مست اور مدہوش ہیں اور اسی

دنیوی محبت نے ان کے دل ودماغ میں بزدلی اور مرعوبیت بٹھادی ہے۔اوروہ جہاد جیسے عظیم الشان فریضہ سے غافل ہوتے جارہے ہیں۔حالاں کہ جہاد شرعی کے بغیر امت کی عزت اور سربلندی قطعاً محال ہے۔اگر عربوں نے دانشمندی سے کام لیا ہوتا تو آج عرب کی سرزمین پر اسرائیل کا ناپاک وجود برقرار نہ رہتا اور نہ ہی ظالم سامراجیوں کو یہ ہمت ہوتی کہ وہ کسی بھی اسلامی ملک کوخواہ مخواہ تر تاخت وتاراج کرسکیں۔اگر ان حکمرانوں کے دلوں میں اسلام کی قدر و قیمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تو وہ اپنے ہی بھائیوں پر ہونے والے ہولناک مظالم پر خاموش تماشائی نہ بنے رہتے بلکہ مشترک دشمن کے مقابلہ کے لئے متحدہ طور پر سامنے آتے۔اور دشمن کو پیچھے ہٹنے اور عرب علاقے خالی کرنے پر مجبور کردیتے۔مگر برا ہو غفلت کوشی اور لذت پرستی کا! کہ اس کی بہتات نے مسلم حکمرانوں کو مغربی طاقتوں کا بے گاری غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔اور دشمن کو مرعوب کرنے کے بجائے وہ خود اس سے لرزہ براندام نظر آرہے ہیں۔اگر آج مسلمانوں نے آنکھیں نہ کھولیں اور دانشمندی کا راستہ نہ اپنایا تو ابھی تو صرف سقوط کابل، اور سقوط بغداد کے المیے پیش آئے کل سقوط دمشق وغیرہ کا نمبر آسکتا ہے۔جس کے آثار ابھی سے نظر آنے لگے ہیں۔اس لئے مسلم ممالک کو ہوش میں آنا چاہئے اور پوری جرأت مندی کے ساتھ دشمنوں سے لوہا لینے کی تیاری کرنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا قدم یہ ہو کہ تمام مسلم ممالک ''انجمن اقوام متحدہ'' سے احتجاجاً الگ ہوجائیں اور اس کے مقابلہ میں اپنا الگ ''اسلامی بلاک'' بنائیں۔اور آپس میں سب سے پہلے یہ معاہدہ کریں کہ جب بھی کسی مسلم ملک پر کوئی بھی دشمن حملہ آور ہوگا تو سب مل کر اس کا دفاع کریں گے۔اس بارے میں عربوں کو یورپ کی سیاسی، اقتصادی اور فوجی تنظیم ''ناٹو'' سے سبق لینا چاہئے۔ جو پورے خطۂ یورپ کے تحفظ اور ترقی کی ضامن ہے۔اسلامی ممالک اگر آپس میں اسی طرح کے روابط اور معاہدے کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو ممکن ہے کہ ظالموں کے توسیع پسندانہ عزائم پر روک لگے۔اور دشمن کے منصوبے ناکام ہوجائیں۔اور اگر یہ نہ ہوا تو پھر سامراجیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ممکن نہ رہے گا۔

ہندوستانی مسلمان بھی سبق لیں

ہندوستان میں حالات جس تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ اور امن کی جگہ خوف ودہشت اور خوش حالی کی جگہ محتاجگی میں جس طرح اضافہ ہورہا ہے وہ بھی حددرجہ تشویش ناک ہے۔ اس میں بھی باطنی اسباب کے اعتبار سے ہماری بدعملیوں کا بڑا دخل ہے۔ آج آخر کون سی ایسی خرابی ہے جو ہمارے مسلم معاشرہ میں نہیں پائی جاتی۔ بے شک ہمارے اندر جذبات کی بہتات ہے لیکن میدان عمل میں ہمارے قدم راسخ نہیں ہیں۔ معاصی اور منکرات کی برائی تک ہمارے ذہنوں سے نکل چکی ہے، نئی نسل فحاشی اور عریانیت کی دلدادہ اور سیر سپاٹے اور تفریحات کی عادی بنتی جارہی ہے۔ دینی اور دنیوی ہر طرح کی تعلیم میں ہمارا تناسب ناقابل بیان حدتک کم تر ہے۔ امانت ودیانت کا فقدان ہے۔ اور بدعملی کا دور دورہ ہے۔ انہی بدعملیوں نے آج ہمارے اوپر ظالم حکمرانوں کو مسلط کررکھا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے حالات درست کرنے چاہئیں۔ اور روشن مستقبل کیلئے ابھی سے فکر کرنی چاہئے۔ ضروری ہے کہ تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دیجائے، فضول خرچیوں سے پوری طرح اجتناب کیا جائے، اور اپنا سرمایہ زیادہ سے زیادہ ملت کی تعمیر وترقی میں صرف کیا جائے۔ اس کے بغیر ہمیں تحفظ فراہم نہیں ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے اور پوری امت اور انسانیت کیلئے خیر وعافیت کے فیصلے فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۳ء)

○○

عالم اسلام کی حالت زار

اس سال مسجد نبوی (مدینہ منورہ، علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں حاضری کے دوران ایک مصری شخص سے ملاقات ہوئی، اس کی عبادت اور تلاوت کا انہاک قابلِ رشک تھا، ایک ہی جگہ کئی روز بیٹھنے کی وجہ سے اس سے کچھ انسیت سی ہوگئی تو احقر نے خالی الذہن ہوکر اس سے پوچھا کہ آپ کا مشغلہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک پولس افسر ہوں، اس کے بعد اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے جو الفاظ کہے اس سے احقر کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے کہا: نَحْنُ کِلَابُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ نَقْتُلُ الرِّجَالَ الَّذِیْنَ تَمَسَّکُوْا بِالدِّیْنِ قَبْلَ اَنْ یَقْتُلُهُمُ الْاَمْرِیْکَانُ. یعنی ہم اس امت کے کتے ہیں، ہم امریکیوں کے اقدام سے پہلے ہی پکے دیندار مسلمانوں کو پکڑ کر قتل کردیتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کیا دیندار مسلمانوں سے ”الاخوان المسلمون“ سے وابستہ لوگ مراد ہیں؟ تو اس نے کہا: ”نہیں، بلکہ ہمارا اصل نشانہ ”الجماعة الاسلامیه“ ہے جو مصر میں ایک اہم دعوتی تحریک کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر اسے چونکہ امریکہ نے دہشت گرد جماعت قرار دے رکھا ہے اسلئے اس سے وابستہ افراد کو ختم کرنا ہماری سرکاری ڈیوٹی میں شامل ہے“۔ اس پولیس افسر کے بیان کردہ حقائق دراصل آج کے بے ضمیر اور بددین مسلم حکمرانوں کی اسلام دشمن پالیسیوں کی عکاسی کررہے تھے اور موقع بموقع اخبارات میں چھپنے والے واقعات اس کی تائید کے لئے کافی ہیں۔ مدینہ منورہ ہی میں ایک صاحب نے بتایا کہ چند روز قبل جب مصر میں ”الاخوان المسلمون“ کے مرشد عام کی وفات ہوئی اور چند ہی گھنٹوں میں لاکھوں افراد ان کے آخری دیدار اور جنازہ میں شرکت کے لئے جمع ہوگئے تو حسنی مبارک حکومت نے اس پورے مجمع کی ویڈیو بنا کر امریکی حکومت کو بھیجی اور امریکہ کو باور کرایا کہ ”تم ہمارے اوپر جمہوریت لاگو کرنے پر زور مت

ڈالو، اس لئے کہ یہاں اصل جمہوریت اگر آ گئی تو اقتدار میں یہی دین سے وابستہ لوگ آئیں گے جو آج بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں اور رہ گئی تمہارے مفادات کی بات تو ہم ان کی جتنی اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں اتنا کوئی اور نہیں کر سکتا'' گویا کہ امریکی طاغوت کی وفاداری کے حصول کے لئے دینی تحریکات اور ان سے متعلق افراد کو بلی پر چڑھایا جا رہا ہے۔

اور یہ معاملہ صرف مصر ہی کا نہیں بلکہ کسی بھی مسلم حکومت کا حال اس سے مختلف نہیں ہیں، انڈونیشیا میں شیخ ابوبکر البشیر اسی پاداش میں پابۂ زنجیر ہیں اور پاکستان میں کمال اتاترک کے حلقہ بگوش مسٹر پرویز مشرف وزیرستان کے علاقہ میں امریکہ کے زیر قیادت دینداروں کی پکڑ دھکڑ میں فخریہ طور پر مشغول ہیں اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ سیکولر اور روشن خیال ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، وہیں اب امریکہ نے یمن کے طاقتور دینی قائد اور داعی الی اللہ شیخ عبدالمجید زندانی کے خلاف وارنٹ جاری کر دیئے ہیں، ادھر سعودی عرب کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے جگہ جگہ دھماکے، اور پھر چھاپے اور گرفتاریاں روزمرہ کا معمول بنتی جا رہی ہیں، جہاں کبھی کھلے ہوئے ہتھیار نظر نہ آتے تھے وہاں اب جا بجا مشین گنوں سے لیس گاڑیاں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح فلسطین کا چپہ چپہ آج ''حماس'' کے جانثاروں کے خون سے لہولہان ہے۔ اور حماس کے خلاف اس کارروائی کی آلہ کار سیکولر عناصر پر مشتمل ''فلسطینی اتھارٹی'' بنی ہوئی ہے جو امریکی دربار میں خوشنودی کا پروانہ پانے کیلئے آزادی کے جانثاروں کو گرفتار کرنا اپنا قابل فخر کارنامہ سمجھتی ہے، دوسری طرف عراق بے قصور عوام کا مقتل بنا ہوا ہے۔ ابھی چند روز قبل یہ چونکا دینے والی خبر آئی کہ عراق میں اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے دو ہزار ایجنٹ کام کر رہے ہیں جن کا مشن یہ ہے کہ شیعہ سنی عوام میں نفرت پھیلا کر ملک کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دیا جائے چناں چہ یوم عاشوراء پر کربلا اور نجف میں ہونے والے ہلاکت خیز دھماکے اسی مشن کا ایک حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ الغرض عوام میں نفرت پھیلا کر انھیں مرعوبیت میں مبتلا کر دینے کا یہ ایک تسلسل ہے جس نے آج پورے عالم اسلام کو اپنے شکنجہ میں کس رکھا ہے۔ اور بظاہر اس سے نکلنے کی کوئی شکل نظر نہیں آ رہی ہے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون .

اخلاقی زوال

نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے **"کما تکونوا یولی علیکم"** (فیض القدیر) یعنی جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمراں ہوں گے اگر اعمال درست ہیں تو منصف اور دیندار حکمراں عطا ہونگے اور اعمال خراب ہیں تو ان کی نحوست سے ظالم و جابر اور بددین حکمراں مسلط کردئے جائیں گے۔ اس ارشاد نبوی کے اعتبار سے آج جو لوگ ہم پر مسلط ہیں اور زمام اقتدار جس طرح جابر افراد کے ہاتھوں میں جارہی ہے وہ سب ہماری بدعملیوں کا شاخسانہ ہے۔

اسی سفر حج میں ایک صاحب نے سوال کیا: کہ آخر آج امت اس قدر ذلیل کیوں ہورہی ہے؟ نہ اجتماعیت ہے، نہ قوت ہے اور نہ عزت ہے؟ آخر وہ کون سا وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت ہمارے ساتھ ہوگی؟ احقر نے عرض کیا کہ نصرت خداوندی کی امید اور آس تو ہم نے خوب لگا رکھی ہے لیکن اسباب نصرت اور شرائط رحمت کے حصول میں ہم مجرمانہ حد تک غفلت برت رہے ہیں۔ ماشاء اللہ حج میں دنیا کے چپہ چپہ سے فرزندان توحید آتے ہیں لیکن آپ جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ بلا مبالغہ ۸۰ — ۹۰ فیصد افراد دینی تشخص سے محروم ہیں مردوں کی داڑھیاں ندارد ہیں، عورتیں بے پردہ ہیں، اور اکثریت کا لباس اور وضع قطع مغربیت زدہ اور اسلام مخالف ہے۔ تو جو قوم اپنے تشخص کو چھوڑ دے اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے امتیازات کو پامال کردے اسے بھلا عزت کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ ذرا غور کریں! آخر کون سی ایسی خرابی ہے جو ہم میں نہیں پائی جاتی ہے؟ ہر سطح پر اور ہر طبقہ میں ایسی سنگین کوتاہیاں عام ہیں جو واقعۃً ہماری عزت کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں، گھر گھر میں فواحش کی کثرت نے ہمارے ایمانی جذبات کو کھوکھلا کردیا ہے۔ مسلم ممالک میں جس تیزی کے ساتھ فحاشی اور عریانیت پھیل رہی ہے وہ دینی فکر رکھنے والوں کے لئے سوہان روح ہے۔ متحدہ عرب امارات جیسے فری پورٹ مسلم ممالک آج خلیج میں تجارت کے ساتھ ساتھ شیطنت اور بدکاری کے عالمی اڈوں میں تبدیل ہوتے جارہے ہیں، وہاں جاکر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی مسلم ملک میں ہیں یا کسی حیاباختہ یورپین ملک میں؟ سعودی عرب کے بارے

میں سنا جاتا تھا کہ وہاں اس بارے میں بہت روک ٹوک ہے مگر معلوم ہوا کہ صرف ظاہری طور پر حکومت کی کچھ پابندیاں ضرور ہیں ورنہ گھریلو معاشرہ اورعوام کی انفرادی زندگی ابتر ہوتی جارہی ہے۔لوگوں نے بتایا کہ جب سے بحرین سے سمندری پل کا راستہ بنا ہے یہاں کے عیش پسند لوگ ہر ہفتہ چھٹیاں منانے پل پار کر کے بآسانی بحرین چلے جاتے ہیں جہاں شراب اور رقص وسرود کے اسباب برسر عام فراہم ہیں، اور پھر واپس آجاتے ہیں اور اس راستے سے سعودی عرب میں بھی شراب کی اسمگلنگ بکثرت ہونے لگی ہے اور اسکے علاوہ ڈش اور انٹرنیٹ کے ذریعہ جو فواحش گھر گھر پھیل رہے ہیں وہ الگ ہیں، اور حکومت ان آلات واسباب پر بندش لگانے میں قطعاً سنجیدہ نہیں ہے۔ جب سعودی عرب کا حال یہ ہے تو دیگر ممالک کا تو کہنا ہی کیا۔اسلام کے نام پر بنایا گیا ملک پاکستان تو معلوم ہوتا ہے سرکاری سرپرستی میں فحاشیت کی دوڑ میں سب سے آگے نکلنے کے لئے پرتول رہا ہے، ابھی لاہور سے شائع ہونے والے ایک رسالہ ’’محدث‘‘ میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ بسنت (پتنگ بازی کے تیوہار) کے موقع پر پاکستان بالخصوص لاہور شہر میں اس سال جس طرح ہڑبونگ اور طوفان بدتمیزی مچایا گیا ہے اس نے شرفاء کے سر کو شرم سے جھکا دیا ہے۔ بلا روک تھام شراب کے جام چلے، دن بھر اور رات بھر سڑکوں اور مکانات کی چھتوں پر لڑکے لڑکیاں گانے کی تھاپوں پر تھرکتے رہے اور انسانیت کا مذاق اڑاتے رہے۔اور یہ صرف بسنت کی خصوصیت نہیں بلکہ پاکستان میں ویلینٹائن ڈے (عاشق ومعشوق کے مابین اظہار عشق کا دن) کو جو شرمناک حرکتیں سرکاری نگرانی میں ہوتی ہیں انھوں نے تو یورپی ممالک کو بھی مات دے رکھی ہے الغرض پوری قوم تشویشناک حد تک لہو ولعب میں مشغول ہے اور اپنی حقیقی ذمہ داریوں کو بھول چکی ہے، آج کل ہندو پاک کے درمیان میچ چل رہے ہیں تو دونوں جانب کرکٹ کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ جسے دیکھئے ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے چپکا پڑا ہے۔نہ دین کی فکر نہ دنیا کی،بس کرکٹ کا خولیہ سوار ہے، آج قوم کو اس قسم کی لغویات سے بڑی دلچسپی ہے جبکہ دین کے بارے میں اس کا ہزارواں حصہ بھی فکر نہیں ہے بالخصوص نئی نسل جس ڈگر پر جاری ہے وہ ہرگز ہرگز ترقی یا عزت کا راستہ نہیں کہلایا جاسکتا۔

طبقاتی کشمکش

آج ہماری بے وقعتی کی دوسری بڑی وجہ ہمارا آپسی اختلاف وانتشار ہے۔کوئی مسلم ملک مشترکہ معاملات میں بھی مل جل کر متحدہ موقف اپنانے پر تیار نہیں، بلکہ ہر ملک کو صرف اور صرف اپنا مفاد عزیز ہے۔ساری دنیا میں مسلمانوں پر کچھ گذرتی رہے اور کتنی ہی بے انصافیاں ہوتی رہیں یہ ممالک اسکے دفاع میں کوئی عملی اقدام کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے۔زیادہ سے زیادہ زبانی یا تحریری طور پر کھوکھلا سا احتجاج کر دیا اور بس! پھر ان ممالک میں جو اسلام کا مرکز کہے جاتے ہیں وہاں اسلامی مساوات کے برخلاف طبقاتی کشمکش کے جو مناظر سامنے آرہے ہیں وہ حد درجہ تشویش ناک ہیں آج کل سعودی عرب میں اجنبیوں کے ساتھ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر جو امتیاز اور بدترین تعصب کا معاملہ کیا جارہا ہے وہ اسلامی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔سعودی عرب جاکر معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی ہونا شاید کوئی جرم ہے جس کی سزا اجنبی کو ہر موڑ پر بھگتنی پڑتی ہے ابھی یہ خبر بہت مشہور ہوئی کہ کچھ دوکانوں پر کام کرنے والے اجنبیوں کو جیل میں بند کیا گیا پھر بطور سزا انکے سر مونڈ دئے گئے اور انھیں برسر عام ذلیل کیا گیا، اگر سعودیہ کو اجنبی ایسے ہی ناپسند ہیں تو انھیں ویزا دیکر بلایا ہی کیوں جاتا ہے؟ پھر انھیں اقامہ ہی کیوں جاری کیا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اجنبیوں کی اکثریت ایسے ہی افراد پر مشتمل ہے جو قانونی طور پر حکومت کی اجازت سے وہاں مقیم ہیں تو پھر ان کی تذلیل وتحقیر کے کیا معنی ہیں؟ یہ رویہ شرعاً اور اخلاقاً ہر طرح قابلِ مذمت ہے۔اس کے نتیجہ میں اجنبیوں کے دلوں میں سعودیوں کے خلاف نفرت کا لاوا پک رہا ہے جو کسی بھی دن شعلہ جوالہ میں بھی تبدیل ہوسکتا ہے۔

یہی حال قبائلی امتیاز اور برادری واد کا ہے کہ آج یہ جاہلیت کی باتیں جنھیں ختم کرنے کے لئے اسلام آیا تھا وہی ہماری پہچان بن گئی ہیں کوئی شخص اپنے متعین کردہ خول سے باہر نکلنے اور ایثار وقربانی کا مظاہرہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔اسی وجہ سے ہمارے دشمن خود ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر اقتدار پر قابض ہورہے ہیں ہندوستان میں الیکشن قریب ہیں تو آپ دیکھ لیں جس سیٹ پر کچھ معتد بہ مسلمان آباد ہیں وہاں کئی کئی مضبوط امیدوار کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس طرح ووٹوں کی تقسیم سے

مسلم ووٹ بے اثر ہوجاتے ہیں اور مخالف جماعت اپنی سیٹ صاف نکال کرلی جاتی ہے۔ یہ کسی سے نہیں ہوتا کہ قومی مفاد میں کوئی امیدوار اپنا نام واپس لے لے تاکہ دوسرے بھائی کے لئے کامیابی کی راہ آسان ہوجائے۔ لیکن یہ ابھی تک ایسا خواب ہے جسکا شرمندۂ تعبیر ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔

اللہ کا وعدہ برحق ہے

دنیا میں اہل ایمان کے لئے نصرت خداوندی کا وعدہ اسی وقت ہے جبکہ وہ اعمال صالحہ پر کاربند اور نافرمانیوں سے دور ہوں ارشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. (النور:۵۵)

وعدہ کرلیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے انھوں نے نیک کام کئے ضرور انھیں حاکم بنادے گا ملک میں جیسے حاکم بنایا تھا ان سے اگلے لوگوں کو، اور جمادے گا ان کے لئے انکا دین جو پسند کرلیا انکے واسطے، اور دے گا ان کو انکے ڈر کے بدلے امن۔

اس لئے اگر ہم وعدۂ خداوندی کے مستحق بننا چاہتے ہیں تو ہمیں وعدہ کی تکمیل کی شرائط پوری کرنی ہونگی۔ ان شرائط کو پورا کئے بغیر نصرت کا اپنے کو مستحق سمجھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ امت کا ہر فرد اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ اپنے گھر والوں کی دینداری کے بارے میں متفکر ہو بلکہ سارے عالم کی اصلاح کا جذبہ لے کر کھڑا ہو۔ اور منکرات و معاصی کی نفرت دل میں بٹھائے اور ان سے حتی الوسع بچنے کی کوشش کرے۔

دنیا دارالاسباب ہے

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، دنیا کے کام محض تمنا اور امید سے پورے نہیں ہوتے بلکہ ہر کام کے لئے جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے، اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس ہماری دعاؤں سے دنیا الٹ پلٹ ہوجائے گی، اور ہمارا دشمن بالکل تباہ و برباد ہوجائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر وقت

ایسا کرنے پر قادر ہے مگر اس کا دستور یہ ہے کہ دنیا کے معاملات اسباب کے تابع ہو کر ہی سامنے آتے ہیں، اس لئے دنیوی عزت کے حصول کے لئے جو لازمی اسباب ہیں ان سے پہلو تہی کرنا بھی کسی طرح مناسب نہیں ہے، آج علوم جدیدہ اور سائنس اور کمپیوٹر کا دور ہے، ہمیں اگر عزت حاصل کرنی ہے تو ان علوم کی طرف بھی بھر پور توجہ دینی ہوگی ہمارے اندر اعلیٰ درجہ کے سائنس داں، انجینئر اور ماہرین فنون ہونے چاہئیں جو زندگی کے ہر موڑ پر خلق خدا کے کام آئیں اور قومی عزت کا سبب بنیں، مگر یہ عزت کا سبب جبھی بنیں گے جب وہ پہلے اپنی ذات پر دین نافذ کرنے کے جذبہ سے سرشار ہوں اور ہر محاذ پر دین کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کوشاں ہوں، ورنہ ان ماہرین کی بڑی سے بڑی کھیپ قومی سربلندی کے بجائے مرعوبیت اور مغلوبیت کا سبب بن جائے گی، جیسا کہ آج کل اکثر دیکھا جارہا ہے کہ علوم جدیدہ کے بہت سے ماہرین روز بروز احساس کمتری کا شکار ہو کر دین کا چولہ اتار پھینکنے کو تیار ہیں، اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ سیکولر اور وسیع الظرف ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف علوم نبوت کے ماہرین کو بھی علوم جدیدہ کی طرف خاطر خواہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اور اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نصاب میں تبدیلی کی جائی بلکہ مطلب یہ ہے کہ تخصصات کے شعبوں میں مدارس سے ہٹ کر دیگر معتبر اداروں سے وابستہ ہو کر علماء اپنی وضع قطع میں رہتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ علوم حاصل کریں ظاہر ہے کہ فکر مند علماء اگر دینی فکر کے ساتھ علوم جدیدہ حاصل کریں گے تو وہ جدید وقدیم کا بہترین سنگم بن کر قوم وملت کی زیادہ خدمت کر سکیں گے، مگر شرط یہی ہے کہ اس میدان میں آکر ایک منٹ کے لئے بھی اپنی دینی، اصلاحی اور دعوتی ذمہ داری سے غفلت نہ برتیں ورنہ یہ میدان ان کے لئے علوم نبوت سے محرومی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ **اللّٰھم احفظنا منه۔**

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت امت اسلامیہ داخلی اور خارجی اعتبار سے نہایت نازک دور سے گذر رہی ہے اس لئے امت کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہر سطح پر دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرے اور ان اسباب کو اختیار کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ (ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۴ء) ○○

مناسب حکمت عملی کی ضرورت

دنیا کا کوئی منصوبہ اس وقت تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے حصول کے لئے مناسب حکمت عملی نہ اپنائی جائے۔ جو شخص حکمت اور مصلحت سے صرف نظر کر کے جدوجہد کرتا ہے وہ خواہ کتنا ہی نیک مقصد لے کر اٹھے اسے اپنی منزل تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی، کامیابی کے لیے لازم ہے کہ اولاً منزل مقصود مقرر کی جائے، پھر اس کے حصول کے لیے مؤثر تدبیر اپنائی جائے۔ اور جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے ہوش سے کام لیا جائے، تو پھر ایسا نتیجہ برآمد ہوگا کہ خود آدمی حیران رہ جائے گا. خاص طور پر جب مقابلہ ایسے کھلے دشمن سے ہو جو اپنی شاطرانہ چالوں میں مشہور ہو تو اس وقت صحیح حکمت عملی کے انتخاب کا مرحلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم میں یہی بات اصولی انداز میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ، وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا، وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ. (حم السجدة: ٣٤-٣٥)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے، پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہوتے ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بر وقت مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں، جوامت کے لیے تاقیامت مشعل راہ ہیں۔ جن سے روشنی حاصل کر کے ملت اسلامیہ ہر نازک موڑ پر رہنمائی حاصل کرسکتی ہے اسی طرح کے چند واقعات کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے :

(۱) **حلف الفضول** : نبیٔ اکرم ﷺ کے اعلان نبوت سے بیس سال قبل جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۰ رسال تھی مکہ معظّمہ میں حلف الفضول کے نام سے ایک بین القبائلی معاہدہ کیا گیا تھا جس کی شرط یہ تھی کہ جب بھی مکہ میں کسی مظلوم پر ظلم ہوگا یا کسی کمزور کی حق تلفی کی جائے گی تو ہم سب مل کر مظلوم کا ساتھ دیں گے اور حقدار کو حق دلانے کے لئے ہر قربانی پیش کریں گے۔ یہ معاہدہ مکہ کے مشہور سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہوا تھا جس میں نبی اکرم ﷺ بھی رونق افروز تھے۔ اور آپ ﷺ نبوت ملنے کے بعد اس معاہدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے :

لَقَدْ شَهِدْتُّ فِيْ دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفاً لَوْ دُعِيْتُ بِهٖ فِيْ الإِسْلَامِ لَاَجَبْتُ. تَحَالَفُوْا أَنْ تُرَدَّ الْفُضُوْلُ عَلٰى أَهْلِهَا وَأَنْ لَايُعَزَّ ظَالِمٌ مَظْلُوْماً.

(الروض الانف ۱/۲٤۲، البداية والنهاية ۲/٦۹٦)

میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک معاہدہ (حلف الفضول) میں شریک تھا جس کی طرف اگر مجھے اسلام کی حالت میں بلایا جائے تو اس کو قبول کروں گا. ان لوگوں نے عہد کیا تھا کہ حقوق حقدار کو لوٹائے جائیں گے اور کسی ظالم کو مظلوم پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔

اس میں چوں کہ آپ ﷺ نے صاف طور پر فرمادیا کہ اسلام ایسے منصفانہ معاہدہ جات کے خلاف نہیں بلکہ ان کا مؤید ہے اس لئے ثابت ہوا کہ جہاں ضرورت ہو وہاں مسلمانوں کو اس طرح کے معاہدہ میں شامل ہونے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے معاہدہ کے وجود کے لئے عوام وخواص کی ذہن سازی کرنی چاہئے. یہ ایک بہترین حکمت عملی ہے۔

(۲) **خصوصی دعوتوں کا اهتمام** : نبیٔ اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد خاندان کے ۴۰ ر اہم

افراد کو اپنے دولت خانہ پر دعوت کے لئے بلایا اور بابرکت کھانا کھلانے کے بعد ان کو اسلام کی دعوت پیش کی، اس دعوت میں آپ ﷺ کا کٹر مخالف ابولہب بھی شریک تھا (الخصائص الکبریٰ ۱/۲۰۶، سیرۃ المصطفیٰ وغیرہ) اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ غیروں کو اپنے سے قریب کرنے کے لئے ''دعوت طعام'' بھی ایک مؤثر حکمت عملی میں داخل ہے۔

(۳) **بڑے دشمنوں کے لیے ہدایت کی دعا**: بعثت مبارکہ کے بعد ابتدائی دور میں دو شخص اسلام کے سخت دشمن تھے۔ جن کا دبدبہ پورے علاقہ پر قائم تھا، ایک ابوجہل عمرو بن ہشام اور دوسرے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے متعلق بارگاہ رب العالمین میں یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان دونوں میں جو آپ کو زیادہ پسند ہو اس کو اسلام کی دولت سے نواز کر دین کی عزت کا سامان فراہم فرمادیں۔ یہ دعا آپ ﷺ نے پیر کے دن ظہر کی نماز کے بعد کرنی شروع کی تھی ہر روز اسی وقت آپ ﷺ دعا فرماتے رہے تا آں کہ تیسرے دن یعنی بدھ کے روز ظہر کے بعد سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا قبول ہوگئی اور آپ حیرت انگیز طور پر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ جس کے بعد پورے مکہ میں مسلمانوں کی ایک دھاک قائم ہوگئی۔
(البدایہ والنہایہ ۳/ ۸۷)

اس طرز عمل میں بھی ہمارے لئے اسوۂ مبارکہ موجود ہے کہ ہمیں دین کے کٹر دشمنوں کے حق میں یہ دعاء خیر کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دے۔ اگر ان میں چند بھی راہ راست پر آجائیں تو دین کو بڑی تقویت مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی مستبعد بھی نہیں۔ وہ چاہے تو منٹوں میں دل پھیر دے۔ اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے ☆ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

(٤) **ہجرت کے بعد پہلا علاقائی معاہدہ**: نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد نہایت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اولاً یہ عمل کیا کہ انصار مدینہ اور مہاجرین میں

دینی اخوت کا رشتہ قائم فرمایا جس سے دونوں طبقوں میں ایسا مثالی امتزاج سامنے آیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے پھر ساتھ میں آپ ﷺ نے تمام مسلم اور یہودی قبائل کو ملا کر ایک معاہدہ نامہ منظور کرایا جس میں مظلوم کا ساتھ دینے اور خارجی دشمن کا مل جل کر مقابلہ کرنے وغیرہ جیسی دفعات شامل تھیں۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۳۹)

اس معاہدہ کی وجہ سے یہودیوں کی شرارتوں پر بعد میں باز پرس کرنے اور ان کی طاقت کو زیر کرنے میں سب سے زیادہ مدد ملی۔ اگر یہ معاہدہ نہ ہوتا تو یہودی تمام تر سازشیں رچاتے رہتے اور کسی کو ان سے ٹکر لینے کا حوصلہ نہ ہوتا، پیغمبر علیہ السلام کی اس حکمت عملی نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

(۵) **صلح حدیبیہ**: ۶/ھ میں آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر مکہ کے ان مشرکین سے صلح فرمائی جنھوں نے آپ ﷺ کو ساتھیوں سمیت عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ اس صلح میں جو دفعات تھیں وہ بظاہر مسلمانوں کی کمزوری ظاہر کرنے والی تھیں (مثلاً یہ کہ جو کافر مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ آنا چاہے گا اسے مدینہ میں پناہ نہیں دیجائے گی اور اس کے برخلاف جو مسلمان کافر ہو کر مدینہ سے مکہ آجائے گا اسے مکہ سے واپس نہیں کیا جائے گا، وغیرہ) اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایسا جوش تھا کہ وہ بآسانی ان دفعات کو ماننے کے لئے آمادہ نہ تھے بلکہ جنگ کرنے اور مرنے مارنے پر تیار تھے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے بحکم خداوندی اس صلح کو منظور فرمایا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ظاہری جذبات کی بالکل پروا نہیں فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں یہی صلح فتح مکہ معظّمہ کا سبب بن گئی۔ اسی لئے قرآن کریم میں اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا۔ (سورۂ فتح: ۱)

روایات میں آتا ہے کہ جب حدیبیہ میں بظاہر دب کر آنحضرت ﷺ نے صلح فرمائی تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا اور وہ پیغمبر علیہ السلام سے سوالات کرنے لگے کہ کیا آپ نبی برحق نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کیوں نہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ہم

اپنے دین میں یہ ذلت کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اللہ کا رسول ہوں میں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہی میرا مددگار ہے'' پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جذبات کا جوش نہیں تھما تو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر اسی طرح کے سوالات فرمائے اور حسنِ اتفاق کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بعینہٖ وہی جواب دیا جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا تھا۔ الغرض اس وقت نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جذبات سے سخت مغلوب تھے حتی کہ جب آپ ﷺ نے معاہدہ کی تکمیل کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اٹھو اور اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے سر منڈوا کر احرام کھولدو، تو تین دفعہ اعلان کے باوجود کوئی نہیں اٹھا۔ آپ ﷺ کو یہ دیکھ کر تکلیف ہوئی اور آپ ﷺ خیمہ میں تشریف لے آئے جہاں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مغموم دیکھ کر یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ خود اپنا جانور ذبح فرما کر حلق فرمائیں تو پھر دوسرے لوگ خود بخود آپ کی اتباع کرلیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے مغموم دلوں کے ساتھ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں احرام کھولدیئے۔ لیکن بعد میں جب یہی صلح اسلام کی قوت وشوکت کا ذریعہ بنی تو خود سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس وقت کے طرز عمل اور سوال وجواب پر اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ صدقہ خیرات اور نماز جیسے اعمال صالحہ اس کی تلافی کے لئے برابر کرتے رہتے تھے۔ (بخاری شریف ۱/۳۸۰)

''صلح حدیبیہ'' بہترین حکمت عملی کی روشن مثال ہے۔ اس صلح سے اسلام کی اشاعت میں زبردست مدد ملی اور مسلمانوں کی وہ طاقت جو اَب تک مشرکین سے جنگ پر صرف ہورہی تھی وہ پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کی تبلیغ پر صرف ہونے لگی۔ مکہ اور اس کے قریبی قبائل کے لوگ جو جنگی حالات کی وجہ سے مسلمانوں کے قریب آکر اسلام کے محاسن کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے سے محروم تھے وہ اس صلح کے بعد اسلام اور مسلمانوں سے قریب ہونے لگے اور اسلام کی اچھائیاں ان کی نظروں میں سمانے لگیں۔ اور پھر ایسی فضا بنی کہ صرف دو سال میں مکہ فتح ہوگیا۔ اور پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کا ڈنکا بج گیا۔ آج بھی ایسی حکمت عملی سے فائدہ اٹھانے کی

ضرورت ہے۔اس کے بغیر محض جذباتی رواروی سے کام نہیں چل سکتا۔

(٦) **فتح مکہ کے دن عفو ودرگزر** : ۸/ھ میں مکہ معظّمہ فتح ہوا، مکہ والوں نے پیغمبر علیہ السلام اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو اذیتیں پہنچائی تھیں ان کا بھرپور اور عبرتناک بدلہ لینے کا یہ اچھا موقع تھا۔اسی لئے بعض پرجوش صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ جملہ بھی نکل گیا تھا کہ (آج تو گوشت کاٹنے کا دن ہے) لیکن پیغمبر علیہ السلام نے اس دن انتقام کی حکمت عملی نہیں اپنائی بلکہ رحمت اور عفو ودرگذر کی پالیسی اختیار کی اور اعلان فرمایا آج کعبہ کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔ پھر اعلانات کئے کہ جو فلاں کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے وغیرہ وغیرہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۲۸٦، السنن الکبریٰ ۹/ ۲۰۳)

آپ ﷺ کے اس طرز عمل کا اثر یہ ہوا مکہ کے وہ بڑے بڑے سردار جن کی پوری زندگی اسلام دشمنی میں گذری تھی ان کے دل موم ہوگئے اور انہوں نے اسلام سے مشرف ہوکر آپ ﷺ کی ابدی غلامی کو برضاء ورغبت قبول کرلیا۔

(۷) **دین میں پختگی کے لئے مال کا استعمال** : فتح مکہ کے بعد جب حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کو عظیم الشان مال غنیمت ملا تو پیغمبر علیہ السلام نے دل کھول کر یہ مال تالیف قلب کے لئے مکہ کے ان قبائلی سرداروں پر خرچ فرمایا جن کا ایمان ابھی تک پختہ نہ تھا آپ ﷺ نے ان پر خرچ کرکے اپنا احسان رکھا اور یہی احسان ان کے لئے دین میں پختگی کا ذریعہ بن گیا۔ (مسلم شریف ۱/ ۳۳۹ وغیرہ)

یہ بھی آپ ﷺ کی حکمت عملی تھی جس کے اثرات فوری طور پر ظاہر ہوگئے۔اور یہ خطرہ جاتا رہا کہ کہیں یہ نوآموز مسلمان بعد میں اپنے دین سے پلٹ نہ جائیں۔اور دینی اقتدار کو نقصان نہ پہنچ جائے۔

یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ دیکھا جائے تو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا کوئی بھی اقدام حکمت ومصلحت سے خالی نہیں تھا۔اس لئے امت پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے ہر معاملہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرے اور ہر کام کی انجام دہی کے لئے پورے غور وفکر کے بعد مناسب اور مضبوط حکمت عملی طے کرے اور امت کی مجموعی مصالح کو پیش نظر رکھے، کیوں کہ جو لوگ مصالح کو سامنے رکھے

بغیر اقدامات کرتے ہیں ان سے قوم کو فائدہ تو کچھ نہیں ہوتا نقصان زیادہ ہو جاتا ہے۔

بالخصوص ہندوستان جیسے غیر مسلموں کی اکثریت والے ملک کے مسلمانوں کو بہت سوچ سمجھ کر اپنی حکمت عملی طے کرنی ہوگی۔ آج ملک وقوم کے مخالفین فسطائی ذہنیت کے حامل لیڈران جا بجا ''ہندو سنگم'' وغیرہ پروگرام منعقد کر کے مسلمانوں کے خلاف بدترین اشتعال انگیزی کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے آمنے سامنے کے پروگراموں کے ذریعہ اسلام کے خلاف ایک منصوبہ بند مہم پوری شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ اس مہم کو بے اثر کیسے بنایا جائے؟ اس وقت ملت کے سامنے یہ بے حد اہم سوال ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم اسی شدت کے ساتھ اس کے جواب کے لئے میدان میں آئیں اور وہی بدتمیزی کی زبان بولنے لگیں جو ہمارے دشمن بول رہے ہیں تو اس سے دشمنوں کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور وہ ہمارے الفاظ کو لے کر قوم میں مزید اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے دو بدو جواب تو بالکل مناسب نہیں ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ہم ایسی باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیں مگر اس سے یہ نقصان ہوگا کہ جو لوگ خالی الذہن ہیں وہ ہماری طرف سے خاموشی کو ہماری کمزوری پر محمول کریں گے۔ لہٰذا بالکل خاموشی بھی مفید معلوم نہیں ہوتی۔ بریں بنا اس شرارت انگیزی کے توڑ کے لئے ضروری ہے کہ :

(۱) اولاً یہ کہ جن باتوں پر ہمارے دشمنوں کو اعتراض ہے ہم ان پر خود سختی سے عمل پیرا ہو جائیں مثلاً انھیں قرآن پر اعتراض ہے تو ہم ایک تحریک کی شکل میں قرآن کی تعلیم گھر گھر پہنچا دیں اور ملت کا کوئی فرد قرآن پڑھے بغیر نہ رہے۔ اسی طرح انھیں ہماری مسجدوں پر اعتراض ہے تو ہم مسجدوں کو نمازیوں سے بھر دیں اور جیسا اہتمام عید و بقر عید اور جمعہ میں ہوتا ہے ویسا ہی اہتمام پانچوں نمازوں کا کرنے لگیں، اسی طرح انہیں مدرسوں سے شکایت ہے تو ہم ہر محلّہ اور آبادی میں مکتب قائم کر دیں۔ اسی طرح انہیں ہماری داڑھی سے نفرت ہے تو ہمارا ہر مرد سنت کے اس نور کو چہرے پر سجا لے اور اس سلسلہ میں مرعوبیت دل سے نکال دے وغیرہ، الغرض آج اگر امت اپنی دینداری پوری شدت سے آشکارا کر دے تو اس حکمت عملی کی بدولت دشمنوں کی ساری ریشہ دوانیاں

نہ صرف دم توڑ جائیں گی بلکہ پورے ملک میں اسلامی شان وشوکت کے مظاہر دکھائی دینے لگیں گے، انشاء اللہ۔ یہ ایسا کارگر نسخہ ہے جس کو امت پہلے بھی آزما کر کامیاب ہو چکی ہے اور آج بھی کامیابی کی ضمانت اسی نسخہ پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات بالخصوص امن پسندی اور رحم دلی کے مضامین کی ہر زبان میں خوب اشاعت کی جائے جن میں مثبت انداز میں ان آیات جہاد کی تشریح بھی ہو جنہیں بطور خاص نشانہ بنایا جاتا ہے۔ امت کے کچھ باصلاحیت افراد اپنے کو اسی کے لئے وقف کر دیں کہ جو بھی نئی بات اچھالی جائے اس کا مثبت پیرایہ میں جواب دیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ غیر مسلموں کے کمزور طبقات سے رابطہ کر کے ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جائے۔ یہ ہندوستان جیسے ملک میں مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ایک عظیم حکمت عملی ہے ان کمزور لوگوں کو ساتھ لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان کو اپنا آقا مان لیں یا ان کے تابعدار بن جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو شریک کر کے ان کو اپنی کاز کے تعاون کے لئے استعمال کریں تاکہ کہ ہم پر فرقہ پرستی کا الزام نہ لگ سکے۔

بہرحال اس نازک دور میں ملت اسلامیہ ہند اگر اپنے مستقبل کو محفوظ بنانا چاہتی ہے تو اسے جذبات سے ہٹ کر دور اندیشی کو اختیار کرنا ہوگا اور اپنے فروعی اختلافات کو درمیان میں حائل نہ بناتے ہوئے مشترکہ مسائل میں متحدہ موقف اپنانے کے لئے ایثار و قربانی اور صبر واستقامت سے کام لینا ہوگا۔ اس کے بغیر ملت کا دشمنوں کے نرغہ سے نکلنا سخت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کی مدد فرمائے۔ اور ہمارے احوال کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۳ء)

○○

مرتب کی علمی کاوشیں

❑ ذکر رفتگاں

ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں گذشتہ ۱۶؍سالوں (۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۴ء) میں وفات پانے والی امت کی اہم اور موٴقر شخصیات پر شائع شدہ تعزیتی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ جس میں تقریباً ڈیڑھ سو حضرات کے مختصر سوانحی خاکے اور تاثرات جمع ہوگئے ہیں، تذکرۂ اکابر کے شائقین کے لئے بیش بہا تحفہ اور سیر وسوانح کے باب میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ، جس کا مطالعہ انشاء اللہ ذہن میں تازگی اور روح میں بالیدگی کا سبب ہوگا۔

صفحات : ۵۶۸، عام قیمت : ۱۶۰؍روپے، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی

❑ اللہ سے شرم کیجئے

اس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے متعلق ایک جامع ارشاد نبوی ﷺ کی تفصیلی شرح کے ضمن میں نہایت مفید اصلاحی مضامین (آیات قرآنیہ احادیث طیبہ اور احوال واقوال سلف) خوبصورتی کے ساتھ جمع کردئے گئے ہیں، یہ کتاب مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے، اور غفلت کے پردے ہٹانے میں تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ہر بات حوالہ جات سے مزین ہے۔ عوام وخواص کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ اب تک ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں، اور مسلسل اس کی اشاعت جاری ہے۔ ہندی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوچکا ہے، فالحمد للہ۔

صفحات : ۴۳۲، عام قیمت : ۱۰۸؍روپیے۔

❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز

یہ کتاب پہلے ۹۶؍صفحات پر شائع ہوئی تھی اب اضافہ ہوکر ۱۹۲؍صفحات میں خوب صورت کمپیوٹر کتابت پر شائع کی گئی ہے۔ علماء اور طلباء اور اپنی اصلاح کے خواہش مند حضرات کے لئے یہ کتاب اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں اکابر واسلاف کے حیرت انگیز حالات کی روشنی میں اپنے کردار کا موٴثر انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ آج ہی طلب کرکے اپنی روحانی تشفی کا سامان کریں۔

صفحات : ۱۹۲، قیمت : ۶۰؍روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ دعوت فکر وعمل

یہ کتاب مختلف دینی، اصلاحی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مبنی ۷۹؍قیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں پوری قوت کے ساتھ فکری اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ ان مضامین کے مطالعہ سے اصابت رائے اور اعتدال کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، موجودہ دور میں دینی خدمات میں مشغول حضرات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے، اکابر علماء کی تقریظات سے کتاب مزین ہے اور باذوق قارئین کی نظر میں یہ دور حاضر کا ایک گراں قدر تحفہ ہے، متعدد کتب خانوں سے اس کی اشاعت ہورہی ہے۔

صفحات : ۵۴۰، قیمت : ۱۵۰؍روپیے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ دینی مسائل اور ان کا حل

دور حاضر کے اہم پیش آمدہ مسائل کے مختصر اور جامع جوابات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر گھر کی ضرورت اور قدم قدم پر

رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ مسائل کئی سال سے رسالہ تحفۂ خواتین مرادآباد میں سوال وجواب کی صورت میں شائع ہورہے تھے، اب انہیں عربی عبارات اور حوالوں کے ساتھ جمع کر کے شائع کیا گیا ہے، جو عوام کے علاوہ اہل علم اور ارباب افتاء کے لئے بھی مفید ہے۔

صفحات : ۱۴۴، قیمت : ۴۰ روپیہ، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ فتاوی شیخ الاسلامؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی علمی اور فقہی آراء اور مکتوبات کا یہ مرتب مجموعہ بالخصوص فقہ وفتاوی کے شائقین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ ہر مسئلہ حوالہ جات سے مزین ہے اور نادر علمی نکات، فقہی تحقیقات اور قیمتی افادات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوچکی ہے۔

صفحات: ۲۵۱، قیمت : ۸۰روپے، ناشر: مکتبہ دینیہ دیوبند

❑ فتوی نویسی کے رہنما اصول

یہ فقیہ العصر علامہ ابن عابد بن شامیؒ کی معروف کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی روشنی میں اصول افتاء پر ایک انوکھی کتاب ہے، جس میں ۳۴ اصول متعین کر کے ہر اصول کے اجراء اور تمرین کے لئے رہنمائی کی گئی ہے۔ جو طلبۂ افتاء نظر میں گہرائی اور مطالعہ میں گیرائی کے مشتاق ہیں ان کے لئے یہ کتاب قدم قدم پر معاون بن رہی ہے۔ نیز بفضلہٖ تعالیٰ تجربہ سے یہ طرز اجراء بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ صفحات: ۲۴۸، قیمت: ۶۰ روپے، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ ردمرزائیت کے زریں اصول

یہ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چینوٹیؒ (پاکستان) کے ان تربیتی محاضرات کا مجموعہ ہے جو موصوف نے چند سال قبل دارالعلوم دیوبند میں رونق افروز ہوکر علماء وطلباء کے بڑے مجمع کے سامنے دئے تھے۔ انھیں مرتب نے از سر نو ترتیب دیا، اصل کتابوں سے مراجعت کر کے حوالہ جات نوٹ کئے، اور پھر صاحب محاضرات کی نظر کے بعد اسے شائع کیا گیا، یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جس کے متعدد ایڈیشن ہندوپاک میں شائع ہوچکے ہیں۔

صفحات: ۲۱۶، قیمت: ۴۰ روپے۔ شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ قادیانی مغالطے

یہ مختصر رسالہ ان ہرزہ سرائیوں کے جوابات پر مشتمل ہے جو قادیانی لوگ عام مسلمانوں کو بہکانے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے عوام میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی تلبیسات کا اس رسالہ میں مضبوط جواب دیا گیا ہے۔

صفحات: ۱۲۴، قیمت: ۲۰ روپے، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ کتاب المسائل (حصہ اول)

یہ ایک طویل المدتی منصوبہ کا حصہ اول ہے۔ جس میں ابواب فقہیہ کی ترتیب پر فقہی مسائل عمدہ ترتیب، آسان عنوانات اور سلیس اردو زبان میں عربی حوالوں کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، ابھی مسائل طہارت شائع ہوئے ہیں، آگے کام جاری ہے، تکمیل کے بعد ان کی اشاعت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

صفحات: ۱۱۲، قیمت: ۳۰ روپئے، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار

ہندوستان کی تحریکات آزادی میں شروع سے لیکر اخیر تک مسلم عوام اور علماء نے جو عظیم ترین قربانیاں پیش کی ہیں ان کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ سوال و جواب کے انداز میں اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ انداز نہایت دلچسپ ہے. اور ہر بات حوالہ سے مدلل ہے۔ کتاب کے اخیر میں ان حضرات کا جامع تعارف بھی شامل ہے جن کا نام کتاب کے اندر کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے. اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے لئے نئی نسل کے حضرات کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ صفحات: ۲۲۸، قیمت: ۸۰ روپے، ناشر: مرکز نشر و تحقیق لال باغ مراد آباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیو بند

❑ پیکر عزم و ہمت، استاذ اور شاگرد

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہما کی سبق آموز حیات طیبہ پر مشتمل کئی قیمتی مضامین اس مختصر رسالہ میں شامل ہیں، جن کا مطالعہ علماء اور طلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔ صفحات: ۸۰، قیمت: ۴۰ روپے، ناشر: مرکز نشر و تحقیق لال باغ مراد آباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیو بند

❑ نورِ نبوت

یہ رسالہ ۹۹ قیمتی احادیث طیبہ اور ان کی مختصر تشریحات پر مشتمل ہے۔ جو حضرات احادیث شریفہ کو یاد رکھنا چاہیں ان کے لئے یہ بہت مفید اور نفع بخش مجموعہ ہے۔ صفحات : ۷۲ قیمت : ۳۰ روپے ناشر : مرکز نشر و تحقیق لالباغ مراد آباد

❑ اسلام کی انسانیت نوازی

اس مختصر رسالہ میں اہل مغرب کی طرف سے اسلام پر بے جا اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اختصار کے باوجود بہت جامع اور لائق مطالعہ ہے۔ صفحات : ۴۸ قیمت : ۲۴ روپے ناشر : مرکز نشر و تحقیق لالباغ مراد آباد

❑ مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل

تقلید کی ضرورت و اہمیت، اور دوسرے مسلک پر فتوی دینے کی شرائط و حدود، نیز بہت سی نادر اصولی تحقیقات اس مقالہ میں جمع کر دی گئی ہیں۔ علمی اور فقہی مضامین کے شائقین کے لئے یہ گراں قدر تحفہ ہے۔

صفحات : ۷۲ قیمت : ۳۰ روپے ناشر : مرکز نشر و تحقیق لال باغ مراد آباد

❑ دیگر رسائل :

❑ نظر کی پاکیزگی ❑ شمائل رسول ﷺ ❑ حجاج کرام کے لئے ضروری ہدایات اور معلومات ❑ اسلامی معاشرت ❑ اسلام اور احترام انسانیت ❑ تحریک لا مذہبیت: ایک خطرناک فتنہ ❑ تحفۂ رمضان ❑ اپنے نونہالوں کو آگ سے بچایئے ❑ تین طلاق کا مسئلہ، عقل و نقل کی روشنی میں ❑ وندے ماترم، مسلمانوں کو کیوں قبول نہیں؟ ❑ درس سورۂ فاتحہ

❍❖❍